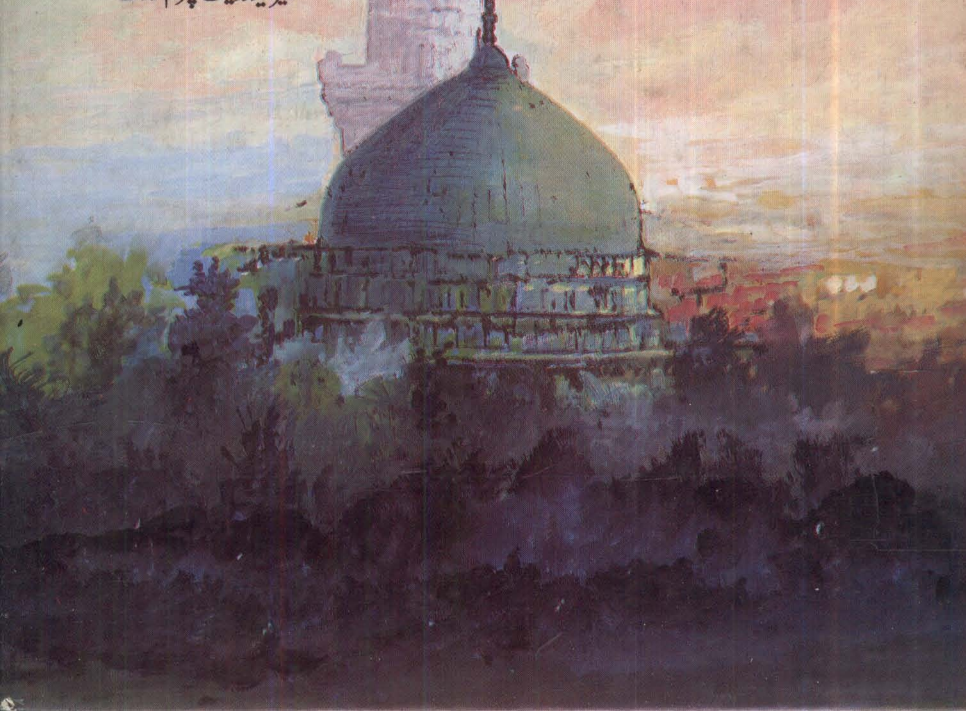
ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن

ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
قانونِ توہینِ رسالت

قرآن وسنت، حقوقِ انسانی، پاکستان و یورپ
کی اعلیٰ عدلیہ کے فیصلوں کے آئینے میں

محمد اسمٰعیل قریشی
سینیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ



ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن

HAFIZ ABDUL RAHMAN MADANI (0300-8458139)

انسائیکلوپیڈیا

ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

قانونِ توہینِ رسالت

قرآن وسنت، حقوقِ انسانی، پاکستان ویورپ
کی اعلیٰ عدلیہ کے فیصلوں کے آئینے میں

محمد اسمٰعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ISBN 969-503-123-4

باراول .... جولائی 1994ء

بارسوم .... فروری 2006ء

کمپوزنگ.........گلزاراحمد

محمد فیصل نے

تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/300 روپے

انتساب

ماضی وحال اور استقبال کے شہیدانِ ناموسِ رسالتﷺ کے نام

بصد

عقیدت واحترام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

فہرست

باب دوم

قانون توہین رسالت

باب سوم

توہین رسالت - جرم وسزا

باب چہارم

قانون توہین رسالت عالمی اور ملکی تناظر میں

باب پنجم

مسلم اسپین میں قانون توہین رسالت اور حقوق انسانی

باب ششم

شہیدان وشیدایان ناموس رسالت

باب ہشتم

قانون،مقدمات اور نظائر (عدالتی فیصلے)

مقدمہ طبع سوم

سال 1999ء میں کتاب ناموس رسول ﷺ اور قانون توہینِ رسالت کی دوسری اشاعت کے بعد بیرونِ ملک خاص طور پر یورپ اور امریکہ کے مسلمان شہریوں نے عقیدت واحترام کے ساتھ اس کتاب کی پذیرائی کی جبکہ غیر مسلم اسکالرز نے بھی اس کو اپنے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) کے شعبۂ تحقیق نے اسے اپنی لائبریری کے لیے اصل کتاب کے ساتھ اس کے کچھ انگریزی ترجمہ شدہ حصے بھی حاصل کیے۔ مسٹر عدیل مینگی بارایٹ لا نے جو کچھ عرصہ انگلینڈ میں ایسوسی ایٹ جج کے طور پر کام کرتے رہے تھے۔ جب ہارورڈ یونیورسٹی ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے پہنچے تو انہوں نے ہماری کتاب کے حوالے سے بلاس فیمی لا پر ریسرچ کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں انہیں سال 2000 میں یونیورسٹی کے اسلامک لیگل اسٹڈیز پروگرام (Islamic Legal Studies Program) کی طرف سے اپنے تحقیقی مقالے (Thesis) کے لیے پاکستان میں قانون توہین رسالت کے ماخذ اور علمی پہلوؤں سے استفادہ کی خاطر مجھ سے معلومات (Instructions) حاصل کرنے کی ہدایت کی چنانچہ لاہور میں ان کا تقریباً ایک مہینہ قیام رہا۔ ہر دوسرے تیسرے دن وہ ہمارے اسٹڈی روم میں آ جاتے۔ بعض اوقات وہاں پاکستان کے معروف سکالر جناب محمود عالم قریشی مرحوم، ڈاکٹر ظفر علی راجا اور لاہور ہائیکورٹ بار کے صدر جناب جاوید جیلانی اور دیگر احباب بھی موجود ہوتے تھے۔ ان سے بھی تبادلِ خیالات ہوتا۔ مسٹر مینگی نے اپنے ذہنی تحفظات اور پیچیدہ سوالات میرے سامنے پیش کیے۔ اس بارے میں میرے تفصیلی جوابات بیانات اور تشریحات (Interpretations) کو وہ اپنے کمپیوٹر میں ریکارڈ کر لیا کرتے تھے۔ واپس جا کر انہوں نے وہاں اپنا مقالہ پیش کر دیا۔ اپنے اس پروجیکٹ (Project) کی کامیابی پر مسز پیری بیرمن (Ms Peri Bearman) ڈائریکٹر پروگرام نے توصیفی خط لکھا جس میں اظہار تشکر کے ساتھ کہا گیا کہ اس کامیابی میں میرا بھی نمایاں حصہ (Contribution) ہے۔ میں نے گزارش کی کہ بیرسٹر مینگی کے اس مقالے کی نقل مجھے فراہم کی جائے۔ معلوم نہیں کیوں انہوں نے اس کی نقل دینے سے معذرت کر لی۔ اسی دوران جنوری سال 2000ء کے (Readers Digest) میں دو متعصب عیسائی رائٹرز (Cathy Scott Clark) اور (Adrian Lery) کا قانون توہین رسالت کے حوالے سے ایک طویل مضمون شائع ہوا جس میں حقایق کو مسخ کر کے غلط کہانیاں بیان کی گئی ہیں اور اس

قانون کو مصنف سے منسوب کر کے معاذ اللہ ''قریشی بلاس فیمی لا'' کہا گیا ہے۔ امریکہ کے ان مضمون نگاروں کے اس مضمون کی اشاعت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے ان کا مقصد دنیا خاص طور سے مغرب میں اسلام کو بدنام کرنا اور ان کے خلاف عیسائی عوام کی نفرت کو برانگیختہ کرنا ہے۔ ریڈرز ڈائجسٹ کا یہ شمارہ ہماری بڑی نواسی عزیزہ فاطمہ اسد نے کینیڈا (Canada) سے مجھے ارسال کیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر پاکستان اور بیرون ملک کے احباب کے اصرار پر میں نے اس کتاب کے اردو اور انگریزی ایڈیشن یورپ، امریکہ، حقوق انسانی کے بین الاقوامی قوانین اور ان کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلہ کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ لیکن ان دنوں پاکستان کی سپریم کورٹ، فیڈرل شریعت کورٹ اور اعلیٰ عدلیہ میں بھی اسلامی قوانین سے مقدموں کی مصروفیتوں اور کچھ بیماریوں کے حملوں کی وجہ سے تاخیر ہوتی چلی گئی۔ اس لیے اردو اور انگریزی ایڈیشن جلد منظر عام پر نہ آ سکے۔

اردو ایڈیشن مکمل ہونے کے بعد اس تصحیح کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا سخت جان مرحلہ درمیان میں آ گیا۔ اس مرتبہ بھی عزیز محترم پروفیسر ارشد صاحب نے پنجاب یونیورسٹی کے دائرہ المعارف کی مصروفیتوں اور سخت بیماری کے باوجود کتاب کی تصحیح کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ یونیورسٹی سے فارغ اوقات میں نہایت جانفشانی سے اس کام کو مکمل کیا۔ جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں ان کے علاوہ برادر مکرم سید حامد حسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی نایاب کتابوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ ان کے علاوہ ہمارے بڑے فرزند انجینئر طٰہٰ مبین قریشی نے کتاب کی تزئین اور فرزند عزیز انجینئر وسیم طاسین قریشی نے کتاب کی نئی ترتیب کے سلسلہ میں پوری تندہی سے کام کیا ہے۔

اردو کے اس نئے ایڈیشن کو مولانا نعیم صدیقی مرحوم کی حسنِ نظر نے قانون توہینِ رسالت کے انسائیکلوپیڈیا کے نام سے معنون کیا تھا۔ برادر مکرم ہمارے ملک نامور آرٹسٹ جناب موجد صاحب نے اپنے موقلم سے ٹائیٹل کے رنگ ونور میں مزید اضافہ کیا ہے جس کے لیے ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔ عزیز گرامی محمد فیصل صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کی طباعت اور اشاعت کو عبادت سمجھ کر سرانجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ جن عزیزوں اور دوستوں نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے ان سب کے حسنِ عمل کو رب ذوالجلال اجر وثواب کا مستحق بنادے۔ (آمین)

محمد اسماعیل قریشی

12 ربیع الاول 1426 ہجری

22 اپریل 2005ء

مکتوب شہید پاکستان جناب حکیم محمد سعید

۵ ذی القعدہ ۱۴۱۵ ہجری

۶ اپریل ۱۹۹۵ عیسوی

حوالہ نمبر: ب/ح/۹۵

عالی جناب محترم محمد اسماعیل قریشی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، آپ کی اس تالیف کو میں نے حیرت اور مسرت کے ساتھ دیکھا۔ گزشتہ کئی سال سے یہ موضوع پاکستان کے تناظر میں اہمیت اختیار کر گیا ہے اور ساتھ ہی اس نے عالمی توجہ کو بھی منعطف کیا ہے۔

محترمی! عدالت ہائے پاکستان کے فیصلوں کو مغرب نے قبول نہیں کیا اور تمام خبریں اور تنقیدات مغرب میں نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں ہوتی رہی ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ایک نہایت باوقار کتاب تیار کر دی ہے جو مرتبۂ تحقیق پر فائز ہے اور قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس سے قبل میری نظر سے قومی زبان اردو میں اس قدر جامع کتاب کوئی نہیں گزری۔ میں اس کتاب کو بدرجہ انتہا اہمیت دیتا ہوں اور بیت الحکمت کو وہاں کے صاحبان تحقیق کے استفادے کے لئے دے رہا ہوں۔

آپ کو اس کار خیر پر دلی مبارک باد دیتا ہوں۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

چانسلر ہمدرد یونیورسٹی

بگرامی خدمت عالی جناب محترم محمد اسماعیل قریشی صاحب

مکتوب گرامی مولانا نعیم صدیقی

مولانا نعیم صدیقی اسلامی علم و ادب کی ایک بڑی قد آور شخصیت ہیں۔ جن کی فطری صلاحیتوں کو سیّد مودودیؒ کے فیضان فکر ونظر نے روشن تر کر دیا۔ ادب اسلامی کے اولین معماروں میں ان کا منفرد مقام ہے۔ خاص طور پر انہوں نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کی سیرت نگاری کو ایک نئی جہت، ایک نیا اسلوب اور ایک نیا پیرایہ اظہار دیا۔ جناب نعیم صدیقی نے سیرت مصطفوی پر ''محسن انسانیت'' جیسی جامع کتاب لکھ کر صرف مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت پر احسان کیا ہے۔ مجھ عاجز کی کتاب ناموس رسول اور قانون توہین رسالت، جب مولانا کے پاس پہنچی تو اس کے بارے میں انہوں نے جو مکتوب ارسال کیا وہ بذات خود ایک ولولہ انگیز اور اعلیٰ پایہ کا مضمون بن گیا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اپنی وفات سے قبل آنے والے موجودہ حالات اور واقعات کو ان کی چشم بصیرت نے بے حجاب دیکھ لیا تھا مگر مایوس یا ناامید ہونے کی بجائے حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کی بوڑھی شریانوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ انہوں نے اپنے عزم و استقلال کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حرمت کے خلاف اٹھنے والے تند و تیز طوفانوں کے آگے ہم اپنی گردنیں نہیں جھکائیں گے۔

دنیا سے رخصت ہونے سے قبل یہ عزم اور حوصلہ ہے ایک مردِ مسلمان کا اور یہ ایک پیغام بھی ہے اسلامیانِ عالم کے نام!

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

(اقبالؒ)

برادر مکرم بہ رشتہ ایمان وقلم جناب محمد اسمٰعیل قریشی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ نے مدت سے عدلیہ وقانون کے دائروں میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں ان کا شہرہ ملک بھر میں ہے بلکہ بیرون ملک بھی۔ خصوصاً محبانِ دین وجان نثاران رسول کے حلقے تو آپ کو علم بردار قانونِ الٰہی سمجھتے ہیں۔ ایں سعادت بزور بازو نیست یہ تو عطیہ خداوندی ہے۔

آپ کی کتاب ''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' سے استفادہ کا موقع ملا تو جو اجمالی اشارات اخباری ذرائع سے دیکھتا رہا تھا ان کی مفصل تصویر سامنے آ گئی۔ سچ یہ ہے کہ ناموس رسول کے تحفظ اور توہین رسالت کے لئے سزائے موت کا قانون پاس کرانے میں آپ نے عدلیہ اور علمی دائروں میں جو کاوش اور تگ وتاز کی ہے اس کی بناپر بالیقین آپ کا اسم گرامی قلم مشیت نے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھ دیا ہے۔ آپ کا زیارت رسول کا خواب بھی میری یقینی امید کی تائید کرتا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں زمانہ سلف کے قانونی نظائر اور علمائے اجل کے فتاویٰ وآرا کے حوالوں اور دور حاضر کے دینی مفکرین کے شاہ پاروں کو جمع کر کے اس کتاب کو اپنے موضوع پر ایسی انسائیکلو پیڈیا بنا دیا ہے کہ یہ کتاب ہمیشہ علمی ریسرچ کرنے والوں اور عدالت و وکالت کے مناصب پر کام کرنے والوں کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوگی۔

اس کارنامے پر مجھے یہ بھی پوری پوری توقع ہے کہ آپ کو اور آپ سے تعاون کرنے والوں اور اس خدمت جلیلہ میں حصہ لینے والوں کو عدالت محشر میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

آپ کے اس کام کو میں ایک جہاد سمجھتا ہوں۔ جن لوگوں کو حرمت و ناموس رسول کے تقاضوں اور ان کو مجروح کرنے والے مجرموں کی شرعی حد کا علم نہ تھا ان سب کی تشفی آپ کی کتاب سے ہو جائے گی۔ اور وہ ایمان کی حلاوت اور رسول ﷺ کی محبت وعزت کے صحیح شعور سے مالا مال ہو جائیں گے۔

میرے ناقص علم کے رُو سے اطاعت رسول کے لئے چار عناصر کا ہونا ضروری ہے۔ ایک

عقیدہ، دوسرا محبت، تیسرا عزت، چوتھا اطاعت۔ ان رابطوں کی نزاکتوں کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سورۃ النساء کی آیت 65 میں خدا نے فرمایا ہے کہ رسول ﷺ جب کسی نزاع میں فیصلہ دے دیں تو اس پر عملاً اطاعت کرنے کے باوجود اگر کسی نے دل میں تنگی یا ناگواری یا بددلی یا شک وشبہ محسوس کیا (حرجاً مما قضیت) تو اس کا ایمان غارت ہو گیا۔ اتنی سی بات سے ایک شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اس پر قیاس کر لیجئے کہ حضور پاک ﷺ کی نورانی شخصیت پر نفرت، دشنام یا تضحیک کے ناوک برسا کر پھر اپنے آپ کو بدترین جرم سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟

اقبال نے اس جذبے کا اظہار یوں کیا ۔

خاک ہو کر یہ مدارج تری الفت میں | کہ فرشتوں نے لیا بہر تیمم مجھ کو

بلکہ اقبال نے مقامِ رسالت کی بلندی کو تو ایک اور دلکش شکل میں بیان کیا ہے۔

شہیدِ جرأتِ آں رندِ پاکم | خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

مصرعہ ثانی سے بعض نادان لوگوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہمارے لئے مصطفیٰ کافی ہیں۔ آپ آرام سے عرش پر رہیں (نعوذ باللہ)۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اقبال اللہ تعالیٰ سے کسی دوسرے حوالے سے کہہ رہا ہے کہ ہمیں زندگی کی ہدایت حاصل کرنے، انسانیت کا اخلاقی نمونہ حاصل کرنے اور اقامت دین کی جدوجہد کا درس اور نمونہ لینے کے لئے حضور مصطفیٰ ﷺ اتنے کافی اور مکمل ہیں کہ اب ہمیں کسی اور نبی اور کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے لئے ہدایت، رہنمائی، ہمدردی، تسکین، درس عمل اور ادائے فرائض اور طاغوت کی باطل تہذیبوں سے لڑنے کے لئے مزید کسی سرچشمہ کی ضرورت نہیں ہمارے نبی مصطفیٰ ﷺ کافی ہیں یعنی آج نبی ﷺ کی محبت تکالیف میں سہارا بنتی ہے۔ نبی ﷺ کا عزم وتحمل اور شدائد ہمارے اندر نئی قوت پیدا کرتا ہے۔ اور خود قرآن ہی کے ہدایت سے ہمیں نئی سیاسی وتہذیبی واخلاقی زندگی نبی ﷺ سے مل سکتی ہے۔ اتنی اہم ذات جس کی محبت اور جس کی اطاعت پر ہماری بلکہ ساری

انسانیت کی فلاح وابستہ ہو اس کے خلاف قانون الٰہی کسی کو دشنام طرازی، ناوک افگنی، کلوخ اندازی اور تضحیک و تمسخر کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بلکہ ذرا سا ایک بے ادبی کا لفظ یا خفیف سی گستاخی بھی خطرناک ہے۔

ع ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

آج ہمارے بیباک و خون غلطیدن بھائی محبت رسول سے نئی قوت پاتے ہیں۔ متعصب مشرکوں، ملحدوں، ضالین اور مغضوبین کے گٹھ جوڑ سے تباہی کے جو طوفان مسلم ممالک میں اٹھ رہے ہیں، ان کے اندر سے نبی ﷺ مقدس کی محبت انہیں جہاد کے پر لگاتی اور کہکشاں تک لے اڑتی ہے۔

کیا غیر مسلم دنیا ہماری اس حیات آفرین پونجی کو ہم سے چھین لینا چاہتی ہے؟ اور کیا ہم میں ایسے بد بخت اور تیرہ بخت مسلمان موجود رہیں گے جو لیٹروں کے ساتھ مل کر ہمارا خزانہ دنیا و آخرت ہم سے لٹوا کر کچھ آرام و عیش اور سنہری سکے حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہوئے جاتے ہیں۔

برادرم محمد اسمٰعیل قریشی صاحب ہم اس طاغوتی سیلاب کی اونچی اونچی لہروں کے سامنے گردنیں نہیں جھکائیں گے۔ اِنَّ اللہ معنا

نیاز کیش

نعیم صدیقی

20 مارچ 2001ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ

سینئر جج سپریم کورٹ آف پاکستان

تاجدار ختم نبوت کی غلامی اور ان کی حرمت وناموس پر کٹ مرنا ہر مسلمان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ یہ کتاب اسی رمز مسلمانی کی زندہ تفسیر بن کر ہمارے ہاتھوں تک پہنچی۔ کتاب کا انتساب شہیدان ناموس رسالت کے نام ہے، جن کی حیات جاوداں ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کئے ہوئے سارے عالم پر محیط ہے۔ ایسی کتاب کے لئے پیش لفظ لکھنا دراصل ختم الرسل، مولائے کل کی بارگاہ عالی میں نذر عقیدت واحترام پیش کرنا ہے جو ابدیت کے کناروں کو چھو لیتی ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے۔

سرکار دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تابہ ابد زندہ کر دیا
ہوتا ہے جن میں نام رسول ﷺ خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمایندہ کر دیا

اس کتاب میں مصنف نے اپنے خواب جمیل کا ذکر کیا ہے، جس میں انہیں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا، جسے وہ بجا طور پر اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ وطن عزیز میں تحفظ ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت کی تنفیذ کے لیے ان کی مسلسل جدوجہد کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے، اس میں ایمائے رسالت مآب ﷺ ضرور شامل ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے مملکت خداداد پاکستان میں ایک ایسی حد جاری ہوگئی جس کا ایک مسلمان کے عقیدہ اور ایمان سے براہ راست تعلق ہے۔ اس سے پیشتر بھی ایسے واقعات ظہور میں آتے رہے ہیں جن سے حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی اور فرمان کی توثیق ہوتی رہی ہے۔ ایک مشہور واقعہ تو مسٹر کے۔ایل گابھا سے متعلق ہے جنہوں نے قبول اسلام کے بعد پیغمبر صحرا (Prophet of the Desert) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ برٹش راج میں وہ جیل میں بند تھے کہ حضور آیہ رحمت ﷺ کی شفقت جوش میں آئی اور آپ سیالکوٹ کے ایک خوش نصیب انسان کے خواب میں نمودار ہوئے اور اسے حکم ہوا کہ وہ پیغمبر صحرا کے مصنف کی ضمانت کا انتظام کرے چنانچہ رسول کریم ﷺ کی شان کریمی

کے طفیل کے۔ ایل گابھا کو جیل سے رہائی نصیب ہوئی۔

قرآن وحدیث کے اوامر اور نواہی انتہائی معظم اور حیات وکائنات سے متعلق ہیں۔ قانون کا معاملہ جب تاریخ درمیان ہو تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ فاضل مصنف نے ادب کی آمیزش اور خاص اسلوب سے ان سارے موضوعات کو دل نشین اور آسان بنانے کی کوشش کی ہے، جس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔

اس کتاب کا خصوصی وصف اور امتیاز یہ ہے کہ اس میں قانون وادب اور تاریخ کو قرآن و سنت کے سایہ میں ایک عظیم تر مقصد یعنی ناموس رسالت کے لیے یکجا کر دیا گیا ہے۔ یوں تو ساری کتاب میں جذبہ عشق رسول ﷺ نمایاں ہے لیکن نام وناموس رسالت کے باب میں حضور ﷺ کی ذات گرامی سے جو والہانہ عقیدت کا اظہار ہے، اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے۔ پھر توہین رسالت کی سزا کے ثبوت میں قرآن وحدیث کے احکام اور ان کی مستند تعبیر اور تفسیر بھی موجود ہے۔ اس میں ائمہ، فقہا اور مجتہدین کا نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر بعد میں آنے والے تمام ادوار میں یورپ، ایشیاء، افریقہ اور دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلامی اور مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہاں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ مزید برآں یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ سزا صرف اسلامی سزا نہیں بلکہ تورات اور انجیل کی رو سے انبیائے بنی اسرائیل اور توہین مسیح علیہ السلام کی بھی یہی سزا یعنی سزائے موت مقرر تھی۔ فاضل مصنف نے بلاس فیمی سے متعلق امریکن سپریم کورٹ کے ایک اہم مقدمہ سٹیٹ بنام موکس کے فیصلہ کا اقتباس بھی اس کتاب میں شامل کر دیا ہے، جس میں بلاس فیمی کے قانون کو بنیادی حقوق انسانی، آزادی تحریر وتقریر اور آزادی پریس کے منافی قرار دینے کے سٹیٹ ریفرنس کو مسترد کر دیا گیا تھا اور اس کی تائید میں نہایت معقول دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ یہ فیصلہ اس لحاظ سے بھی نہایت اہم اور فکر انگیز ہے کہ یہ اس ملک کی سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے جہاں چرچ اور سٹیٹ، دین اور سیاست جدا جدا ہیں۔

ریاست یا ملک اور وہاں کے معاشرے کے استحکام اور بقا کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کی نظریاتی سرحدوں کی بھی اسی طرح حفاظت کی جائے جس طرح کہ جغرافیائی حد بندیوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی جب وجہ وجود ملک ومملکت ہو تو ایسی ہستی کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی، بے ادبی اور ہرزہ سرائی سارے معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا

باعث ہوگی۔اس لیے ایسے شر پسند عناصر، جو توہین رسالت کے مجرم قرار پائیں، انتہائی سنگین سزا کے مستحق ہیں تا کہ ملک میں فتنہ اور فساد کی پرورش نہ ہو سکے۔ اگر یہ قانون موجود نہ ہو تو پھر مجرموں اور ان کے خلاف مشتعل ہونے والے مدعیوں پر عدالت کے دروازے بند ہو جائیں گے، جس کی وجہ سے ہر کوئی قانون اپنے ہاتھ میں لے کر مجرموں سے انتقام لے گا، جس سے ملک میں انارکی پھیلے گی اور یہ چیز ملک اور اہل ملک کے امن و سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ جن برگزیدہ ہستیوں کی بدولت یہ دنیا نیکی، سچائی، حق پرستی، عدل و انصاف جیسی اعلیٰ قدروں سے روشناس ہوئی، ان کی شان میں دشنام طرازی انتہائی گھناؤنا فعل ہے، جسے کوئی مہذب معاشرہ برداشت نہیں کرسکتا اور خاص طور پر مسلمان معاشرہ۔ اس لیے ایسے دریدہ دہن گستاخان رسالت کا منہ بند کرنے اور معاشرے کو مستحکم، شائستہ، صحت منداور صالح بنانے کے لیے ایسا قانون ناگزیر تھا جس کو پاکستان میں ازسرنو جاری کرانے کے سلسلہ میں مصنف کتاب جناب محمد اسماعیل قریشی کی خدمت اور مساعی بنظر استحسان دیکھی جائیں گی۔

اس کتاب میں عظمت و شان رسالت، آداب دربار نبوت اور قانون توہین رسالت کے بارے میں جتنا مواد اکٹھا کیا گیا ہے، وہ کسی ایک جگہ بمشکل ہی مل سکے گا۔ اس کے علاوہ فاضل مصنف نے علماء قدیم و جدید کی تحقیق کے علاوہ خود بھی جو مضامین لکھے ہیں، اس کی وجہ سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کتاب سے اہل قانون اور عدلیہ دونوں براہ راست استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ علم و دانش کے خوشہ چینوں کے لیے بھی اس میں معارف او ربصائر کے خزینے موجود ہیں اور ہر مسلمان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ایمان افروز ہوگا۔ غیر مسلم بھی اگر حقیقت پسندی سے اس کا مطالعہ کریں تو قانون توہین رسالت کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مصنف، اس کے قارئین اور ہم سب کی زندگیوں کو رسول کریم ﷺ کی عقیدت اور محبت سے سرشار کرے۔ نفرتوں اور انسان دشمنی کی زہرناکی اور دلوں کی نامحکمی اسی سے دور ہوگی علاج اس کا یہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

21 شعبان 1414 ہجری

3 فروری 1994ء جسٹس محمد رفیق تارڑ (جج سپریم کورٹ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

جناب جسٹس علامہ ڈاکٹر فدا محمد خان
سینئر جج فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی بنیاد کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" پر استوار ہے۔ کلمہ پاک کا پہلا حصہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" عقیدہ توحید اور دوسرا حصہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" عقیدہ رسالت کے مظہر ہیں اور آغاز اسلام سے لے کر قیامت تک کے لیے ایک مسلمہ بنیاد اور حقیقت رکھتے ہیں اور زیادہ غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا دوسرا جز انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کی بدولت ہی عقیدہ توحید کی حقیقت، مضمرات، مقتضا اور اثرات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات مسلمانوں کے سامنے ایک ایسا عظیم المرتبت نمونہ پیش کرتی ہے جسے خالق کائنات کی مکمل خوشنودی حاصل ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک قول اگر اس آیت مبارکہ کے مصداق ہے "وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی" (آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد صرف وہی ہے، جو آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے) (53/4-3) تو دوسری طرف آپ کا پاکیزہ عمل "ان اتبع الا مایوحی الی" (میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے) کا آئینہ دار ہے اور قول و فعل کی اس نورانیت کے سبب ہی آپ ﷺ کے اعلیٰ نمونہ عمل کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنۃ" (درحقیقت تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔) (21/33)

چونکہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور اسوہ حسنہ ایک نمونہ کامل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسلام کی اساسی تعلیمات میں آپ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کا ادب و احترام اور آپ ﷺ کی تعظیم لازمی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور اس لیے ہر اس بات اور عمل کو، جس سے آپ ﷺ کی مبارک ذات پر حرف گیری کا شائبہ تک بھی ہو، سختی سے منع کیا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور امت پر آپ ﷺ کی شفقت و رحمت بے مثال

رہی ہے، اس لیے آپ ﷺ کو اختیار حاصل تھا کہ اپنے دور میں، جو اسلام کے آغاز اور ارتقاء کا دور تھا، اس سلسلے میں سختی و نرمی اور عفو و درگزر کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں جو اس وقت کے حالات سے مناسبت رکھتی ہوں لیکن امت مسلمہ کے کسی فرد کا یہ حق کبھی تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ اس ضمن میں خود اس قسم کی حرکتوں میں معافی نامہ جاری کر سکے۔ امت کا مفاد بھی اس کا متقاضی ہے کہ اس عظیم ترین مرکزی شخصیت کے حقوق اور مفادات کا دفاع کرے تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار رہے اور افراد کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس مثالی شخصیت کے ساتھ عقیدت و محبت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہو۔ عشق رسول لازمہ ایمان ہے اور ہر مسلمان کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ حقیقی مسلمان کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دریدہ دہن شان رسالت مآب ﷺ میں کسی گستاخی کا بھی مرتکب ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان نے بھی اپنے خونی رشتے داروں کے ضمن میں چشم پوشی یا عفو و درگزر سے تو کام لیا ہوگا، مگر ختم المرتبت، رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں کبھی بھی وہ رو و رعایت کا روادار نہیں ہوا، اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون میں جہاں حدود و قصاص اور تعزیرات کے ضمن میں جرائم کی مختلف اقسام کے لیے سزائیں موجود ہیں، ان میں گستاخ رسالت مآب کے لیے قرار واقعی سزا موجود ہوتا کہ نہ امن و امان کا کوئی مسئلہ کھڑا ہو اور نہ فدایان رسول کسی آزمائش سے دوچار ہوں۔

جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے قابل قدر کوششیں کیں اور ان میں کامیاب ہوئے اور اب اس عنوان پر ایک اچھی خاصی کتاب بھی تصنیف فرمائی جس میں فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان کے جاری کردہ فیصلہ کے مکمل متن کے علاوہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مہتم بالشان مسئلے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور تاریخی حوالوں سے اس موضوع پر ایسا اہم مواد یکجا کر دیا ہے جو سلیس، سادہ، عام فہم اور ایمان افروز ہونے کے ساتھ ساتھ جامع انداز کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور اس کتاب کو مقام رسالت کی معرفت کا ذریعہ بنا دے۔ (آمین)

جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
(سینئر جج وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد)

20 رمضان المبارک 1413 ہجری
15 مارچ 1993ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حدیث دل

جناب جسٹس میاں محبوب احمد

چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ

دل کی بستی عجیب بستی ہے۔ یہاں ہر آن محبتوں کی دکان سجتی ہے۔ چاہتوں کے ارمان نکلتے ہیں۔ محبوبوں کی اداؤں پر جانیں نثار ہوتی ہیں۔ ادائیں بدل جائیں تو عشاق کی وفائیں بدل جاتی ہیں۔ ایک حسین بہت ہی مشتاق نگاہوں کو اسیر بنا لے تو ان میں باہم رقابت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے مگر پوری کائنات میں ایک محبوب ایسا ہے جو سید خوباں شاہ محبوباں ہے، جس کے حسن و جمال میں تغیر و تبدل نہیں۔ کمال ہی کمال ہے۔ استقلال ہی استقلال ہے۔ وہ واحد حبیب ہے جس کے محبّ آپس کے دیگر چاہنے والوں سے حسد و بغض نہیں، محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ من و تو کشتہ شان جمالیم کہتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

وہ محبوب ازلی، حبیب ابدی، شاہد رعنا، مشہود جہاں آرا وہی ہے جسے زمانہ محمد عربی ﷺ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہر ساعت، ہر پل کروڑوں دل اس کی محبت میں ڈوب کر دھڑکتے اور کروڑوں لب اس کی مدح و ثناء میں کھلتے ہیں۔ زمان و مکان کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اس سراپا حسن و خوبی کا تذکرہ جمال نہ ہوتا ہو۔ ماضی و حال میں اس محبوب حجازی کے حوالے سے لکھا گیا لٹریچر گواہ ہے کہ وہی سرور آدمیت اور فخر انسانیت ہے۔

مستقبل کے مصنف اس گواہی کو مزید مضبوط کر دیں گے کیونکہ ہر آنے والا لمحہ آن کے لیے نیا فضل و کمال لے کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ بلا وجہ زبانیں اس کی محبت کے گیت نہیں گاتیں اور بلا جواز نگاہیں اس کے تصور میں محو انتظار نہیں رہتیں۔ خالق کائنات نے صورت و سیرت میں اسے منتخب روزگار برگزیدہ ہستیوں پر بھی فضیلت دی ہے۔

فاق النبین فی خلق و فی خلق
و لم یدانوہ فی علم ولا کرم

اس پیکر جمال کا تذکرہ نور اگر اس کے وارفتگان اول صحابہ کرامؓ سے سنا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کیوں صدیوں سے اس محبوب حجازی کی خاک رہ گزر آنکھوں کا سرمہ بنی ہوئی ہے اور کیوں دل ہائے عشاق ایک ہی سرمدی نغمہ بلند کر رہے ہیں۔

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

باب مدینہ علم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:۔

یقول ناعته لم اری قبله ولا بعده مثله

''ان کے جمال کی تعریف کرنے والا یہی کہے گا کہ آپ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا جا سکے گا۔''

عم رسول سیدنا عباسؓ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:۔

یا مخجل الشمس و البدر المنیر اذا
تبسم الثغر لمع البرق منه اضا
کم معجزات راینا منک قد بمهرت
یا سید ذکره یشفی به المرضی

''اے سورج اور بدر منیر کو سرمندہ کرنے والے! تو جب مسکراتا ہے تو بجلی سی کوند جاتی ہے۔
ہم نے تیرے کتنے ہی معجزات دیکھے ہیں۔
تیرے ذکر ہی سے بیماریوں کو شفا ملتی ہے۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ تذکرہ جمال یوں فرماتی ہیں۔

لور این حسن محمد صلی الله علیه وسلم تقتلن انفسهن

''اگر مصر کی عورتیں حضور ﷺ کے جمال کو دیکھتیں تو اپنے آپ کو قتل کر ڈالتیں۔''

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے لفظوں میں جمال رسول کا یوں اظہار فرمایا:۔

امین مصطفی للخیر یدعو
کضوء البدر زایله الغمام

''آپ امین مصطفیٰ اور خیر کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ چاند کی ایسی روشنی ہیں جس سے تاریکی چھٹ جاتی ہے۔''

حضرت عبداللہ رواحہؓ نے اس بات کو اپنے انداز میں بیان فرمایا:۔

لو لم تکن فیہ ایات بینۃ

لکان منظرہ ینبیک بالخبر

''اگر آپ میں واضح معجزات نہ بھی ہوتے تو بھی آپ کے حسن و جمال کا نظارہ آپ کے نبی ہونے کی دلیل تھا۔''

ان تمام دلدادگان رسول کے ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کشتگان محبت نے کس کس انداز میں اپنے حبیب کو چاہا ہوگا۔

ایک سیدنا صدیق اکبرؓ کی وارفتگی ہی قابل دید ہے۔ایک موقع پر جب کفار نے انہیں مار مار کر ادھو موا کر دیا۔ہوش آنے پر لوگوں نے انہیں کچھ کھلانا چاہا تو انہوں نے جواب دیا۔

للہ علی ان لا اذوق طعاما ولا اشرب شرابا حتی اری الرسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم الرسول اللہ

''مجھے اس ذات خدا کی قسم، اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ کچھ پیوں گا جب تک رسول ﷺ کا دیدار نہیں کر لیتا۔''

معنی حرفم کنی تحقیق اگر

بنگری با دیدہ صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی

از خدا محبوب تر گردد نبی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں ہر دور اور ہر عہد میں اس محبوب کائنات ﷺ کے حضور ان کے چاہنے والے عقیدت و محبت کے گلاب پیش کرتے رہے، وہاں کبھی کبھی ان سے بغض اور ان کے دین سے عداوت رکھنے والے بیمار ذہن ان کی شان میں زبان طعن بھی دراز کرتے رہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اوائل اسلام ہی سے اہانت رسول کے جرم قبیح کا ارتکاب کرنے والوں کو موت کی سزا دی جا رہی ہے۔کرہ ارض پر جہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی، وہاں شاتم رسول کے لیے سزائے موت کا قانون رائج رہا۔عہد رسالت، دور خلافت اور بعد میں مشرق و مغرب کی تمام اسلامی سلطنتوں میں گستاخی کرنے والوں کو ہمیشہ موت کی سزا دی جاتی رہی۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریز نے اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ سے رشتہ کمزور کرنے کا شیطانی منصوبہ بنایا۔فاقہ کش مسلم کے تن سے روح محمد ﷺ نکال دینے کی

سازش کی اور رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کا مذموم سلسلہ بھی شروع کرایا۔ انگریزی استعمار کے عہد میں جو تعزیرات بنائی گئیں، اس میں گستاخ رسول کے لیے سزا کا قانون نہ تھا اور وہی تعزیر پاکستان کے قیام کے بعد بھی جاری رہی۔

اور اب فیڈرل شریعت کورٹ کے تاریخی فیصلہ سے قانون تبدیل ہو کر اس جرم کے لیے سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب جناب قریشی صاحب کی سعادت ازلی کا ثبوت ہے جس میں انہوں نے توہین رسول کرنے والوں کے لیے سزائے موت کے قانون کو تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب جمال رسول کا دلکش تذکرہ اور قانون توہین رسالت کا تاریخی مجموعہ ہے۔ ان اوراق میں انہوں نے ان بد باطن، دریدہ دہن لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جو اپنی دریدہ دہنی کے سبب مسلم حکومتوں یا مسلم عوام کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے اور خوش بخت شخصیات کا حال بھی بیان کیا ہے جو گستاخان رسول کو واصل جہنم کر کے تختہ دار پر جھول گئے۔

اس کتاب کا مطالعہ مسلمانوں میں اپنے رسول کریم ﷺ سے سچی اور گہری وابستگی پیدا کرے گا اور دشمنان رسول کی سازشوں سے نپٹنے کے لیے انہیں تیار کرے گا۔ اپنے نبی ﷺ کی ذات سے کامل وابستگی کے بغیر دین کا دفاع ممکن نہیں، شاید اس لیے مولانا احمد رضا خانؒ نے کہا تھا:۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

عصر حاضر میں یہود و ہنود کی بڑھتی ہوئی سازشوں کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں میں فروغ عشق رسول کی زوردار تحریک برپا کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس ضمن میں فاضل مصنف جناب اسماعیل قریشی کی تازہ تصنیف گراں قدر کردار ادا کرے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی یہ مساعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنی جان، مال، عزت، آبرو اپنے آقائے کریم ﷺ کے ناموس پر قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے کیونکہ:۔

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است

10 رمضان المبارک 1414 ہجری
22 فروری 1994

میاں محبوب احمد
چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

جناب پروفیسر مرزا محمد منور

سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی، پاکستان

میرے مشفق دوست جناب محمد اسماعیل ایڈووکیٹ تشریف لائے اور اپنی کتاب مستطاب ناموس رسول اور قانون توہین رسالت کا مسودہ میرے سپرد فرمایا اور حکم دیا کہ اس مسودے کا مطالعہ کریں اور اپنے تاثرات بھی قلمبند کریں جو اس کتاب کے لیے تقریظ یا دیباچے کا کام دیں۔ میں نے عذر پیش کیا کہ حضرت یہ بڑا ہی نازک اور اہم دینی شرعی اور فقہی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کے جملہ پہلوؤں پر کماحقہ کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ فرمانے لگے میں نے تو عرض کیا ہے کہ مسودہ پڑھ لیں اور اپنے تاثرات قلمبند کر دیں، گویا انہوں نے اپنی طرف سے میرا کام آسان کر دیا مگر موضوع کی اہمیت کا بار امانت تو اتنا ہی کوہ گراں رہا جتنا کہ پہلے تھا۔

درحقیقت موضوع شروع ہی بار امانت سے ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ''الامانت'' زمین، آسمانوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، وہ اس بار کو اٹھانے کی ہمت نہ کر پائے، ڈر کر رہ گئے اور حامی نہ بھر سکے۔ آدمی نے حامی بھر لی اور بار امانت اٹھا لیا۔ آدمی واقعی اس بار امانت کی تقاضوں سے بیخبر تھا کہ آیا عہد برآ ہو سکے گا؟ اسے معلوم نہ تھا۔ یوں گویا اس نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کر لی۔

حضرت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عظمت ماب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ الامانت کا مفہوم ہے صاحب اختیار و مسئولیت بنایا جانا اور پھر اس اختیار اور مسئولیت کو احکام الٰہی کے تابع رکھنا، بے اختیار عبادت تو فرشتے کرتے ہی رہے تھے، وہ ہر دم تقدیس و تسبیح میں مصروف تھے، انحراف کر ہی نہ سکتے تھے، لیکن اختیار رکھنا اور انحراف نہ کرنا، اصل امتحان اور ذمہ داری ہے، تو آیہ الامانت کا لب لباب یہ ہے کہ احکام الٰہی کی روشنی میں اللہ کی طرف سے دی ہوئی خود مختاری کا حق مسئولیت ادا کرنا۔

خدا نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونک دی۔ خالی روح نہیں بلکہ اپنی روح ......اور اپنی فطرت کے مطابق از روئے جوہر امکان اس کی فطرت بھی بنا دی۔ یعنی حسب حدیث رسول ہر فرد

بشر فطرت ہی کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ (بار امانت سے عہد برآ ہونے کی اہلیت لے کر آتا ہے۔) مگر بعد ازاں اس کے والدین اسے یہودی و مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں، مراد ہے تربیتی ماحول اگر صراط مستقیم نہ ہو تو فرد بشر فطرت کے تقاضوں کو دبا لیتا ہے اور ادھر ادھر ہو جاتا ہے، فطرت کو ختم نہیں کر سکتا دبا لیتا ہے لہذا گمراہ ہو جاتا ہے، پھر اگر کوئی ولی حق مل جائے تو اپنے اصل کی طرف لوٹ آتا ہے ورنہ گمراہی میں پختہ کار ہوتا چلا جاتا ہے۔ ضدی بن جاتا ہے اور وہ ضد وقت کے ساتھ ساتھ سنگلاخ ہوتی چلی جاتی ہے اور ایسا فرد "ولکنہ اخلد الی الارض" کا مصداق بن جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے فرزند آدم کو وہ دانش وافر عطا فرمائی تاہم اسی پر اکتفا نہ کیا لہذا ساتھ ساتھ اپنی طرف سے لفظی ہدایت بھی ارسال کرتا رہا اور عملی ہدایت بھی، یعنی وحی بھی بھیجتا رہا اور رسول بھی۔ حضرت سید قطب اپنی تفسیر قرآن میں "الامانت" کا مطلب امانت رسالت لیتے ہیں۔ آیا آدم اللہ کی انعام فرمودہ رسالتوں کے مطابق ہدایت یاب ہوتا ہے یا نہیں یعنی پوری اولاد آدم کے لیے رسالت پر عمل کرنا لازم رہا تاہم امانت رسالت کا معنیٰ فقط رسولوں کے لیے ہے، آیا انہوں نے حق رسالت ادا کر دیا؟ یہی باعث ہے رسولوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا "انی لکم رسول امین" میں ہوں ایک پیغمبر، اور ایک مرد امین (یعنی رسالت اور امانت ساتھ ساتھ رہیں) دونوں جگہ نکرہ کا صیغہ، پھر ایک وقت آیا جب ساری کتابیں "الکتاب" میں ڈھل گئیں (ذالک الکتاب) اور اس طرح لفظی وحی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام رسول "الرسول" کے روپ میں شامل ہو گئے اور اس طرح عملی وحی اپنے کمال کو پہنچ گئی گویا سارے Prophets آخر کار The Prophet کی معراج رسالت میں جذب ہو گئے۔ علامہ نے اس مطلب کو کس خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے:-

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمد بر فروخت

واضح ہوا کہ تمام پیغمبران خدا علی نبینا و علیہم السلام، محمد مصطفیٰ ہی کی تشکیلی صورتیں تھیں۔ بقول علامہ اقبال:-

"All Prophet of Allah were Muhammad in the Making"

قرآن "الکتاب" اسی لیے سابق کتب کی تصدیق کرتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ تمام رسولوں کی، اسی طرح ہر رسول کا یہ ارشاد کہ وہ ایک مرد امین ہیں پایان کار، نکرہ کا یہ صیغہ بھی معرفہ کا

صیغہ بن گیا اور نبی اعلیٰ واکرم کا خطاب ''الامین'' قرار پایا۔ آپ ﷺ کو کفار ومشرکین نے...... بشمول ابوجہل ...... الامین کے لقب سے پہلے ملقب کیا اور اللہ نے رسالت بعد میں انعام فرمائی۔ اس طرح جہاں رسالت مکمل ہوگئی، وہاں ساری امانتیں (رسالتیں) مل کر ''الامین'' ہوگئیں۔

خدا فردوس اعلیٰ میں حفیظ جالندھری صاحب کو جگہ دے، انہوں نے ایک مصرعے میں ساری کہانی بیان کردیں۔

''امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی''

یہی تھی وہ الامانت جس کے ضمن میں حضور اکرم واکمل ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زیادہ سامعین کرام یعنی اپنے اصحابؓ سے دریافت فرمایا ''ھل بلغت رسالتی'' کیا میں نے الامانت ادا کردی؟ جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو گویا شرط ایمان، توحید الٰہی اور رسالت محمدی کا دل سے اقرار قرار پائی۔ الرسول جب مبعوث ہوگئے اور حق ابلاغ رسالت ادا ہو گیا اور ساتھ ہی خدا نے اپنی گواہی کے طور پر ''اتمام نعمت'' کی آیت بھی نازل کردی تو اب جس طرح شرک فی اللہ جرم کفر ہے، اسی طرح اور بالکل اسی طرح شرک فی الرسالت بھی جرم کفر ہے۔ آسمان پر ارحم الراحمین اور زمین پر رحمۃ للعلمین اور بس چنانچہ قرآن کریم میں کئی بار خدائے تعالیٰ نے اس مضمون کو دہرایا ہے کہ ''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔'' ...... ''اطاعت کرو خدا کی اور الرسول (محمد ﷺ) کی'' ...... خدا کی توحید کا قائل موحد تو شاید کہلا سکے مگر مومن وہی کہلا سکتا ہے جو خدا کی ''وحدت'' کے ساتھ ساتھ الرسول کی ''وحدت'' بھی تسلیم کرے، لہٰذا جو فرد اب کسی اور رسول کی آمد کا امکان بھی ذہن میں لائے، وہ اہل ایمان کے حلقے سے باہر، وہ مسلمان ہو تو مرتد ورنہ کافر اور مستوجب سزا، مسیلمہ کی طرح ...... وہ مسیلمہ جس نے دعوائے نبوت کرکے ارتکاب شرک کیا اور پھر اس شرک کو شراکت قرار دیا، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے اپنی کتاب ''سیرۃ الصدیق'' میں مسیلمہ کے خط کی عبارت نقل کی ہے، جو مسیلمہ نے بحضور نبی اکرم ﷺ تحریر کیا تھا۔

''من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله فانی قد اشترکت معک فی الامروان لنا نصف الارض و لقریش نصفها ولکن قریشان قوم یعتدون.''

ترجمہ:۔''رسول خدا مسلیمہ کی طرف سے رسول خدا محمد ﷺ کی طرف، رسالت میں مجھے تمہارا شریک اور حصے دار بنایا گیا ہے۔ آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی لیکن قریش کی قوم اپنی

حد میں رہنے والی نہیں۔"

اس کے جواب میں فرمان ذیل رسالت مدینہ سے جاری ہوا۔

من محمد رسول الله الی مسیلمة الکذاب ...... اما بعد فالسلام علی من اتبع الهدی فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین ......"

ترجمہ:۔"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا رحم کرنے والا اور بے حد مہربان ہے...... محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، بعد حمد وثنا پس سلام ہو اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے، پھر یہ امر حقیقی یاد رہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس زمین کا روارث و مالک بنا دیتا ہے...... عاقبت ان کے لیے ہے جو تقویٰ پر کاربند ہیں۔"

حالات نہایت نازک تھے۔ قبائل عرب کی اکثریت، جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے مرتد اور باغی ہوگئی۔ بعض قبائل نے یہ کہا کہ ہمارا عہد و پیمان تو محمد ﷺ سے تھا، وہ اب فوت ہو چکے ہیں...... ابوبکر کون ہوتے ہیں ہم سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے والے، ابوبکر کے ساتھ ہمارا کوئی عہد و پیمان نہ تھا۔ اس مضمون کا حامل شعر ذیل جو حطیہ شاعر نے کہا:۔

اطعنا رسول الله ما کان بیننا!

فیا لعباد الله ما لابی بکر!!

ترجمہ:۔"ہم نے رسول خدا کی اطاعت کی جب تک وہ ہم میں موجود رہے۔ پھر اب اے اللہ کے بندو! ابوبکرؓ کا ہم پر کون سا حق بنتا ہے۔"

ان انتہائی نازک حالات میں بھی امام عاشقانِ رسولِ مقبول سے مراد ہے ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے نہ زکوٰۃ میں کوئی رعایت کی اور نہ کوئی مہلت دی۔ رسالت کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے عساکر تیار کیے اور اپنے صحابی مشیروں کی مرضی کے خلاف ان باغیوں کے لشکروں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کر دیا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک باغیان رسالت کا قلع قمع نہ ہوگیا اور جب تک وہ، جو نا سمجھی میں باغیوں کا ساتھ دینے لگ گئے تھے، نادم ہو کر اسلام کی طرف نہ لوٹ آئے۔ لب لباب یہ کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے روپ میں یہ منصب اپنے کمال کو پہنچ گیا لہٰذا اتمام پذیر ہوگیا۔ اب جو فرد بھی دعوائے نبوت کرے، وہ مسیلمہ کی طرح مشرک و کافر ہے،

شریک نبوت نہیں، وہ باغی ہے اور اپنے متبعین سمیت گردن زدنی، قرآن کا فیصلہ، رسول خداﷺ کا حکم اور صدیق اکبرؓ کا عمل ...... معاملہ ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا۔ اسلام سے انحراف یا ادعاء نبوت محمد مصطفیٰ کے احکام الٰہی کی روشنی میں استوار کردہ نظام کے خلاف بغاوت ہے، خواہ وہ بغاوت حزبی اور گروہی ہو، خواہ انفرادی، مسلمان من حیث الامت یہ گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ رہا کسی شخص کا خود براہ راست حضور نبی اعظم ...... کو ہدف دشنام بنانا تو یہ وہ امر ہے جو کبھی گوارا نہیں کیا گیا۔ ایسے گستاخوں کو خود آنحضورﷺ نے اپنے حکم یا ایما سے قتل کرا دیا۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں ایسے کئی افراد کا ذکر کیا ہے جن میں کعب بن اشرف، ابو رافع، ابن خطل اور اس کی لونڈی، نفر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ جو حضور نبی اکرمﷺ کے امر یا ایماء پر قتل ہوئے، کسی کو حضرت خالدؓ بن ولید نے قتل کیا، کسی کو حضرت زبیرؓ نے، کسی کو علیؓ بن ابی طالب نے۔ حضرت علیؓ نے ایک ایسے شخص کو زندہ جلوا دیا جس نے خود ان کو خدائی صفات سے موصوف کر کے اور اس طرح رسول اللہﷺ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ قاضی عیاض نے حضرت جعفر بن صادقؒ کے والد بزرگوار محمد کی روایت سے حضرت حسینؓ بن علی بن ابی طالب کا قول بروایت حضرت علیؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جو کسی بھی نبی کو گالی دے، اس کو قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑوں کی سزا دو۔ ایک شخص کی بابت قاضی عیاض نے ابن قانع کی روایت سے تحریر کیا ہے کہ اس نے رسول خداﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا والد آپﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرتا تھا لہٰذا میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ بات (ایک فرزند کا اپنے باپ کو قتل کرنا) رسول اللہﷺ کو ناگوار نہ گزری۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:۔

''النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم ......''

''رسول خدا اہل ایمان کو خود اپنی جانوں سے عزیز تر ہیں ...... اور حضور کی ازواج اہل ایمان کی مائیں ہیں ......''

نبی اکرمﷺ کے بعد روح اسلام کے سب سے بڑے رمز شناس ثانی اثنین اذھما فی الغار، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول خداﷺ کے خلاف جہاں گروہی اور جماعتی بغاوتوں کا سر کچل دیا، وہاں رسول خداﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب فرد کو بھی مستوجب سزائے قتل جانا۔ ابو بکر احمد بن علی بن سعید نے اپنی کتاب مسند ابی بکرؓ میں تین حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص

نے حضرت ابوبکرؓ سے گستاخی، بے ادبی اور خیرہ سری کا رویہ اختیار کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، اجازت دیں، میں اس کا سر اڑا دوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا نہیں فقط رسول خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت ہے، رسول خدا ﷺ کے سوا کسی دوسرے کی یہ شان نہیں...... قاضی عیاض نے ''کتاب الشفاء'' میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں کسی نے لکھ بھیجا کہ فلاں شخص حضرت عمرؓ بن الخطاب کی بابت نازیبا کلمات کہتا ہے، کیا میں اسے قتل کر دوں؟ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا، فقط رسول خدا ﷺ کی یہ شان ہے کہ ان کی ذات سے متعلق گستاخی کرنے والے کو سزائے قتل دی جائے۔ یاد رہے کہ اہل امت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کے عدل اور ورع کے باعث خلیفہ خامس کہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے ہی ذکر کیا ہے کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ شاتم رسول کی کیا سزا ہے؟ عراقی فقہاء کہتے ہیں ایسے شخص کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اس پر حضرت امام مالکؒ جلال میں آ گئے اور فرمایا اگر رسول خدا کو دشنام کا ہدف بنایا جائے گا تو امت باقی نہیں رہے گی۔ جو شخص انبیاء کو دشنام دے اس کی سزا قتل ہے اور جو شخص اصحاب رسول کو سب وشتم کا نشانہ بنائے، اسے کوڑوں کی سزا دی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ فقہ اسلامی میں حضرت امام مالکؒ کو امام الائمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے عراقی فقہاء کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے شاتم رسول کی سزا کوڑے بتائی ہے۔ خدا جانے وہ کون فقہا تھے۔ عراقی فقہاء کے امام ابوحنیفہؒ کا اپنا قول ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے، اور یہی عالم شوافع اور حنابلہ کا ہے جیسا کہ جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب نے واضح کیا ہے۔ میں مزید حوالوں سے گریز کرتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے حوالے کو کافی جانتا ہوں اور فقہائے عظام میں حضرت امام مالکؒ پر اکتفا کرتا ہوں...... یہ فیصلہ یا فتویٰ تقریباً ہر اسلامی سلطنت میں نافذ رہا، چنانچہ یہ فیصلہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی نافذ کیا اور جلال الدین اکبر نے بھی......

میرے کرم فرما محمد اسماعیل قریشی نے دیگر بہت سے مستند حوالے دے رکھے ہیں اور ان حوالوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ قریشی صاحب کی یہ تصنیف یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور حتماً اہل دل کے سینوں میں چراغ عشق رسول کو روشن تر کرنے میں ممد ہو گی۔ یہ زمانہ اپنی روح کے اعتبار سے مادے پر استوار تعقل کا شکار ہے۔ مسلمان بھی اسی مادی ماحول سے متاثر ہو کر ایمان کو احکام خدا و رسول ﷺ کی روشنی میں جانچنے کے بجائے یورپی مادی تعقل کی میزان پر تولتے ہیں

...... ہر زمانے میں ایک مزاج ہوتا ہے اور اپنی غیرت اور خودداری سے غافل ہو جانے والے بارہا رنگ زمانہ میں رنگے جاتے ہیں، خواہ ان کا عقیدہ طور زمانہ سے قطعاً مختلف روش کا متقاضی کیوں نہ ہو۔ حضرت علامہ اقبال نے بلاسبب تو نہیں کہا تھا۔

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!
عصر ما، مارا زما بیگانہ کرد!
از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد!

اس غفلت کی پیدا کردہ محرومی کا مداوا یہی ہے کہ اہل امت کی روحوں میں سوز عشق مصطفیٰ کی تپش تیز کر دی جائے۔ جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب کی یہ زیر نظر تصنیف نفیس ولطیف اسی امر کی جانب ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ خدا قریشی صاحب کو ان کی محنت کا روحانی اجر عطا فرمائے اور انہیں سایہ دامان رحمت نبی سے ہر دو جہاں میں مسرت یاب رکھے اور اسی طرح ان سب احباب کو بھی، جنہوں نے محمد اسماعیل قریشی صاحب کو اس کتاب کی تیاری میں کسی طرح کی بھی مدد بہم پہنچائی اور ان جج صاحبان کو بھی، جن کی اسلام شناسی اور دین دوستی نے ان کو صحیح فیصلے تک پہنچایا ...... آمین، ثم آمین۔

حق تو یہ ہے کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی تقریظ کما حقہٗ نہیں لکھ سکا، لکھ سکتا بھی نہیں ...... جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، جناب محمد اسماعیل قریشی نے تقریظ کے بہانے میرے نام کو اپنی کتاب میں شامل کر کے مجھے عزت بخشنا چاہی تھی اور بس۔ خدا ان کی عزت اور ان کے ایمان میں روز افزوں اضافہ کرے۔ والسلام

پروفیسر مرزا محمد منور

سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی، پاکستان لاہور

مورخہ 9 جنوری 1994ء

میزانِ عدل...... جناب میرزا ادیب

جناب میرزا ادیب اردو ادب کی بڑی سربراوردہ شخصیت ہیں۔ ان کی ادب عالیہ میں گراں قدر خدمات کا اعتراف بیرون ملک کی یونیورسٹیوں نے انہیں لٹریچر میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے کر کیا ہے۔ مجھ خاکسار کے لئے سراپا شفقت تھے۔ میری اس کتاب کے بارے میں مضمون ''میزانِ عدل'' کے عنوان سے لکھ کر خود میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور میری حوصلہ افزائی کی۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ (مصنف)

''جناب محمد اسماعیل قریشی ہمارے موجودہ معاشرے کے ان بہت کم اشخاص کی صف میں شامل ہیں جو اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں جس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ ان کی زندگی کے صرف ایک حصے تک محدود نہیں رہتا بلکہ پوری زندگی کا نصب العین بن جاتا ہے۔ محترم قریشی پاکستان سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا منصبی فریضہ دوسروں کے لئے حصول عدل ہے مگر یہ حصول عدل ان کی پوری زندگی کا مطمع نظر بن گیا ہے۔

انہوں نے اپنی زندگی کی مسلسل جدوجہد میں اب تک جو کچھ بھی کیا ہے اس میں اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ اس سلسلے میں نہ تو اپنے ساتھ کوئی بات خلاف عدل ہو اور نہ دوسروں کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ سرزد ہو جسے خلق خدا خلاف عدل تصور کرے۔ اس انداز سے شب و روز بسر کرنا بڑا مشکل اور کٹھن کام ہے مگر قریشی صاحب سمجھتے ہیں کہ اگر انسان اپنے ضمیر کی رہنمائی عدل کے ساتھ کرے تو وہ کبھی ایسے عمل کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو اسے ضمیر کی نظروں میں گرا دے۔ وہ حقیقتاً ایک باضمیر انسان ہیں۔

محمد اسماعیل قریشی جیسا کہ میں نے پورے وثوق کے ساتھ عرض کیا ہے ہر کام میں، ہر حالت میں، ہر سرگرمی میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اب سے کچھ مدت پہلے جو ایک کتاب تخلیق کی ہے اس کی تشکیل و تعمیر میں بھی اپنی زندگی کے اسی نصب العین کو ہر آن پیش نظر رکھا ہے جسے میں عدل کہتا ہوں۔ یہ کتاب ہے ''ناموس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قانون توہین رسالت''۔ ایک وکیل کے لئے دلائل آفرینی کوئی مشکل کام نہیں مگر قریشی صاحب نے جس عدل کو ہر ہر آن، ہر ہر لمحہ زندہ اور سلامت رکھا ہے، اس کا بنیادی تقاضا ہے سچائی کی تلاش...... اور انہوں نے سچائی کی تلاش میں اپنے ذہن کی ہر صلاحیت، ہر اہلیت اور ہر

سعی کو وقف کر دیا ہے۔ انہوں نے جہاں جہاں سے روشنی کی کوئی کرن ملی ہے اسے اپنے ذہن میں لا کر قلم کے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں تلاش، تفحص اور جستجو کا حق ادا کر دیا ہے۔

قریشی صاحب نے جس موضوع پر غور و فکر کیا ہے پھر اس غور و فکر کو لفظوں میں منتقل کر دیا ہے وہ ایک نہایت اہم اور اسی قدر نازک بھی ہے۔ مگر قریشی صاحب نے پوری طرح عدل کی پاسداری کی ہے۔ ضمیر کی پاسداری بھی اور موضوع کی پاسداری بھی۔ انہوں نے اس بہت اہم اور بہت نازک مسئلے پر قرآن وسنت، تاریخ، قانون، عدالتی فیصلوں کے آئینے میں غور کیا ہے اور استنباط نتائج میں انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ غور و فکر، تعقل و تدبر میں انہوں نے کہیں بھی بے احتیاطی سے کام نہیں لیا اور یہ اسی کا صلہ ہے کہ انہوں نے جس انداز سے وکالت کی ہے وہ حصول عدل پر منتج ہوئی ہے۔

قریشی صاحب نے بہت کم مدت میں یہ ضخیم کتاب مکمل کی ہے کیونکہ جب انسان مساعی کے پیچھے ایک گہری اور ناقابل شکست لگن کارفرما ہو تو بڑے سے بڑا کام بھی کم سے کم عرصہ میں تکمیل پذیر ہو جاتا ہے۔ ایک اہم بات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ قریشی صاحب کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہنا چاہا ہے اس کے لئے الفاظ کے انتخاب میں بڑی وقت نظر کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی تحریر رواں دواں ہے۔ سلیس اور خوبصورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بعد

حضرت خواجہ سید نفیس الحسینی شاہ

محب گرامی جناب محمد اسماعیل قریشی کا شمار پاکستان کے صف اول کے وکلاء میں ہوتا ہے۔ سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ ہیں۔ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے پیشہ وکالت کے ذریعے اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ عشق رسول اور حمیت اسلامی کا جوہر ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ آئے دن عدالت کے ایوانوں میں ان کے جوش ایمانی کی گونج سنائی دیتی رہتی ہے۔ جب بھی کسی سرپھرے نے دین اسلام یا حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں حد ادب سے تجاوز کیا، جناب قریشی صاحب شمشیر بے نیام ہو کر سامنے آگئے اور آخر اسے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

وکلاء کے وسیع طبقے میں قریشی صحب ایک منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قانونی جہت سے حفاظت اسلام کا عظیم کام ان سے لیا ہے۔ حال ہی میں انہوں نے قانون توہین رسالت کے نفاذ کے لئے پیروی کی اور بالآخر کامیابی کا تمغہ افتخار حاصل کیا، وہ ان کا خاص حصہ ہے جس پر وہ لائق صد مبارکباد ہیں۔ اس قسم کے کام بے پناہ جذبے کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ انہیں والہانہ عشق ہے جس کے تقاضے سے وہ ناموس رسول کے مسئلے میں انتہائی جذباتی نظر آتے ہیں اور آخر کیوں نہ ہوں، ایک پکا اور سچا مسلمان اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ قریشی صاحب نے ''قانون توہین رسالت'' کے سلسلے میں عدالت کے ایوانوں میں اپنے قوی عقلی و شرعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اس سلسلے میں ان کی وسعت مطالعہ اور مہارت فن کا کچھ اندازہ ان کی زیر نظر تالیف ''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' سے کیا جا سکتا ہے جو تمام تر ''قرآن و سنت' قانون و نظائر' اور تاریخ کے آئینے میں'' پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں جناب قریشی صاحب نے مرکز عشق محبت حضور نبی کریم ﷺ پر فدا ہونے والے قرن اول کے جانثاران و شہیدان ملت کے ساتھ ماضی قریب کے سرفروشان رسالت کا

تذکرہ بھی کیا، جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ناموس رسول کا عقیدہ اور گستاخ رسول کی سزا کا مسئلہ قرن اول ہی سے مسلسل ومتواتر قطعی اور اجماعی چلا آ رہا ہے۔ جناب قریشی صاحب نے ایک وفادار امتی ہونے کے ناطے ناموس رسالت کے مقدمہ میں اپنی وکالت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی قبول فرمائے اور بروز حشر حضور ختم المرسلین ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔

احقر نفیس الحسینی
نفیس منزل، کریم پارک، لاہور

6 رمضان المبارک 1414ہجری
18 فروری 1994ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مصنف

(توہین رسالت کے مقدمہ کا تاریخی پس منظر)

مسلمان اپنے آقا و مولا حضور سرور عالم ﷺ کے نام و ناموس پر مر مٹنے اور اس کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان کرنے کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ اس پر تاریخ کی کسی جرح سے نہ ٹوٹنے والی ایسی شہادت موجود ہے جو ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو خواہ وہ ایشیا ہو یا یورپ، افریقہ ہو یا کوئی اور خطۂ ارض، جہاں بھی اقتدار حاصل رہا، وہاں کی عدالتوں نے اسلامی قانون کی رو سے شاتمان رسول کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ اس کے برعکس جب کبھی یا جہاں کہیں ان کے پاس حکومت نہیں رہی، وہاں جانثاران تحفظ ناموس رسالت نے غیر مسلم حکومت کے رائج الوقت قانون کی پروا کیے بغیر گستاخان رسول کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود ہنستے مسکراتے تختہ دار پر چڑھ گئے۔

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی دور استعمار سے قبل، حتیٰ کہ مغل شہنشاہ اکبر کے سیکولر دور میں بھی، شاتم رسول کو سزائے موت دی گئی۔ لیکن جب اس ملک پر سازشوں کے ذریعے انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا تو انہوں نے توہین رسالت کے اس قانون کو یکسر موقوف کر دیا۔ پھر انگریز حکومت ہی کی شہہ پر جب ہندوؤں، آریہ سماجیوں اور مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہوئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی پر حملے کرنے شروع کر دیئے تو مسلمانوں نے شاتمان رسول کو قتل کر کے، اقرار جرم کرتے ہوئے دار و رسن کی روایت کو از سر نو زندہ کیا۔

- مسلمانوں کے احتجاج اور مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر اس وقت کی قانون ساز اسمبلی نے 1927ء میں ایک معمولی سی دفعہ 295-A کا تعزیرات ہند میں اضافہ کیا، جس کی رو سے توہین مذہب کے جرم کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ مقرر ہوئی، لیکن اس سے مسلمانوں کی اشک شوئی نہ ہو سکی۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہ توقع تھی کہ یہاں توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا، سزائے موت کا قانون پھر سے بحال ہو جائے گا، لیکن کسی بھی مقننہ یا حکومت کو اس بارے میں پیش رفت کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں اسلام دشمن قوتوں نے پاکستان کی

اسلامی ریاست کوختم کرنے کے لئے سازشوں کا جال سارے ملک میں بچھا دیا۔ زرخرید ایجنٹوں کے ذریعہ یہاں کے نوجوانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے لادینی لٹریچر بھی پھیلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک کیمونسٹ ایم راج کا ذکر ضروری ہے جس کی اشتعال انگیزی قانون توہین رسالت اور اس کتاب کی تصنیف کا باعث بنی۔ اس کی خدمات روس کی حکومت نے حاصل کی ہوئی تھیں۔

ایم راج نامی ایک کٹر کمیونسٹ ایڈووکیٹ نے 1983ء میں Heavenly Communism (آفاقی اشتمالیت) ایک کتاب لکھی جو ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں مفت تقسیم کی گئی۔ یہ کتاب راقم الحروف کو جسٹس میاں صادق اکرام نے لا کر دی۔ اگر چہ، میں مصنف کے مبلغ علم سے واقف تھا، مگر یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کتاب میں کیمونزم کا مذہبی نقطہ نظر سے کس طرح جائزہ لیا گیا ہے، میں نے کتاب پڑھنا شروع کی۔ جیسے جیسے کتاب پڑھتا گیا، میری قوت برداشت جواب دیتی چلی گئی۔ مجھ پر غم وغصہ کی جو کیفیت طاری ہوئی، وہ ناقابل بیان ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا گیا، بلکہ مذاہب اور ادیان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا۔ دینی پیشواؤں کو "مذہبی شیطان" کہا گیا، انبیائے کرام علیہم السلام پر نہایت گھٹیا اور سوقیانہ حملے کئے گئے اور انتہا یہ کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کی جسارت کی گئی۔ میں نے نہایت صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کا اجلاس طلب کیا، جس میں پاکستان کے نامور علمائے دین کے علاوہ بیرون ملک سے عالم اسلام کے دو ممتاز اسکالرز ڈاکٹر ربیع المدخلی اور پروفیسر سعید صالح نے بھی شرکت کی۔ سب علماء کا متفقہ فتویٰ تھا کہ شاتم رسول واجب القتل ہے، لہٰذا حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس ناپاک کتاب کو فوری طور پر ضبط کر لے اور بغیر کسی تاخیر کے توہین رسالت کا قانون بنا کر اسے نافذ العمل کر دیا جائے، تاکہ آئندہ کسی بد بخت کو اہانت رسول کی جرأت نہ ہو سکے۔ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن اور بار کونسل نے بھی راقم کی تحریک پر مشتاق راج کو بار کی رکنیت سے خارج کر دیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسے گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے اور اس ناپاک کتاب کی ساری کاپیاں فوری ضبط کر لی جائیں۔ اہل لاہور کو جب اس کتاب کی اشاعت کا علم ہوا تو ان کے جذبات مشتعل ہو گئے اور حکومت نے امن وامان کی صورت حال اور بار ایسوسی ایشن کی قرار داد کے پیش نظر اسے زیر دفعہ 295-A گرفتار کر لیا، کیونکہ تعزیرات پاکستان میں اس وقت تک توہین رسالت جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی

کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔ ملک عزیز کے تمام مکاتب فکر کے علماء، وکلاء، بار ایسوسی ایشنز اور دینی تنظیموں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس سلسلہ میں فوری طور پر قانون سازی کی جائے۔ پاکستان کے قومی اخبارات نے بھی اس کی تائید کی اور اس کی حمایت میں اداریئے لکھے۔ بالآخر اسلامی نظریاتی کونسل نے اسلامیان پاکستان کے اس مطالبہ کا نوٹس لیا اور جناب شیخ غیاث محمد، سابق اٹارنی جنرل کی تحریک پر حکومت سے سفارش کی کہ توہین رسالت اور ارتداد کی سزا، سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس کے باوجود حکومت وقت نے اس نازک مسئلہ کو مستحق توجہ نہ سمجھا، لہذا راقم الحروف نے فیڈرل شریعت کورٹ میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور تمام صوبوں کے گورنروں کے خلاف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 203 کے تحت 1984ء میں اپنے ساتھ تمام مکاتب فکر کے علماء، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے سابق جج صاحبان، سابق وزرائے قانون، سابق اٹارنی جنرل، سابق ایڈووکیٹ جنرل صدر لاہور ہائی کورٹ بار اور دیگر بار کونسلوں کے صدر صاحبان اور نمائندہ شہریوں کو شامل کر کے شریعت پٹیشن نمبر L/A 1984ء دائر کی۔ مقدمہ کی سماعت کا آغاز راقم الحروف کی بحث سے شروع ہوا۔ عدالت نے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کر دیئے۔ کمرہ عدالت اور اس کے باہر ہر روز عوام کا ہجوم اس مقدمہ کی کارروائی کی سماعت کے لئے موجود ہوتا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے دوران عجیب وغریب واقعات پیش آئے، جن میں دو بڑے دلچسپ اور قابل ذکر ہیں۔ اس پٹیشن میں سابق جج لاہور ہائی کورٹ جناب جسٹس چوہدری محمد صدیق بحیثیت مدعی ہمارے ساتھ شامل تھے، جب کہ حکومت کی طرف سے ان کے صاحبزادے جناب جسٹس خلیل الرحمن رمدے، جو اس وقت ایڈووکیٹ جنرل تھے، پیش ہوئے۔ میں نے عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اس تاریخی مقدمہ میں باپ بیٹا ایک دوسرے کے مقابل ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ لائق بیٹے نے شریعت پٹیشن کی مکمل طور پر حمایت کی اور تمام صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرلز نے بھی اس پٹیشن کی تائید میں دلائل پیش کیے اور عدالت سے درخواست کی کہ اس درخواست شریعت کو منظور کر لیا جائے۔ ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ڈپٹی اٹارنی جنرل نے، جو حکومت پاکستان کی جانب سے پیش ہوئے، ہمارے اس موقف سے اتفاق کیا کہ شاتم رسول واجب القتل ہے، لیکن یہ قانونی اعتراض اٹھایا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو اس کی سماعت کا اختیار نہیں ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے پیش نظر ایک اور مسئلہ بھی تھا کہ آیا شاتم رسول کی سزا کا معاملہ قانون ساز اسمبلی سے متعلق ہے یا فیڈرل

شریعت کورٹ اس بارے میں وفاق پاکستان کو حکم نامہ جاری کرنے کی مجاز ہے۔ بہر حال فریقین کے دلائل کی سماعت کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا۔ اسی اثناء میں ایک اور سنگین واقعہ رونما ہوا۔ ماہ جولائی 1984ء میں ایک خاتون ایڈووکیٹ، جن کے شوہر ایک بڑے صنعتکار اور سرمایہ دار قادیانی ہیں، انہوں نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے معلم انسانیت حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں کچھ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے جو سامعین اور امت مسلمہ کی دل آزاری کا باعث تھے، جس پر سیمینار میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جب یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو ورلڈ ایسوی ایشن آف مسلم جیورسٹس نے اپنے خصوصی اجلاس میں پاکستان کے تمام سربرآوردہ علماء اور وکلاء کی جانب سے اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر شاتم رسول کے بارے میں سزائے موت کا قانون منظور کرے اور فیڈرل شریعت کورٹ سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ شریعت پٹیشن پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔ اسلامی جذبے سے سرشار خاتون مرحومہ آپا نثار فاطمہ نے اس قابل اعتراض تقریر کا قومی اسمبلی میں سختی سے نوٹس لیا اور راقم الحروف کے مشورے سے قومی اسمبلی میں تعزیرات پاکستان میں ایک مزید دفعہ C-295 کا بل پیش کیا، جس کی رو سے شاتم رسول کی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی۔ مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کے پیش نظر کسی کو اس کی مخالفت کی جرات نہ ہو سکی، البتہ وزیر قانون اقبال احمد خان کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کر دی گئی کہ شاتم رسول کی سزا، سزائے موت یا عمر قید ہو گی۔ اس طرح دفعہ C-295 کا تعزیرات پاکستان میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن اس دفعہ سے راقم الحروف، مرحومہ آپا نثار فاطمہ، علمائے کرام، وکلاء اور مسلمان عوام مطمئن نہیں تھے، اس لئے دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں C-295 کو راقم نے مسلم ماہرین قانون کی تنظیم کی جانب سے اس بناء پر چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور حد کی سزا میں کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی، جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو بھی معاونت کی دعوت دی گئی۔ اس مقدمہ کی سماعت لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فل کورٹ نے کی جو جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس، جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خان، جناب جسٹس عبدالرزاق تھیم اور جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خاں پر مشتمل تھا۔ من جملہ دیگر علمائے کرام کے مولانا سید محمد متین ہاشمی، مولانا محمد حسین اکبر

اجتہادی، مولانا حافظ یوسف صلاح الدین اور جناب سید ریاض الحسن نوری قابل ذکر ہیں۔ علماء کرام کے علاوہ حکومت پنجاب کی جانب سے جناب خلیل الرحمن رمدے ایڈووکیٹ جنرل پنجاب، جو اب سپریم کورٹ کے آنریبل جج ہیں، حکومت سرحد کی جانب سے جناب جسٹس محمد اجمل میاں، جو اس وقت سپریم کورٹ کے فاضل جج ہیں، سندھ اور بلوچستان کی طرف سے وہاں کے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل صاحبان نے بھی ہمارے موقف کی مکمل تائید اور حمایت کی۔ ملک کے ممتاز اسکالر مولانا سید محمد متین ہاشمی اور جناب ریاض الحسن نوری مشیر وفاقی شرعی عدالت نے عمر قید کی سزا کے اسلامی احکام سے منافی ہونے کے بارے میں موثر دلائل پیش کیے۔ سندھ کی حکومت نے بھی شاتم رسول کی سزا، سزائے موت کو تسلیم کیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری کا موقف تھا کہ سزا کے لئے نیت کی ضرورت نہ ہے۔ اسے فی الفور قتل کیا جائے۔

توہین رسالت کے مقدمہ میں عاجز کو رفیق محترم جناب ڈاکٹر ظفر علی راجا ایڈووکیٹ کی شب و روز معاونت حاصل رہی ہے، جس میں ان کا خلوص اور ملی حمیت کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔ بالآخر وہ ساعت سعید بھی آ گئی، جب فیڈرل شریعت کورٹ نے متفقہ طور پر، اس گدائے شہہ عرب وعجم کی، پٹیشن منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295-C سے حذف کیا جائے، جس کے لئے حکومت کو 30 اپریل سال 1991ء تک کی مہلت دی گئی۔ اس فیصلہ کے بعد پھر ایک عجیب مرحلہ پیش آیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جو کہ نفاذ اسلام اور قرآن وسنت کے قانون کی بالادستی کا منشور لے کر برسر اقتدار آئی تھی، سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ جس پر راقم نے وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کو پیغام بھجوایا کہ حکومت اس اپیل کو فوری طور پر واپس لے ورنہ اس انتہائی حساس مسئلہ پر مسلمانوں کے جذبات اس حکومت کے خلاف مشتعل ہو جائیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ وزیر اعظم پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف نے توجہ مبذول کرانے پر فوری اور بروقت نوٹس لیا اور برسر عام اعلان کیا کہ اس اپیل کا انہیں قطعی علم نہ تھا ورنہ ایسی غلطی کبھی سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اس جرم کی سزا، سزائے موت سے بھی سنگین تر ہوتی تو ہم اسے بہرصورت نافذ کرتے۔ چنانچہ ان کے حکم سے توہین رسالت کی سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ سے یہ اپیل واپس لے لی گئی۔ جو بوجہ دستبرداری خارج ہو گئی، جس کے بعد یہ قانون مکمل طور پر سارے ملک میں نافذ ہو گیا۔ اس طرح

نہ صرف عاجز، مرحومہ آپا نثار فاطمہ اور مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم کی بلکہ پوری امت مسلمہ کی دلی آرزو پوری ہوئی۔ اس فیصلہ کی بدولت حضور رسالت مآب ﷺ کی ایک ایسی سنت تازہ ہوئی جس پر تمام مسلمانوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ جس کے لئے فیڈرل شریعت کورٹ کے فاضل چیف جسٹس جناب گل محمد خان مرحوم اور ان کے تمام رفقاء جج حضرات بھی پوری امت مسلمہ کی جانب سے مستحق مبارک باد ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں بھی تعزیرات ہند (Indian Penal Code) کی طرح برٹش گورنمنٹ کی پالیسی کے تحت قانون توہین رسالت سرے سے موجود ہی نہیں تھا مگر اب بفضل تعالیٰ یہ قانون سارے پاکستان میں نافذ العمل ہے، لیکن اردو یا انگریزی میں قانون توہین رسالت پر قرآن، سنت، فقہ اور مروجہ قانون کے حوالہ سے تاریخی پس منظر کے ساتھ کوئی مستند کتاب موجود نہ تھی۔ اس لئے توہین رسالت کے مقدمہ کے سلسلہ میں کافی مواد اکٹھا کرنا پڑا، نئے مسائل اور مباحث کے جوابات بھی علمی دیانت کے ساتھ پیش کیے گئے تھے، اس لئے انہیں بھی یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت مجھ عاجز کو حاصل ہوئی، جس سے نہ صرف فاضل اراکین عدلیہ، قانون داں حضرات اور اہل علم و دانش بلکہ صاحب ذوق قارئین بھی مستفید ہوں گے۔

اس کتاب کے کچھ مسودات مکہ مکرمہ حرم نبوی اور طائف میں لکھے گئے، اس لئے اہل دل کو اس میں جو حسن اور دل کشی نظر آئے، وہ ان ہی حسین مقامات کا عکس جمیل ہے اور جو خامیاں اور غلطیاں نظر آئیں، اس میں میری کوتاہیوں کا دخل ہے۔ قارئین محترم سے گزارش ہے کہ غلطیوں سے جو سہواً ہو گئی ہیں، مطلع فرمائیں تاکہ انہیں دور کیا جا سکے۔

ایک روح پرور حاصل زندگی خواب جمیل

سال 1990 سے تقریباً ربع صدی پیشتر کا ذکر ہے، جب ہم لاہور میں غازی علم الدین شہید روڈ (سابق لٹن روڈ) پر باغیچہ نواب صاحب بہاول پور کی جامع مسجد کے مقابل قیام پذیر تھے۔ ان دنوں میں نماز جمعہ بالالتزام اسی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک جمعہ امام مسجد قاری عطاء اللہ صاحب کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مولانا موسٰی خاں صاحب خطبہ جمعہ سے قبل اجتماع سے خطاب کر رہے تھے اور اس دن وہ سفید بے داغ لباس میں ملبوس تھے۔ انہیں دیکھ کر دل میں معاً خیال آیا کہ ہمارے ان علمائے دین کے کردار و عمل میں کتنا تضاد ہے! یہ حضرات دوسروں کو تو اتباع سنت کی تلقین کرتے ہیں، صحابہ کرامؓ اور بالخصوص خلفائے راشدینؓ کے نظام حکومت اور طرز زندگی کو تازہ کرنا چاہتے ہیں لیکن خود ان کی زندگی میں اس کی جھلک نظر نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں، جبکہ عراق اور ایران سے سیم و زر کے انبار ان کے قدموں میں ڈالے جا رہے تھے، خود موٹے اور کھردرے اور پیوند لگے لباس میں زندگی بسر کرتے رہے، لیکن آج ہمارے یہ مولانا محترم بہترین سفید پوشاک زیب تن کیے برسر منبر جلوہ افروز ہیں۔ بایں وجہ میں نے مولانا موصوف سے نماز جمعہ کے بعد ملاقات بھی نہیں کی۔ چند دنوں بعد یہ بات ذہن سے فراموش ہو گئی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میں نے ایک خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اجتماع ہے جس میں، میں بھی شامل ہوں۔ یکا یک غلغلہ بلند ہوا کہ حضور ختمی مرتبت جناب رسالت مآب ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو دیکھا کہ فضائے نیلگوں میں ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا ہے اور دور سے آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نہایت پاکیزہ سفید اور بے داغ لباس میں اسپ صبا رفتار پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ مجھ گنہگار میں تاب نظارۂ جمال کہاں تھی جو جی بھر کر چہرۂ انور دیکھتا۔ نگاہیں خود بخود جھک گئیں مگر بے قراری اور اضطراب میں ان کی سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتا جا رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ فداہ ابی و امی کی سواری خان پور کی دینی درسگاہ، مخزن العلوم، جس کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ ہیں، کی جانب جا رہی ہے۔ اسی دینی درسگاہ کی جامع مسجد سے ملحقہ احاطہ میں میرے پاکباز والد حضرت شیخ محمد قریشی مرحوم مدفون ہیں، جہاں انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی مرقد

تیار کرائی تھی۔ اسی دوران میری زندگی کا ماحصل وہ ناقابل فراموش حسین ترین لمحہ آیا، جب میرا سر آقا و مولائے کائنات ﷺ کے پائے رکاب کے نیچے آ گیا اور مجھے اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ کے کفش پا کو چھونے کا شرف حاصل ہوا۔ زندگی میں اس سے بڑھ کر اور کیا عز و شرف ہوگا جو کسی خاک پائے رسول ہاشمی ﷺ کو حاصل ہو۔

ایک عرصہ تک میں نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ کہاں وہ سرور دو جہاں ﷺ اور کہاں یہ گدائے خستہ جاں، سراپا گناہ و عصیاں میں ڈوبا ہوا انسان جس کی کج مج زبان سے یہ بے پایاں لطف و کرم کی داستاں کیسے بیان ہو! ڈر تھا کہ کہیں زباں سے کوئی لغزش نہ ہو جائے۔ پھر خیال آیا شاید طہارت و پاکیزگی جسم و لباس کے بارے میں شاہِ امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کا یہ بھی ایک انداز کریمانہ تھا۔ بڑے عرصہ بعد ڈرتے ڈرتے میں نے یہ خواب اپنے ایک روشن ضمیر دوست بیرسٹر ضمیر احمد خاں کو سنایا۔ سن کر کہنے لگے ”بھائی! بڑے ہی خوش نصیب ہو، شاید آپ سے کوئی خدمت لی جائے گی۔“ جس سے کچھ ہمت بندھی تو پھر یہی خواب میں نے انہی مولانا موسیٰ خاں صاحب کو سنایا، جن کے بارے میں غلط تاثر تجلی خواب کے بعد ذہن و دماغ سے یکسر ختم ہو چکا تھا۔ ان سے دریافت کیا: ”کیا میں یہ خواب دوسروں کو بھی سنا سکتا ہوں؟“ فرمایا: ”اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ایک سلسلہ تبلیغ و ہدایت ہے۔ اس وقت مجھے یہ انشراحِ صدر بھی ہوا کہ سیدنا عمرؓ کی کھردری پیوند لگی قمیص اور سیدنا علیؓ کا نان جویں پر گزر بسر بھی تعلیمات اسلامی کے عین مطابق تھا۔ خلافت کی گراں بار ذمہ داریوں کے وجہ سے یہ ضروری تھا کہ عام زندگی میں امیر اور غریب کے فرق کو مٹا دیا جائے۔

پھر سال 1992ء میں جب مجھے اپنے فرزند عزیز طٰہٰ امین قریشی اور پوتے جواد طٰہٰ کے ہمراہ عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت ایک مرتبہ پھر مکہ مکرمہ میں 21 رمضان المبارک کی بابرکت شب میں ان ہی شیخ الحدیث مولانا موسیٰ خاں صاحب سے نماز عشا سے قبل مولانا محمد المکی، خطیب حرم کے مکان پر، جہاں میں اپنے برادر عزیز عبدالعلیم قریشی اور عزیز محترم سردار احمد خان کے ساتھ مقیم تھا، اچانک ملاقات ہوگئی اور اسی دل نشیں خواب کا ذکر آ گیا تو میں نے دیکھا کہ مولانا کا چہرہ دیارِ حرم میں فرطِ مسرت سے سرخ ہو گیا اور اسی مجلس میں انہوں نے حاضرین مجلس کو اس حقیقت نما خواب کا گواہ بنایا اور مجھ پر اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر بھی منکشف ہوئی، جس میں فرمایا گیا:

"قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده و الطيبت من الرزق"(الاعراف:32)
"اور اے نبی ﷺ ان سے پوچھو تو جو زینت اور آرائش اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟"

اس لئے یہ مبارک خواب ایک زندہ حقیقت بن کر میرے قلب و دماغ پر نقش ہو گیا۔ سو تحدیث نعمت کے طور پر اسے سپرد قرطاس کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اور یقین ہو گیا کہ اسی خواب کی تعبیر کے لئے سال 1976ء میں مجھے کار کے اس حادثہ جانکاہ سے بچا لیا گیا جبکہ میں استخوان شکستہ سے چور ہو کر موت کی وادی میں پہنچ چکا تھا اور میرے ڈاکٹروں اور تیمارداروں کو جہاں سے میری واپسی کی کوئی توقع باقی نہ رہی تھی۔ لِلّٰہ الحمد کہ اس خواب کی تعبیر ملک عزیز پاکستان میں توہین رسالت کے قانون، قانون سزائے موت کی صورت، تعزیرات پاکستان میں دفعہ C-295 کی صورت میں موجود ہے جس کی ابتدا اس بندۂ ناچیز کی کوشش سے سال 1983ء میں ہوئی تھی اور بالآخر ماہ مئی 1990ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اس بارے میں تاریخ ساز فیصلہ بمقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان کر دیا کہ اس ناقابل معافی جرم کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے۔ سپریم کورٹ میں بھی یہ فیصلہ بحال رہا، جس کے بعد پاکستان میں توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت جاری ہو گئی۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء وهو ذو الفضل العظيم

25 رمضان المبارک
سال 1419 ہجری

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

گستاخ رسول کی سزا پر ایک بے جا اعتراض

عیسائی مشنریوں کے مبلغین اور اکثر ایسے مسلم و غیر مسلم حضرات بھی، جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا، عام طور پر ایک بے جا اعتراض کرتے ہیں کہ جب مسلمان اپنے پیغمبر کو رحمۃ اللعالمین کہتے ہیں تو پھر انہوں نے اپنے دشمنوں کو معاف کرنے کی بجائے سزائیں کیوں دیں؟

حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا، جس کی شہادت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دی، اور خود تاریخ کا ایک ایک حرف اس پر گواہ ہے۔ شعب ابی طالب، بطحا کی وادیاں، طائف کی چٹانیں اور یثرب کے پہاڑ، سب آج بھی گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ طائف میں بے سرو سامانی کی حالت میں جب آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے اور آپ ﷺ سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے لئے عذاب الٰہی اور قہر خداوندی کو دعوت نہیں دی بلکہ ان کے حق میں ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر اسی شہر میں جہاں اہل مکہ نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی، موت کی گھاٹی میں آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو محصور کر دیا تھا، تمام قبائل عرب نے ہم صلاح ہو کر آپ ﷺ کو جان سے مار دینے کے لئے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کو ایسی اذیتیں پہنچائی تھیں جو کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مگر جب آپ ﷺ ہزاروں جانثاران نبوت کے لشکر جرار کو لیے ہوئے فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ نے "لا تثریب علیکم الیوم" (آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی) کہتے ہوئے عام معافی کا اعلان فرمایا اور اپنے بدترین دشمن ابو سفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چہیتے اور محبوب چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ھندہ اور انہیں وحشیانہ طور پر قتل کرنے والے ہندہ کے غلام وحشی اور ان دشمنوں کو بھی جو آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے، اس وقت معاف فرمایا جبکہ آپ ﷺ تمام اہل مکہ سے انتقام لینے کی پوری طاقت اور قدرت رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف فرمایا جس نے ایک بھنی ہوئی بکری سے آپ کی تواضع کی تھی لیکن اس کے پہلے لقمہ ہی نے آپ ﷺ کو بتلا دیا تھا کہ میں زہر

آلودہ ہوں اور آپ ﷺ کے استفسار پر اس یہودی عورت نے اقرار جرم کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ میں نے یہ اہتمام اس لئے کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو زہر آپ ﷺ پر اثر انداز نہیں ہوگا اور اگر آپ ﷺ بادشاہ ہیں تو ہماری قوم کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی۔ ایسی دشمن جاں یہودیہ کو بھی آپ ﷺ کے عفو کریمانہ کے دامن میں پناہ ملی۔

یہ ہے آپ کی شان رحمۃ للعالمینی کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ اسی وصف رحمۃ للعالمینی کی جھلک ان ہستیوں میں بھی صاف نظر آتی ہے جو آپ ﷺ کے زیر تربیت رہی ہیں۔ آپ ﷺ کے عم زاد علیؓ نے جب ایک شہ زور دشمن اسلام پہلوان کو زیر کر لیا اور ان کا خنجر آب دار اس کی رگ گردن پر تھا اور اس نے اس خیال سے علیؓ کے منہ پر تھوک دیا کہ فوراً ہی اسے اس عالم جانکنی سے نجات مل جائے گی، مگر جناب علیؓ نے مشتعل ہو کر اس کا سر کاٹنے کی بجائے اسی وقت اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور دریافت پر بتلایا کہ پہلے تو وہ رضائے الٰہی کی خاطر درپے قتل تھے مگر تھوکنے کے بعد جب خواہش نفس نے انہیں فوری آمادہ قتل کیا، تو انہوں نے اس کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔

حضور ﷺ تو اس دنیا میں انسان کو انسان کی اور ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے زمین پر آسمانی بادشاہت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس لئے جو شیاطین آپ ﷺ کو ہدف طعن و تشنیع اور نشانہ تضحیک بنا کر آپ ﷺ کے عالمگیر انقلاب کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے تھے، انہیں ہٹانا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر انسانیت پیغمبر اسلام کے بے کراں فیوض و برکات سے محروم رہ جاتی۔ انسان، انسان کا غلام بن کر رہ جاتا بلکہ شجر، حجر کی پرستش کر کے ہمیشہ کے لئے شرف انسانیت کھو بیٹھتا اور تسخیر کائنات کی جانب اس کا قدم کبھی نہ اٹھتا۔ اس لئے آپ ﷺ کے بعد یہ ذمہ داری آپ ﷺ کی امت کے سپرد ہوئی کہ وہ ایسے شیاطین سے براہ راست نمٹ لے۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ اس کائنات ارضی میں رب ذوالجلال کے جلیل القدر سفیر بھی ہیں۔ عام دنیوی پروٹوکول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کسی ملک کے شایان شان اس کے سفیر کا بھی احترام کیا جائے، تو پھر خالق کائنات کے اس جہان ہست و بود میں بھیجے ہوئے عالی مقام سفیر گرامی کی جتنی بھی عزت و توقیر کی جائے کم ہے۔ سورہ المجادلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور اے نبی! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو وہ اس طور پر سلام و تحیت کرتے ہیں جو تمہارے رب کا (پسندیدہ) طریق تحیت نہیں۔"

اس سے حضور ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں علو مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کی توہین و تنقیص دراصل شہنشاہ ارض و سماوات کی جناب میں گستاخی ہے اور اس قانون فطرت کے خلاف بغاوت ہے، جو اللہ کے فرستادہ آخری پیغمبر ﷺ اس دنیا میں برپا کرنے آئے تھے۔ اس لئے ان گستاخان رسالت کو جو سزا دی گئی، وہ عین شریعت الٰہی کے مطابق ہے، جس کو یہ امت قائم کیے ہوئے ہے اور تا قیامت یہ قائم رہے گی۔ واللہ المستعان

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن زیر طباعت تھا کہ وزارت امور مذہبی پاکستان کی جانب سے مصنف کے نام ایک مراسلہ موصول ہوا، جس میں بتلایا گیا کہ بین الاقوامی اداروں کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کے بارے میں استفسارات ہو رہے ہیں، چنانچہ اس اہم مسئلہ پر مسلم ماہرین قانون سے بھی معاونت طلب کی گئی اور دریافت کیا گیا تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں توہین مسیح (Blasphemy) سے متعلق کیا قوانین ہیں۔ اس کے علاوہ حقوق انسانی کے بعض نام نہاد اداروں کی جانب سے بھی اعتراضات آنے شروع ہو گئے تھے، جس میں میری ذات کو بھی ہدف تنقید بنایا جا رہا تھا کیونکہ میں نے مسلم ماہرین قانون کی تنظیم کی جانب سے یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں اٹھایا تھا، جہاں سے توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہوئی۔ پھر حکومت پاکستان کی سپریم کورٹ سے اپیل کے خارج ہونے کے بعد توہین رسالت کا قانون پاکستان میں نافذ العمل ہو گیا، جس پر فادر روفن طارق اور ان کے بعض ہم مذہب مسیحی لیڈروں نے ناخوشگوار رد عمل کا اظہار کیا۔ اس قانون کو سال 1993ء کے انتخابات میں الیکشن ایشو بھی بنایا گیا اور یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ قانون بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

یہ سارے اندیشے، خدشات اور اعتراضات سراسر بے بنیاد ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی قوانین اور قانون توہین رسالت سے کم علمی ہے، جو لاعلمی اور جہالت سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی حد تک محدود نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں وہ تمام پیغمبر اور رسول، جن میں سارے انبیائے بنی اسرائیل اور جناب یسوع مسیح بھی شامل ہیں، ان سب کی توہین اور تنقیص کی بھی وہی سزا مقرر ہے جو شاتم رسول کی ہے۔ اہل کتاب کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ بائبل میں نہ صرف رسولوں کی شان میں گستاخی کی سزا، سزائے موت ہے بلکہ نائبین رسول کے گستاخوں کو بھی واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ پیروان مسیح اس صریح حکم کا کس

طرح انکار کر سکتے ہیں اگر اپنی کتاب مقدس پر ان کا اعتقاد ہے! (کتاب استثناء باب 17:12)

اسلامی قانون تعزیر میں کسی جرم کی جتنی سنگین سزا مقرر ہے، اسی قدر کڑی شرائط بھی اس کے ثبوت کے لئے درکار ہیں۔ چنانچہ حد کی سزا میں شہادت کا معیار عام شہادت کے معیار سے بہت زیادہ سخت اور غیر معمولی ہے۔ حدود کی سزا کے لئے ایسے گواہوں کی شہادت قابل قبول ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں۔ صادق القول اور عادل ہوں اور مزید برآں تزکیۃ الشہود کے معیار پر بھی پورا اترتے ہوں۔ حد کی سزا کا ایک بنیادی رکن ملزم کی 'نیت' 'ارادہ' اور 'قصد' ہے۔ ایسی تحریر یا تقریر جو انبیاء کرام علیہم السلام یا نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی نیت سے قصداً ہو تو اسے قابل مواخذہ جرم قرار دیا جائے گا۔ 'ارادہ' اور 'نیت' کا بنیادی پتھر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں فرمایا گیا: انما الاعمال بالنیات "بلاشبہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے"۔ نیت کے بغیر اسلامی قانون میں کوئی جرم مستوجب سزا نہیں ہے۔ صاحبان علم و دانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ شریعت اسلامی کی وجہ سے 'نیت' اور 'ارادے' کو دنیائے قانون میں سب سے پہلے اسلام ہی نے روشناس کرایا اور اسے موجودہ قانون جرم و سزا کے لئے بنیادی شرط قرار دیا گیا ورنہ رومن لا (Roman Law) میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں تھی۔ اٹھارہویں صدی سے قبل برطانیہ کے قانون تعزیر میں بھی اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں انگلستان کی بعض عدالتوں نے بڑے دلچسپ فیصلے صادر کیے ہیں۔ یہاں برسبیل تذکرہ صرف ایک فیصلہ کا حوالہ دوں گا۔ ایک شخص درخت سے گر کر مر گیا تو اس "قاتل درخت" کو سزائے موت سنائی گئی اور اس کا تنا کاٹ کر اس سزا پر عمل درآمد ہوا۔

اس کے علاوہ 'شک' کا فائدہ بھی اسلامی قانون کی رو سے ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس کا ماخذ بھی وہ حدیث مبارک ہے، جس میں حکم دیا گیا ہے: ادرؤ الحدود بالشبهات حدود کی سزاؤں کو شبہات کی بنا پر ختم کیا جائے۔ سال 1991ء سے اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد سے آج تک کسی ایک شخص کو پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ نے قانون توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت نہیں دی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قانون توہین رسالت ان تمام لوگوں کی زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہے جن کے خلاف فرد جرم ثابت نہ ہو، ورنہ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد 1860ء میں جب برطانوی حکومت نے ہندوستان میں قانون توہین رسالت کو منسوخ کیا تو اس کے بعد مسلمان سرفروشوں نے اس قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور گستاخان رسول کو قتل کر کے انہیں کیفر کردار

تک پہنچاتے رہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جس وقت ہندوستان میں توہین رسالت کا اسلامی قانون منسوخ کیا گیا، اس وقت انگلستان میں قانون توہین مسیح (Blasphemy) ملک کے قانون عام (Common Law) کے طور پر رائج تھا اور آج بھی وہاں کے کامن لاء کا حصہ ہے اور انگلستان کے مجموعہ قوانین (Statutory Book) میں بھی شامل ہے۔ قانون توہین رسالت کے پاکستان میں نافذ ہو جانے کے بعد اب اس کی سزا کا معاملہ افراد کے ہاتھوں کے بجائے عدالتوں کے دائرہ اختیار میں آ گیا ہے، جو تمام حقائق اور شہادتوں کا بغور جائزہ لے کر جرم ثابت ہونے کے بعد ہی کسی ملزم کو مستوجب سزا قرار دے گی۔ اگر جرم توہین رسالت کی سزائے حد کے لئے اسلام کے معیار شہادت کے مطابق مطلوب گواہ موجود یا دستیاب نہ ہوں تو سزائے حد موقوف ہو جائے گی۔ لیکن وہاں اسلام کا قانون تعزیر حرکت میں آئے گا کیونکہ جہاں حد کی شرائط پوری نہ ہوں، وہاں اسلامی اصول قانون کے رو سے ملزم کو نہیں بلکہ مجرم کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ اس اصول قانون کا ماخذ بھی وہ حدیث مبارک ہے جس میں فرمایا گیا:

ان اللّٰہ لیزع بالسلطان مالا یزع بالقران ''حق سبحانہ وتعالیٰ ہیئت مقتدرہ کے ذریعہ ان چیزوں کا سد باب کرتے ہیں جن کا سد باب قرآن کے ذریعہ نہیں کیا گیا'' یہاں ہیئت مقتدرہ سے مراد احکام الٰہی نافذ کرنے والا ادارہ ہے۔ جس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی زمین میں فساد اور بگاڑ کو پھیلنے سے روکے۔ اس بارے میں سپریم کورٹ پاکستان نے راقم الحروف ہی کے ایک **معرکۃ الآراء** مقدمہ فقیر اللہ بنام خلیل الرحمٰن 1999 ایس سی این آر/2003 میں یہ واضح فیصلہ صادر کیا ہے کہ اگر کوئی سنگین جرم قرآن کے حدود میں نہ آئے تو خدائے تعالےٰ سلطان (اسلامی حکومت) اپنی قوت قاہرہ سے اس کا انسداد فرماتا ہے۔

مسیحی برادری کو تو قانون توہین رسالت کا خوش دلی سے خیر مقدم کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس قانون کی رو سے جناب مسیحؑ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت مصطفیٰ ﷺ کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان ان تمام پیغمبر کرام کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں، اس لئے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان پیغمبروں کے علاوہ اسلام کے احکام کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیشواؤں

کے خلاف بھی اہانت کی اجازت نہیں اور نہ ہی انہوں نے آج تک ایسی شرارت کی ہے۔

اسی کتاب میں ہم نے یہودی فلم ساز مارٹن اسکورسس کی انتہائی شرمناک فلم "مسیح کی آخری ترغیب جنسی" (The Last Temptation of Christ) کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جو سال 1988ء میں لندن کے سینما گھروں میں دکھلائی جارہی تھی، جس میں معاذ اللہ جناب مسیحؑ کے ایک طوائف کے ساتھ تعلقات کے مناظر دکھلائے گئے ہیں۔ میں ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ ہماری دینی حمیت اسے برداشت نہ کرسکی، چنانچہ ہماری اس اپیل پر، کہ حضرت عیسیٰؑ صرف عیسائیوں ہی کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے بھی واجب الاحترام پیغمبر ہیں لہذا اس فلم کی نمائش بند ہونی چاہیے۔ لندن میں مسلمانوں نے خاموش احتجاجی مظاہرے کیے، جس پر بالآخر وہ فلم فلاپ ہوگئی۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے۔ کیا قانون بلاوجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو جو توہین رسالت کے مجرم نہیں، پھانسی کی سزا سنائے گی یا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے خلاف گستاخی اور توہین کے لئے کھلا لائسنس طلب کر رہے ہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس قانون کی منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

باب اوّل

نام و ناموس رسول ﷺ
قرآن اور آسمانی کتابوں میں

اسم احمد ﷺ و محمد ﷺ

اسم محمد ﷺ کے حسن معنوی کا اظہار لفظ و بیاں میں ممکن ہی نہیں۔صرف اس کے صوتی اثرات ہی سے قلب و دماغ پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ بھی نا قابل بیان ہے۔اس میں ایک ایسی لذت، شیرینی اور مٹھاس ہے کہ ہونٹوں کا آپس میں مکرر اتصال ہوتا ہے اور نطق آگے بڑھ کر خود زبان کے بوسے لینے لگتی ہے۔اس کی ادائیگی کے ساتھ ملکوتی آواز فردوس گوش بن کر سامعہ نواز ہوتی ہے۔اس لیے یہ نام ذہن کائنات پر نقش دوام بن کر مرتسم ہو گیا ہے۔

قرآن مجید کا آغاز سورہ فاتحہ ''الحمد'' یعنی حمد و ثنائے رب سے ہوتا ہے، اس لیے رب العالمین نے جو اپنی حمد و ثناء کے واسطے ایسی ہستی کو، جو اس کے لائق اور سزاوار تھی، کائنات خلقت میں رحمت اللعالمین بنا کر احمد ﷺ اور محمد ﷺ کے نام نامی سے مبعوث فرمایا۔

''احمد ﷺ'' اسم تفضیل ہے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ''سب سے بڑھ کر حمد و توصیف کرنے والا۔'' اس نام سے آپ ﷺ کی صفت توصیف الٰہی کے کمال کا اظہار مقصود تھا اور آپ ﷺ کے سوا وہ اور کون ہے، جس نے آ کر کائنات ہستی کو ''حمد الٰہی'' کے لازوال نغموں سے معمور کر دیا۔اس کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی ''جو سب سے زیادہ لائق تعریف ہو۔'' اس معنی میں آپ کا دوسرا اسم مبارک ''محمد ﷺ'' رکھا گیا یعنی وہ ہستی جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔اس طرح آپ ﷺ احمد ﷺ بھی ہیں اور محمد ﷺ بھی اور ان دونوں ناموں سے نہ صرف آپ ﷺ کو قرآن میں یاد کیا گیا ہے بلکہ انجیل اور تورات میں بھی اسی نام نامی کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر پاک موجود ہے۔جس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ صاف اور صریح شہادت موجود ہے۔

یجدونه مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل." (1)

''جس کے بارے میں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

فرانس کے ممتاز اسکالر مورس بوکائیے اپنی تحقیقی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' میں

''پیراکلیت'' کے بارے میں لکھتے ہیں: انجیل یوحنا کے مطابق جب یسوعؑ مسیحؑ کہتے ہیں:

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا''

جو کچھ یسوعؑ اس موقع پر کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ بنی نوع کے پاس ایک دوسرا شفاعت کرنے والے بھیجا جائے گا جیسا کہ وہ خود اپنی دنیوی زندگی کے دوران انسانوں کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرتے رہے ہیں۔

اس لیے منطق کے اصولوں کے مطابق یوحنا کے پیراکلیت (فارقلیط یا مددگار) میں یسوعؑ کے مانند ایک انسان نظر آتا ہے جو سماعت اور نطق کی وہ صلاحتیں رکھتا ہے جن کا اظہار یوحنا کے یونانی متن سے ہوتا ہے کہ خداوند بعد میں ایک فرد بشر اس کرۂ ارض پر بھیجے گا جو وہی کردار ادا کرے گا جو یوحنا کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا ہے یعنی وہ ایک پیغمبر ہوگا جو خدا کا کلام سنتا ہے اور اس کا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچاتا ہے۔

تورات میں نوید کلیمؑ

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو خوشخبری دیتے ہوئے خدا کا کلام انہیں سنا رہے ہیں جو استثنا باب 18 میں یوں درج ہے۔

اور خداوند نے مجھ سے کہا ''وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔'' (2)

حضرت موسیٰؑ کی اس پیشین گوئی کا مصداق سوائے ذات رسالت ماب ﷺ کے اور کوئی رسول نہیں۔ یہاں ان کے بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ ان دونوں کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ ہیں جنہوں نے اپنی پیرانہ سالی میں اپنے جواں سال فرزند جناب اسماعیلؑ کی گردن پر حکم خداوندی کی تعمیل میں چھری رکھ دی تھی۔ لیکن قدرت حق نے جگر گوشہ خلیلؑ کو ذبح ہونے سے بچالیا۔ اگر اس وقت گلوئے اسماعیلؑ پر چھری چل جاتی تو رب کعبہ کی قسم یہ ساری کائنات ہی ذبح ہو جاتی۔ کیونکہ بنی اسماعیل کی نسل سے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہونا ابھی باقی تھا جن کے لیے یہ دعائے خلیلؑ بلند ہوئی تھی۔

''اے بارِالٰہ! میری نسل سے ایسا نبی برپا کر جو ایک قوم کا نہیں بلکہ، تمام گروہ نسل انسانی کا سردار اور پیشوا ہو۔ جو انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو سنوار دے۔'' (3)

بشارت مسیحؑ

کائناتِ ہستی میں جناب مسیحؑ کا نزول احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والسلام کی دنیا میں آمد کی بشارت تھی، جس کا اعلان خود زبان مسیحؑ نے کیا۔

"واذقال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد." (4)

"اور یاد کرو (اس وقت کو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا "اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرےؐ بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔"

انجیل یوحنا میں اپنے شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے یسوع مسیحؑ نے اہل دنیا سے فرمایا:۔

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن "مددگار" یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اور وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" (5)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ باتیں جناب مسیحؑ اس وقت اپنے حواریوں سے کہہ رہے ہیں جب انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے بعد انہیں سوئے دار کھینچا جائے گا۔

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہیں کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (باب 3:14)

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر تم اب ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ (صراط مستقیم) دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔" (6)

فارقلیط

بائبل کے انگریزی ترجمہ میں جو عام طور سے (King James Version) کہلاتا ہے، مددگار، کے لیے (Comforter) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "تسکین بخشنے والا" انگریزی لفظ (Comforter) ترجمہ ہے یونانی لفظ "فرقلیطس" کا جس کا ایک تلفظ "فارقلیط" بھی ہے۔ یونانی میں یہ لفظ ہمیں دو طرح سے لکھا ہوا ملتا ہے۔ (Paraclatus) اور

(Periclytos) موخر الذکر لفظ کے معنی ہیں۔ ''وہ ہستی جس کی تعریف اور توصیف کی گئی ہو'' جس کا ہم معنی لفظ لغت عرب میں ''محمد'' ہے اور یہ ''احمد'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اصل بائبل کا یونانی میں ترجمہ عبرانی یا آرامی (Aramie) سے کیا گیا تھا جو جناب مسیحؑ کے زمانہ میں فلسطین کی مروجہ زبان تھی۔ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں خوشخبری اور بشارت۔

منحمنا

آرامی زبان میں اصل لفظ جو حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد میں آنے والے جہانوں کے سردار کے لیے استعمال کیا تھا، جسے سن کر یوحنا نبی نے اسے اپنی انجیل، انجیل یوحنا میں نقل کیا ''منحمنا'' ہے جس کا لغوی ترجمہ عربی میں ''محمد ﷺ'' اور ''احمد ﷺ'' ہے اور یونانی میں ''فرقلیطس'' (Periclytos) ہے۔ جس کے تلفظ کا فائدہ اٹھا کر مذہبی تعصب نے اس میں معمولی سے تحریف کے ساتھ اس کو (Paracletus) بنا دیا جو ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ جو رب کے حضور دعا کرنے والے، کے علاوہ ''نذیر'' ''مددگار'' اور ''تسکین بخشنے والا'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ (Teacher) بھی کیا ہے۔

آرامی زبان میں مرقوم انجیل میں آپ ﷺ کا جو نام مبارک ''منحمنا'' یعنی ''محمد'' آیا ہے اس کا سراغ ہمیں قرون اولیٰ کے اولین مستند سیرت نگار ابن اسحٰق کی ''سیرۃ رسول اللہ'' سے بھی ملتا ہے۔(7) ابن اسحٰق کا تعلق پہلی صدی ہجری سے ہے۔ جب کہ فسلطین میں آرامی زبان رائج تھی اور فسلطین مملکت اسلامی میں شامل تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ نبی الخاتم کی بشارت جو حضرت عیسیٰ نے ''منحمنا'' کے نام سے دی تھی اس انجیل جو آرامی زبان مسیحؑ میں ہے کے حوالہ سے قلمبند کی۔ جس کا ذکر ابن ہشام نے بھی ابن اسحٰق کی سیرت رسول اللہ کی تہذیب میں کیا ہے جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ ''منحمنا'' کا عربی مترادف ''محمد ﷺ'' ہے۔

انجیل برنباس

اس کے علاوہ سولھویں صدی عیسوی میں ایک بہت بڑا انکشاف ہوا کہ اناجیل اربعہ کے علاوہ ایک اور انجیل بھی خود مسیحی دنیا کے عظیم روحانی پیشوا پوپ سقطس پنجم کی لائبریری میں محفوظ تھی جس کا نام ''انجیل برنباس'' ہے۔ اسی انجیل کا نسخہ 1709 سے ایمسٹرڈم کی مستند مسیحی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کے باب 39، 44، 55، 72، 97، 112، 136، 137، 220 میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اسم گرامی ''محمد رسول اللہ'' لفظاً وصراحتاً موجود ہے۔

باب 55 میں اور باب 137 میں تو مکمل طور پر صرف آپ ﷺ ہی کا ذکر ہے۔ انجیل برنباس نے عیسائی دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ان مزعومہ عقائد کی جو تعلیمات مسیحؑ کے یکسر خلاف تھے تردید کی گئی ہے۔ عیسائی علماء نے انجیل برنباس کی تردید میں پورا زور لگایا لیکن وہ عقلی دلائل سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ یہ جعلی انجیل ہے۔ ان کے اس الزام کے بارے میں کہ انجیل برنباس جعلی اور وضعی ہے انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے اس میں واضح اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے اور کسی ایسے یہودی عالم کی تصنیف ہے جو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کا متبحر عالم ہے کیونکہ اس میں تالمود کے وہ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن سے صرف ایک یہودی عالم ہی واقف ہو سکتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ انجیل عیسائی راہب فرامارینو نے لکھی ہے جسے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں پر یکساں عبور ہے لیکن اسلامی علوم کے بارے میں اس کا علم نسبتاً بہت کم ہے۔ بعض کے خیال میں یہ انجیل ہسپانوی مسلمان عالم نے قرون وسطیٰ کے آخری دور میں سپرد قلم کی ہے جو اسلامی دینیات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن عیسائی علماء کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ اگر یہ کسی مسلمان عالم دینیات کی تصنیف ہے تو پوپ گلاسیس اول کے عہد میں انجیل برنباس کا پڑھنا کس طرح ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ جب کہ اس وقت تو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کے عہد رسالت سے قبل یہ مسلمان ہسپانوی عالم کہاں سے آ گیا؟ عیسائی راہبوں کی یا یہودی عالموں کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں۔ اس لیے انجیل برنباس کو جو توحید کا علم دیتی ہے اور حضور ختم المرسلین ﷺ کی آمد کی خوشخبری سناتی ہے کسی عیسائی راہب یا یہودی عالم سے منسوب کرنا نہ قرین عقل ہے نہ قرین قیاس۔(8)

جدید تحقیقات

انجیل برنباس کے بارے میں جدید تحقیقات کتاب کی اولین اشاعت کے وقت دستیاب نہیں ہو سکی تھیں جنہیں اب شامل کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے جو ڈاکٹر حمزہ پکتاش کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر حمزہ پکتاش ترکی کے نہایت بلند پایہ محقق اور عالم اسلام کے ممتاز ماہر لسانیات ہیں۔ ترکی کی طرح عربی، جرمن، انگریزی پر انہیں کامل عبور ہے۔ اس کے علاوہ دس ایشیائی زبانوں میں بھی انہیں خاص مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے زمانہ ماقبل اسلام اور قدیم اسلامی

مخطوطات پر انقرہ ہائیڈل برگ اور کولون یونیورسٹیوں میں انتہائی اہم تحقیقاتی کام کیا ہے وہ دور مسیحؑ کی آرامی اور سریانی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں انجیل* برنباس حیرت انگیز طور پر دریافت ہوئی۔

انجیل برنباس ہمارے رسول کریم ﷺ کی رسالت اور آمد کی بشارت دیتی ہے۔ خود لفظ ''انجیل'' کی تحقیق سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ''انجیل'' یونانی زبان کا لفظ ہے۔ یونانی زبان میں اس لفظ کے لغوی معنی ''خوشخبری'' اور ''بشارت'' ہیں۔ (دائرۃ المعارف جلد 3)

انگلش آکسفورڈ ڈکشنری میں بھی کہا گیا ہے کہ لفظ انجیل (Angeelas) سے مشتق ہے جس کے معنی ''پیغام رساں'' کے ہیں۔ (انگلش آکسفورڈ ڈکشنری صفحہ 307)

انجیل برنباس کا متن

انجیل برنباس کے بارے میں ڈاکٹر حمزہ پکتاش لکھتے ہیں۔ ''انجیل برنباس کے متن کا آغاز اس جملہ سے یوں ہوتا ہے۔ ''میں قبرص کا رہنے والا برنباس ہوں۔'' پھر آرامی زبان کے کچھ الفاظ میں پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔ اس کے بعد کے جملوں میں کہا گیا ہے:۔ ''عبادت کے لائق دنیا کے مالک سے یک جان ہو کر نبی یسوع مسیحؑ سے جو کچھ سنا ہے، سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔'' اصل متن اور اس کی فوٹو کاپی میں یہ بیانات بہ آسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔'' اس اصل نسخہ میں اور اس سے قبل بھی انجیل برنباس کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے جس میں توحید اور ختم المرسلین ﷺ کی واضح اور کھلی کھلی بشارت موجود ہے۔

انجیل برنباس کے تاریخی اور تحقیقی جائزہ پر مبنی کتاب جو پاکستان کے نامور محقق جناب بشیر محمود اختر کی تصنیف ہے۔ اس کے عہد بہ عہد اہم واقعات شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہیں:۔

☆ 61ء جناب برنباس کی وفات/شہادت۔ انجیل برنباس کی تحریر 61ء میں برنباس کی وفات سے قبل۔

☆ 130ء۔200ء سینٹ آئرینوس (St. Irenaeus) کی تحریروں میں تذکرہ۔

☆ 478ء مشرقی روم کے شہنشاہ زینو کے عہد (474ء۔491ء) قبرص سے اس انجیل کی دریافت۔

☆ 492ء۔496ء پوپ جیلاشیس کے فرمان میں اس انجیل کا تذکرہ۔

☆ 1585ء۔1590ء پوپ سکٹس پنجم کے کتب خانے سے اس انجیل کی دریافت۔ فرامرینو نے اس کا اطالوی ترجمہ کیا۔

☆ 1709ء شاہ جرمنی کے ایک مشیر کریمر کو اطالوی ترجمہ ملا۔

☆ 1713ء کریمر نے شہزاد یوجین کو بطور تحفہ پیش کیا۔
☆ 1734ء جارج سیسل کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید میں اس انجیل کا پہلا باقاعدہ تعارف۔
☆ 1738ء شہزادہ یوجین کا سارا کتب خانہ امپریل لائبریری ویانا میں منتقل ہو گیا۔ (ایک ہسپانوی ترجمہ جارج سیسل کے پاس رہا۔ پھر آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر منک ہاؤس کو ملا۔ اس نے انگریزی ترجمہ کیا۔
☆ 1784ء برطانوی مصنف Godfrey Hijins نے اپنی کتاب An Apology For Muhammad میں لکھا کہ میں مسلمانوں کی طرف سے پادریوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس انجیل کا اصل نسخہ پیش کریں۔
☆ 1907ء اطالوی ترجمے سے انگریزی ترجمہ پادری لانس ڈیل اور لارا ریگ نے مکمل کیا جو آکسفورڈ سے چھپا۔
☆ 1908ء انگریزی سے ایک عربی ترجمہ ایک مصری مسیحی عالم ڈاکٹر سفارت خلیل نے کیا۔
☆ 1910ء عربی سے ایک اردو ترجمہ لاہور سے چھپا جو مولوی محمد علی انصاری نے کیا۔ عربی سے ایک فارسی ترجمہ آقائے قابلی قزلباش نے کیا جو تہران سے طبع ہوا۔
☆ 1973ء قرآن کونسل آف پاکستان کراچی نے 1907ء والے انگریزی ترجمے کا متن شائع کر دیا۔ اس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔
☆ 1974ء انگریزی سے اردو ترجمہ پروفیسر آسی ضیائی نے کیا جو لاہور سے شائع ہوا۔
☆ 1984ء ترکی سے قدیم آرامی زبان کے نسخے کی دریافت۔ جس کے کچھ حصوں کا ترجمہ ترکی زبان میں ڈاکٹر حمزہ پکتاش نے کیا۔

بالفرض انجیل برناباس یا آرامی انجیل کی مندرج بشارت محمدی کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یونانی، انگریزی اور اردو میں ترجمہ شدہ اناجیل کی پیش گوئیوں کو یہ حضرات کیسے چھپائیں گے۔ جو صبح روشن کی طرح آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دنیا کو دے رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد میں آنے والے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے لیے جو لفظ استعمال کیا تھا اس کے یونانی ترجمہ (فرقلیطس) کے جو معنی بھی لئے جائیں یعنی "تسکین بخشنے والا" "حامی" "مددگار" "نذیر" "معلم" ان سے مراد سوائے ذات رسالت مآب ﷺ کے اور کون ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ کے جتنے بھی معنی ہو سکتے ہیں ان سب کا مصداق صرف آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی

ہے تو اس میں بھی مبالغہ کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ آپ ﷺ کے اور صرف آپ ﷺ ہی کے لیے زبان روح القدس سے نکلا تھا۔ اس لیے صحف سماوی میں ایسی ہی ہستی کو"لائق تعریف" یا "محمد" کہا گیا ہے، جس کی ذات میں یہ ساری صفات موجود ہیں۔ علمائے اہل کتاب اس حقیقت سے واقف تھے کہ محمد ﷺ روحی لہ الفدا اسی خدا کے وہ سچے پیغمبر ہیں جن کی بشارت آسمانی کتب سابق میں دی گئی ہے۔ اس بارے میں قرآن کا یہ ارشاد موجود ہے جس کی صداقت پر تاریخ کے ہر دور نے گواہی دی ہے۔

"الذین اٰتینھم الکتاب یعرفونه کمایعرفون ابناء ھم" (9)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی سچائی کو ویسے ہی پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔"

عبداللہ بن سلام" مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے مستند عالم مانے جاتے تھے۔ جب پہلے پہل ان کی نظر آنحضور ﷺ فداہ ابی وامی کے چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے" خدا کی قسم یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔"

زبور میں نغمہ داؤدؑ

تورات اور انجیل کی طرح زبور میں بھی حضرت داؤدؑ نے اپنے سرمدی نغموں میں آپ ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے:-

"تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف موجزن ہے اس لیے تجھے ابد تک مبارک کیا گیا۔"

"تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ ترے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں لگ جاتے ہیں۔"

"تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔"

"تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے قائم مقام ہوں گے اور تو انہیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔"

میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔"

(زبور۔ باب پنجم)

اس تمام حسن و جمال اور جلال و کمال کا مظہر سوائے سرکار رسالت ماب ﷺ کے اور کون

ہے۔جس کی تعریف صحف سماوی نے اس طرح واضح نشاندہی سے کی ہے۔حضرت داؤدؑ کے فرزند سیدنا سلیمانؑ اپنے تخت جلال سے اپنے محبوب (فداہ ابی وامی) کو اسی طرح پکارتے ہیں۔

''میرا محبوب گندم گوں دس ہزار آدمیوں میں جھنڈے کی طرح سر بلند ہے۔وہ خوبی میں رشک سرو اور شیریں دہن ہے وہ ستودہ (محمد) یعنی تعریف کیا گیا ہے۔اے یروشلم کی بیٹیو، یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔'' (غزل الغزالات۔باب 15)

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ سرزمین مکہ میں داخل ہوکر پرچم توحید کو بلند کرنے کی سرفرازی آپ ﷺ کے سوا کس کو نصیب ہوئی تھی۔

فرمودہ سلیمانؑ

محترم استاذی حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اپنی گرانمایہ تصنیف ''نبی الخاتم'' میں فرمودہ سلیمانؑ جو عبرانی زبان میں ہے،نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''خلو محمد یم زہ دودی زہ دی۔''

''محمد ﷺ میرا مرکز محبت وایمان ہے اور میں اس کے یروشلم آنے کی بشارت دیتا ہوں۔''

عبرانی اور اس کے عربی ترجموں میں اصل نام پاک ''محمد'' ہی آیا ہے لیکن بعد میں ترجمہ کرتے ہوئے اس نام مبارک کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور اس کی بجائے ''ستودہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔لیکن حقیقت معنوی صورت میں بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہوکر رہی۔کیونکہ ستودہ کے معنی بھی ''محمد یعنی تعریف کیا گیا'' ہی ہیں۔ (10)

غیر الہامی کتابوں اور مذاہب عالم میں

آسمانی کتابوں کے علاوہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔

☆ سام وید: ''احمد نے اپنے رب کی طرف سے حکمت سے معمور شریعت کو حاصل کیا۔اس بشارت کو دیکھتے ہوئے اس آفتاب کے نور سے سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔'' (رشی دیتہ کنو، سام وید، پھاٹک 3، رشی 6، منتر 8)

☆ اتھروید: ''اے لوگو! احترام سے سنو! نراشنسہ (یعنی لوگوں میں تعریف کیا گیا) ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں میں اس امن پھیلانے والے کو ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔''

''اس مہارج رشی کو سو دینار، دس مالائیں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔'' (ترجمہ

پنڈت کھیم کرن)

تشریح: ''مہامح'' یعنی تعریف کیا گیا۔ ''عرومام'' یعنی عربی گھوڑے ہندوؤں کی ایک اور مقدس کتاب۔ ''دھرم اور تر کھنڈ'' جو (1520) قبل مسیح کی بتلائی جاتی ہے اس کا ایک منتر حسب ذیل ہے:۔

''وہ مخلوقات سے نہیں ڈرتا ہوگا بہت ہی دلاور اور صاحب فہم ہوگا اور اس کا نام ''مہامت'' ہوگا۔''

اسی طرح ہندوؤں کی ایک اور کتاب ''کلنکی پران'' میں یہ پیشین گوئی موجود ہے:۔

''آخری زمانہ میں ایک اوتار پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش شمبل دیپ میں ہوگی اور اس کے والد کا وشنو میس اور اس کی والدہ کا نام سومتی ہوگا۔''

سنسکرت میں اوتار پیغمبر کو شمبل دیپ عرب دیس کو وشنو میس خالق کے بندے یعنی عبداللہ اور سومتی امن دینے والی کو کہتے ہیں۔

زمانہ جیسے ترقی کے منزل طے کرے گا اسی طرح محمد عربی ﷺ کے بارے میں غیر مذاہب کے اہل علم کی زبان سے بھی آپ ﷺ کی رسالت کا ناقابل تردید ثبوت دنیا کے سامنے خود پیش ہوتا جائے گا۔ چنانچہ بیسویں صدی نے اپنے گزر جانے سے قبل 1997ء میں آنے والی اکیسویں صدی اور اس کے بعد بھی تمام صدیوں کے لیے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی ختم نبوت کی پیشین گوئیوں کا جن کا ہم نے پہلے اپنی اس کتاب میں اجمالاً ذکر کیا تھا اب روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے۔ یہ بھی ایک زندہ معجزہ ہے آپ ﷺ کی ابدی نبوت کا بھارت کے ایک نامور برہمن پنڈت وید پرکاش الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق کی سربرآوردہ شخصیت ہیں جو تمام ویدوں اور ہندوؤں کی دیگر مقدس کتابوں کے محقق ہونے کے علاوہ سنسکرت زبان کے ایک ممتاز عالم بھی ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں ایک تحقیقی کتاب ''کالکی اوتار'' کے نام سے شائع کی ہے۔ لائق مصنف نے قدیم ترین ویدوں کی پیشین گوئیوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق صرف اور صرف رسول عربی ﷺ ہی کی ذات گرامی پر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی جزیرۃ العرب میں ولادت باسعادت، آپ ﷺ کے اعلیٰ حسب ونسب حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نام نامی اور آپ ﷺ کے والد کے اسمائے گرامی، غار حرا میں نزول وحی کا ذکر وید مقدس میں موجود ہے جس میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ''کالکی اوتار'' (تمام عالم کے رہنما پیغمبر) ایک تیز رفتار گھوڑے (براق) پر سوار ہو کر

دنیا اور آسمانوں کی سیر کرے گا۔ آپ ﷺ کی صفات عالیہ کے بارے میں ویدوں کے حوالوں سے پنڈت موصوف یہ بھی بتلاتے ہیں کہ "کالکی اوتار" انتہائی بہادر، بہترین شہسوار، تلوار کا دھنی اور ماہر تیر انداز ہوگا۔ پنڈت وید پرکاش نے اپنی گراں قدر تصنیف کو بھارت کے آٹھ نامور پنڈتوں اور معروف مذہبی محقق کے سامنے پیش کیا۔

سب نے ان کی تحقیقات کو درست تسلیم کیا ہے۔ اپنی ان مقدس ویدوں کے حوالہ سے پنڈت وید پرکاش صاف صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ "کالکی اوتار" جزیرۃ العرب میں چودہ سو سال پہلے شمشیر و سناں کے ساتھ شہسوار اسپ دوراں بن کر نمودار ہوئے اور اس دور میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں سے باطل کو مغلوب کیا۔ موجودہ صدی چونکہ تباہ کن کیمیکل اور ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں سے مسلح ہے اور ان سے زیادہ مہلک ہتھیاروں کے ساتھ آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس لیے اب اور آنے والی کسی بھی صدی میں ویدوں کی پیشین گوئی والے "کالکی اوتار" کی آمد ممکن نہیں۔ لہٰذا وہ ہندو دھرم کے ماننے والے اپنے ہم مذہبوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسی "کالکی اوتار" پر ایمان لاکر دین اسلام قبول کرلیں جن کی بشارت وید مقدس نے جناب مسیحؑ کی آمد سے بہت پہلے دنیا کو دے دی تھی۔ وہی خاتم النبیین ہیں۔

☆ بدھ مت: بدھ مت کی کتابوں کے حوالے سے ایک بدھ راہب نے لکھا ہے کہ گوتم بدھ نے بھی حضور ختمی مرتبت ﷺ کی آمد کی خوشخبری دنیا کو دی تھی۔ گوتم بدھ 488 قبل مسیح فوت ہوئے۔ جب ان کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اس وقت ان کے پاس ان کا عزیز شاگرد نندا بیٹھا تھا۔ اس نے گوتم بدھ سے پوچھا:- "آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو تعلیم کون دے گا؟" گوتم نے جواب دیا۔ "نندا میں پہلا بدھ نہیں جو دنیا میں آیا اور نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔" نندا نے پھر پوچھا "مالک ہم اسے کس طرح پہچانیں؟" بدھ نے کہا "وہ متریا کے نام سے موسوم ہوگا۔" اور متریا کے معنی رحمت کے ہیں۔ اس طرح گوتم بدھ کی پیش گوئی کے مطابق آپ ﷺ دنیا میں "رحمت للعالمین" بن کر تشریف لائے۔ (11)

دشمنوں کی شہادت

آپ ﷺ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف نہ صرف اہل کتاب، غیر مذاہب کے پیروکار، بت پرست، کافر بلکہ آپ ﷺ کے جانی دشمن کرتے چلے آئے ہیں۔عربی کا ایک حقیقت افروز مقولہ ہے۔''الفضل ماشھدت الاعدا'' فضیلت اور برتری تو دراصل وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

سردارانِ قریش میں ابوسفیان کا شمار قبول اسلام سے قبل بدترین دشمنان رسالت مآب ﷺ میں ہوتا تھا۔شرف اسلام سے قبل یہ بزرگ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے عالمگیر مشن کو ختم کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور ان کے ترکش کا ہر زہر ناک تیر سینہ اسلام میں پیوست ہونے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے۔مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ کے اہم موقع پر ابوسفیان بیت المقدس کے نواح غزہ میں امیر قافلہ تجار کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ ان ہی دنوں رومن امپائر کا شہنشاہ قیصر جس کی سلطنت مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی ہے۔شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو شکست فاش دینے کے بعد اپنے دارالحکومت سے پورے شکوہ وجلال کے ساتھ بیت المقدس آیا ہوا ہے۔جس کا تفصیلی ذکر مشہور مؤرخ گبن کی معرکتہ الآرا تصنیف ''عروج و زوال رومن ایمپائر'' (Rise And Fall of Roman Empire) میں موجود ہے۔ایسے میں بارگاہ نبوی کے قاصد حضرت وحیہ کلبی مکتوب رسالت مآب ﷺ لے کر عظیم قیصر روم کے دربار میں پہنچتے ہیں۔قیصر نے اس سلسلہ میں استفسار کے لیے حکم دیا کہ اس کے سامنے کسی دیگر اہل عرب کو پیش کیا جائے۔چنانچہ تعمیل حکم میں ابوسفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دربار قیصر میں پیش کیے جاتے ہیں۔شہنشاہ روم اپنے پورے ہیبت وجلال حشم و خدم، امیر عساکر، عمائدین سلطنت کے ساتھ اپنے پرشکوہ دربار میں تخت شاہی پر فروکش ہے۔حکم ہوا ترجمان (Interpreter) پیش خدمت عالی ہو۔ترجمان سجدہ تعظیم بجالاتے ہوئے حاضر دربار ہوا۔اس کے بعد قیصر روم اور ابوسفیان کے درمیان ترجمان کے ذریعے جو مکالمہ ہوا اسے تاریخ نے محفوظ کرلیا۔جو حسب ذیل ہے۔

قیصر نے ابوسفیان کے ہمراہیوں کو فہمائش کرادی تھی کہ وہ اپنے سردار کے پیچھے رہیں۔اگر اس نے کسی سوال کے جواب میں جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو اشارے سے شہنشاہ کو مطلع کردیں۔

سوال: قیصر: نبوت کا خاندان کیا ہے؟

جواب: ابوسفیان: شریف ہے۔

سوال: کیا اس خاندان میں پہلے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے یا بادشاہت کی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

☆ قیصر: اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی اثرات کا نتیجہ ہے یا ہوس حکمرانی ہے کہ باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سوال: اس کے پیروان مذہب صاحب اثر لوگ ہیں یا کمزور؟

جواب: کمزور لوگ ہیں۔

☆ قیصر: پیغمبروں کے پیرو ابتدا میں کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔

سوال: اچھا یہ بتلاؤ کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟

جواب: ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

☆ قیصر: یہی ایمان کی نشانی ہے۔

سوال: کیا ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس دین کو ترک کر چکے ہیں؟

جواب: نہیں۔

☆ قیصر: ایمان تو یہی ہے کہ وہ ایک بار دل میں اتر جائے تو نشاط روح بن جاتا ہے۔

سوال: اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کیا تم نے کبھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟

جواب: نہیں! کبھی نہیں۔

سوال: کیا وہ کبھی اپنے قول وقرار سے پھرا ہے؟

جواب: ابھی تک تو نہیں لیکن اس مرتبہ اس سے جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں اس سے وہ پھرتا ہے یا نہیں۔

☆ قیصر: پیغمبر عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔

سوال: اس کے ساتھ کبھی تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے؟

جواب: حضور کئی بار ہو چکی ہے۔

سوال: پھر اس کا نتیجہ کیا رہا؟

جواب: کبھی ہم کامیاب ہوئے اور کبھی وہ۔

سوال: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

جواب: وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ باپ دادا کے طور طریق چھوڑ دو اور کہتا ہے کہ نماز قائم کرو، سچ بولو، پاک دامنی اختیار کرو اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

☆ قیصر: جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے تو دیکھ لینا ایک دن وہ ضرور اس جگہ کا مالک ہوگا جو اس وقت میرے زیر قدم ہے۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ عنقریب ایک پیغمبر کا ظہور ہوگا۔ لیکن مجھے گمان نہ تھا کہ وہ اہل عرب سے ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد اس نے حضرت دحیہ کلبیؓ سے کہا کہ مکتوب رسالت سنایا جائے۔ (12)

ابوجہل کا ہدیہ نعت

حضور ختمی مرتبت ﷺ کے انقلابی اعلان نبوت کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا عرب ہی آپ ﷺ ہو گیا ہے۔ ابوسفیان کی طرح ابوجہل بھی اپنی اور قبائل عرب اور اپنے حمایتیوں کی پوری طاقت کے ساتھ آپ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔ لیکن اسے بھی آپ ﷺ کی تکذیب کی جرأت نہ ہوسکی۔ وہ یہی کہتا تھا "تمہاری سچائی سے مجھے انکار نہیں لیکن ہمارے خداؤں سے بغاوت کا جو اعلان تم نے کیا ہے میں اسے نہیں مانتا۔" اس لیے اسلام قبول کرنے سے وہ معذور رہا۔ حضور ﷺ کے مساوات انسانی کے انقلابی مشن سے اس کی قبائلی برتری ختم ہو رہی تھی اس لیے وہ ان اعلیٰ اقدارِ حیات کے خلاف اپنے معبود ہُبل اور روح کائنات سے فریاد کر رہا ہے کہ وہ اس باغی سے انتقام لیں۔ ابوجہل کی اس فریاد کو علامہ اقبال کے ملکوتی تخیل نے ہدیۂ نعت رسول مقبول ﷺ میں تبدیل کر دیا ایسی بلند پایہ نعت کی مثال اردو اور فارسی میں کہیں نہیں ملتی:۔ نعت رسول ﷺ بزبان ابوجہل

باز گو اے سنگ اسودِ باز گو	آنچہ دیدیم از محمد باز گو
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود	نوجوانان راز دست ما ربود
تا بساط دین آباد در نورد	با خداوندان مارا کرد آنچہ کرد
مذہب او قاطع ملک و نسب	از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست	با غلام خویش بر یک خواں نشست
احمران با آسوداں آمیختند	آبروئے دود مانے ریختند
اعجمی را اصل عدنانی کجا است	گنگ را گفتار سبحانی کجا است

چشم خاصان عرب را گر دیدہ کور
برنبائی اے زہیر از خاک گور

اے تو مارا اندریں صحرا دلیل
بشکن افسون نوائے جبریل

اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر
خانہ خود را ز بے کیشاں بگیر

پاش پاش از ضربتش لات و منات
انتقام از وے بگیرائے کائنات

اس نعت کا آزاد ترجمہ کچھ اس طرح ہوا ہے۔ چہ کند بے نوا ہمیں دارد

بول! اے سنگِ اسود بول!
کچھ دیر تو اپنی آنکھیں کھول
دیکھ ذرا رفتارِ محمد
سن بھی ذرا گفتارِ محمد
اس نے پھونکا صورِ بغاوت
ہو گی قیصر و کسریٰ کی ہلاکت
نوجواں ہم سے چھوٹ گئے
لات وہبل بھی روٹھ گئے
دین آباء ملیامیٹ ہوا
اس کا مذہب اَلْعجب! ثُمَّ اَلْعجب!
نہ حسب کا نسب کا خیالِ بلند
نہ عرب و عجم میں فرق کچھ رہا
ادنیٰ و اعلیٰ، غلام اور آقا
اور سرخ و سفید و سیاہ
سب کو اس نے برابر کیا
خادمانِ عجم، حاکمانِ عرب
ہم پیالہ ہوئے، ہم نوالہ ہوئے
خاصانِ عرب بھی اندھے ہوئے
انتقام و انتقام اے کائنات

ابوجہل دراصل اپنے دور جاہلیت کا نمائندہ شخص ہے۔ وہ حسب نسب، رنگ ونسل، ملک و قوم، مال ومنال، کلچر اور زبان کی بنیاد پر انسان کو ادنیٰ و اعلیٰ، کمتر اور برتر قرار دے کر ان میں فرق و

امتیاز پیدا کرتا ہے۔ تا کہ استحصالی قوت زندہ رہے۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے آ کر ان امتیازات کو مٹا دیا۔ معلم انسانیت ﷺ کی تعلیمات کی روشنی جب اندلس اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعہ یورپ پہنچی تو وہاں کے مفکرین نے بھی ان غیر انسانی امتیازات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کے نتیجہ میں میگنا کارٹا، ژاں ژاک روسو کا معاہدہ عمرانی (Socio Contract) امریکہ کا دستور آزادی معرض وجود میں آئے۔ آخر کار اس دور جاہلیت جدید میں ان فتنوں نے دوبارہ سر اٹھایا تو عالمی ضمیر نے محسوس کیا کہ دنیا میں امن وسلامتی اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ یہ مصنوعی امتیازات ختم نہیں ہو جاتے۔ اس لیے سال 1948ء میں اقوام متحدہ نے بھی ان ہی اصولوں میں سے چند اصولوں کو اپنا منشور بنالیا جو سرور عالم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کی صدائے بازگشت ہے۔ ماضی سے قطع نظر اس صدی کے تجربات نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ سوائے خلافت راشدہ اور اسلام کے قائم کردہ اصولوں کے، اقوام عالم اور اس عالمی ادارے نے اپنے بلند و بانگ دعوؤں کے باوجود ان بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری نہیں کی، جسے انہوں نے اپنی تہذیب و تمدن اور چارٹر کا لازمی حصہ ظاہر کیا ہوا ہے، جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال قبل دنیا کو عطا کیے تھے جو حقوق انسانی کا سب سے پہلا چارٹر ہے۔

یورپ کی عظیم شخصیتوں کا ہدیہ حمد وستائش

آپ ﷺ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف صرف عرب تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ ساری دنیا کے وہ تمام عظیم دانشور اور مفکر جو پیروان دین اسلام نہیں وہ بھی محمد ﷺ سرور عالم ﷺ کی عظمت ورفعت کے برملا اعتراف اور آپ ﷺ کی حمد وستائش پر مجبور ہیں۔

کارلائل

تھامس کارلائل پیرو مسیح ہونے کے باوجود اپنی شاہ کار تصنیف جو شہرت اور بقائے دوام پانے والے مشاہیر کے بارے میں (Heroes And Hero Worship) کے نام سے مشہور ہے حضور اکرم ﷺ کو ایک عظیم ترین یگانہ روزگار ہستی اور پیغمبروں کے ہیرو کی صورت میں جلوہ گر دیکھتا ہے اور آپ ﷺ کی بارگاہ قدس میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''اور ایک شعلہ نور نمودار ہوا اور وہ بھی ایک ایسی بنجر سرزمین میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر انسانی آزادی کے پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ لیکن ایسی سرزمین کے ذرہ ریگ کو آپ ﷺ نے طلوع آفتاب دیا جس سے مشرق ومغرب ہی نہیں آسمانوں میں افق تا افق

روشنی پھیلتی چلی گئی۔ میں محمد ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ کے مزاج میں نام ونمود اور ریا کا شائبہ تک نہ تھا۔ ان پاکیزہ صفات کی وجہ سے ہم ان کی بارگاہ عالی میں ہدیہ خلوص وتہنیت پیش کرتے ہیں۔"

نپولین

یورپ کا عظیم ترین جنرل اور فرانس کا مطلق العنان حکمران نپولین بھی یہ اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ محمد ﷺ ہی دراصل دنیا کے سردار ہیں جن کے بارے میں جناب مسیحؑ نے (جن کا خود نپولین پیروکار ہے) دنیا کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ میرے بعد وہ دونوں جہانوں کا سردار آتا ہے۔

والٹیر

فرانس کا عظیم اور منفرد صاحب طرز طناز اور حقوق انسانی کا علم بردار ادیب اور فلسفی آپ ﷺ ک یبارے میں اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے:-

"محمد سے بڑا انسان، انسانیت نواز دنیا کبھی پیدا نہ کر سکے گی۔"

ژاں ژاک روسو

جس کی معرکۃ الآرا تصنیف میثاق عمرانی (Socio Contract) کو انقلاب فرانس کی انجیل سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے بارے میں لکھتا ہے۔

"آپ ﷺ ایک روشن دماغ اور بلند مرتبت سیاسی بصیرت رکھنے والے انسان تھے اور جو سیاسی نظام آپ ﷺ نے دنیا کو دیا ہے وہ نہایت عظیم الشان ہے۔"

برنارڈ شا

برنارڈ شا جیسے عالمی شہرت یافتہ خود پرست وخودنگر اہل قلم نے جس کے مقام ومرتبہ سے کون واقف نہیں، برطانیہ جیسی جمہوریت پسند سرزمین سے یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر پیغمبر اسلام کو آج کی دنیا کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو ساری دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

ایچ۔جی۔ویلز

ایچ۔جی۔ویلز جسے پیغمبر سائنس کہا جاتا ہے اپنی گراں قدر تصنیف (Out Line of History) میں آپ ﷺ کی صداقت اور سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ قریب سے جانتے تھے وہی سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ نے آ کر دنیا میں ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس میں ظلم اور سفا کی پیوند خاک ہوئے۔

یہی ایچ جی ویلز اپنی ایک اور تاریخی تصنیف History of the World میں مذہبی عصبیت کے باوجود آپ ﷺ کے مقام بلند کی تاریخی حقیقت سے انکار نہ کرسکا۔ چنانچہ خطبہ حجتہ الوداع کے حوالہ سے لکھتا ہے:

''پیغمبر اسلام (ﷺ) نے مسلمانوں میں قتل وغارت اور خانہ جنگیوں کا خاتمہ کردیا۔ حبشی مومن کو خلیفہ وقت کا بھائی بنادیا دنیا میں عدل وانصاف کی روایات قائم کردیں ان کے الفاظ خلق و احسان کی روح سے معمور ہیں۔ فطرت انسانی کے مطابق اور قابل عمل ہیں۔ انہوں نے ایک ایسا ظلم وجور سے پاک نظام معاشرت قائم کیا جو اس دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔''

ملاحظہ ہو ''ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش'' از خالدہ ادیب خانم مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی طبع اول ص ۱۶، جولائی ۱۹۳۵

روس کے کونٹ ٹالسٹائی نے، جو ''جنگ اور امن'' (War And Peace) جیسی مایہ ناز کتاب کا مصنف ہے، آپ ﷺ سے اظہار عقیدت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''آپ ﷺ امت کو نور حق کی طرف لے گئے اور اسے اس قابل بنادیا کہ وہ امن وسلامتی کی دلدادہ ہوجائے۔ زہد وپاکیزگی کی زندگی کو اپنائے۔ آپ ﷺ نے آکر انسانی خونریزی بند کی اور دنیا میں حقیقی ترقی اور تمدن کی راہیں کھول دیں۔ ایسے محیر العقول کارنامے صرف ایسی ہی ہستی انجام دے سکتی ہے جس کے ساتھ کوئی پوشیدہ طاقت کام کررہی ہو اور بلاشبہ ایسی ہی ہستی عظمت واحترام کی مستحق ہے۔''

گوئٹے

جرمنی کے مایہ ناز فلسفی شاعر گویٹے نے آنحضور ﷺ کی بارگاہ قدس میں ''نغمہ محمد'' کے عنوان سے آپ ﷺ کے ہمہ گیر انقلاب آفریں اور جاوداں پیغام زندگی کے بارے میں جو نظم کہی ہے اس کا گوئٹے ہی کے رمز شناس ہم پایہ شاعر علامہ اقبالؒ نے ''پیام مشرق'' میں آزاد ترجمہ کیا ہے۔ جس کے چند بند نذر قارئین ہیں:۔

دریائے پر خروش زبند و شکن گذشت
از تنگ نائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت

در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بے کراں چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

ان اشعار کا کیج مج زبان میں ترجمہ:

اب یہ ندی، ندی نہیں رہی
بلکہ دریائے پرخروش بن کر سارے بند توڑ چکی
اب یہ تنگ راستوں کو پیچھے چھوڑ چکی
شاہی محل اور غریبوں کے گھر
امیروں کے باغ اور دہقاں کے کھیت
ہر نیا زمانہ اس میں نئی زندگی کی نوید
سب اسی کے مرہون منت ہوئے
دریائے تند و تیز و جگر سوز بے قرار
خود ہے یگانہ اور سب سے جدا
"بحر بے کراں کی طرف چلی
بے قرار اور مستانہ وار

کارلائل اسی گوئٹے کے حوالے سے نبی امی علیہ السلام کی تعلیمات کے بارے میں لکھتا ہے:-

"اسلام کا مطلب راضی بہ رضائے الٰہی رہنا، یہ سمجھنا کہ ہماری قوت اسی کی کامل اطاعت میں مضمر ہے۔ وہ ہماری دنیا اور آخرت کے لیے جو چاہے کرے جو کچھ ہمارے لیے بھیجے خواہ وہ موت یا موت سے بھی کرب انگیز کوئی اور چیز ہو، وہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ ہم اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتے ہیں اگر اسی کا نام اسلام ہے تو کیا ہم سب مسلمان نہیں؟" (13)

مسز اینی بیسنٹ

"جو شخص کسی ایسے ملک میں پیدا ہوا جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ جس کا ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جن کے ناگفتہ بہ حالات کا میں نے نقشہ کھینچا ہے اور جس نے ان کو مہذب ترین بنا دیا، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خدا کا رسول نہ ہو۔" (14)

ایس مارگولیوتھ

''پیغمبر اسلام ﷺ کی دردمندی کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جانوروں پر ظلم وستم کرنے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔''

ڈاکٹر لین پول

''اگر محمد ﷺ سچے نبی نہ تھے تو کوئی نبی دنیا میں برحق آیا ہی نہیں۔'' (15)

مائیکل۔ایچ۔ہارٹ

اب ہم آخر میں امریکہ کے معروف اور ممتاز مصنف مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ کی مشہور زمانہ کتاب "The 100: A Ranking of the most influencial persons in History (سو بلند ترین ہستیاں جنہوں نے تاریخ میں موثر کردار ادا کیا) جو دور حاضر کی تازہ ترین تصنیف ہے، کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں، جس میں اس قابل قدر کتاب کے لائق اور فاضل مصنف نے دنیا کی ان تمام منتخب روزگار شخصیتوں میں پیغمبر اسلام (علیہ الصلوۃ والسلام) کو دنیا کا عظیم ترین انسان قرار دیتے ہوئے ان سب میں آپ ﷺ کو سرفہرست رکھا ہے اور جناب یسوع مسیحؑ کو جن کا وہ خود پیروکار ہے، تیسرے نمبر پر رکھتے ہوئے اس کی توجیہہ اس طرح کی ہے:-

''محمد (ﷺ) کو دنیا کے عظیم انسانوں میں سرفہرست رکھنے سے بعض قارئین کو یقیناً حیرت ہوگی اور بعض بلاشبہ ایسے بھی ہوں گے جنہیں اعتراض ہو گا لیکن عالمی تاریخ میں صرف محمد ﷺ ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جو دینی اور دنیوی لحاظ سے کامیابی اور کامیابی کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔''

برصغیر ہند کے غیر مسلم مشاہیر کا خراج عقیدت

ہز ہائی نس مہاراجہ نرسنگھ گڑھ

''حضرت محمد ﷺ کی زندگی سراپا عمل اور ایثار کا مرقع ہے۔ آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں دنیا کی اصلاح فرمائی اور اپنی ان تھک کوششوں سے اسے جگمگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نام ساری دنیا میں روشن اور تاباں ہے۔'' (16)

رائے بہادر پنڈت متھن لال صدر آریہ سماج

''حضرت محمد ﷺ نے جس وقت خدائے تعالیٰ ایک ہے کی پکار بلند کی تو اس وقت

ہندوستان، ایران، عرب وعجم میں بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ بلکہ خدا کی ہستی سے لوگ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مادہ ہی مادہ ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے حضرت کو فرمایا کہ ثابت کردو کہ خدائے تعالیٰ واقعی موجود ہے۔'' (17)

فاضل چیلونکر سیکرٹری ہندو مہا سبھا

''پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت ایک ایسے آفتاب عالم تاب کا ظہور تھا جس کی ضوفگن شعاعوں نے تاریکیوں اور ظلمت کو چشم زدن میں ختم کیا اور کائنات کو منور کر دیا۔ رسول عربی ﷺ نے سب سے پہلے توحید کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی۔''(18)

مانگ تو تنگ پیشوائے اعظم بدھ مت

''حضرت محمد ﷺ کا ظہور بنی نوع انسان پر خدا کی رحمت تھا۔ لوگ کتنا ہی انکار کریں مگر آپ ﷺ کی عظیم اصلاحات سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ ہم بدھ مت کے پیروکار حضرت محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔''(19)

شری متی کملا دیوی

''اے عرب کے مہاپرش (عظیم پیغمبر) آپ مہامندر من موہن (بے انتہا حسین اور میرے دل کے محبوب) ہیں۔ جن کی سکشا (ہدایت) سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی (خدا پرستی) کا دھیان پیدا ہوا۔ یہ آپ ﷺ ہی کی کرپا تھی کہ عرب دیش کے ظالم ڈاکو اعلیٰ درجے کے مہنت اور سادھو بن گئے۔ اے مہا سندر رشی بہت ہی خوبصورت نبی) میں آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ ﷺ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچالیا، اس کو اس کے حق دلائے، بولو شری محمد کی جے۔''(20)

ہند کے ماہر تعلیم مسٹر بی ایس کشاپہ

''مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ بلاشبہ محمد ﷺ ایک سچے پیغمبر تھے۔ اس سچے محمد ﷺ کے بارے میں اس سے پہلے میرے دل میں جس قدر بدگمانیاں تھیں، میں روح محمد ﷺ سے اس کی معافی چاہتا ہوں اور مبالغہ اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے کریکٹر پر ایک دھبہ بھی لگائے۔'' (2)

پروفیسر رگھو پتی سہائے فراق

''میں حضرت محمد ﷺ پیغمبر اسلام کی بعثت کو ان کی شخصیت اور ان کے کارنامہ ہائے زندگی کو تاریخ کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں۔'' (22)

فراق ہی کا ایک شعر ہے جو اس کی عقیدت کا مظہر ہے۔

معلوم ہے کچھ تم کو محمد ﷺ کا مقام
وہ امت اسلام محدود نہیں

پنڈت امرناتھ زتشی دیال

''سیرت نبوی ﷺ کو بغور دیکھنے سے یہ بات بہ آسانی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک ہر حال میں آنحضرت ﷺ کو تائید غیبی حاصل رہی ہے جو لازمہ نبوت ہے۔'' (23)

بھگت راؤ سینئر ایڈووکیٹ

''شری رام چندر جی، بھگوان شری کرشن جی، گورونانک دیو جی، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ یہ سب روحانی بادشاہ تھے اور میں کہتا ہوں ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے جس کا مقدس نام محمد ﷺ ہے۔ جس کے معنی ہی ''مہما'' تعریف کیا گیا ہے اور جس کی پوتر لائف کے متعلق بہت کچھ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک ریفارمر نے آ کر دنیا میں بہت کچھ کیا مگر حضرت محمد ﷺ نے دنیا پر اس قدر احسانات کیے ہیں، جن کی مثال نہیں مل سکتی۔'' (25)

راج پال

رسوائے زمانہ آریہ لیڈر اپنی زہرناکیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور تھا۔

''محمد ﷺ کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ ساجیوں کو ماننا ہوگا کہ محمد ﷺ نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا۔ وہ برہمچاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں۔ معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس کی اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں۔ اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کیا۔ یہ بات محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔''(27)

گاندھی جی

ہندوستان کے چوٹی کے ہندو رہنما گاندھی جی کا پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ تھا، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔

''جب مغرب جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا تو آسمان مشرق

سے ایک درخشاں اور روشن ستارہ طلوع ہوا جس نے ساری مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی بلاشبہ آپ ﷺ ساری دنیا کے روحانی پیشوا تھے اور آپ ﷺ ہی کی تعلیمات کو میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا ایسا جامع اور مانع پیغام اس کے بندوں تک نہیں پہنچایا جو آپ ﷺ نے آ کر پہنچایا ہے۔" (28)

ریورینڈ جارج

عیسائیوں کے مذہبی پیشوا بائبل کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی شان میں بڑی بات بائبل مقدس میں لکھی ہوئی ہے کہ اس قوم کی بزرگی ہے جس میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوں گے۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل سے حضرت یسوع مسیحؑ پیدا ہوئے۔" (29)

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا

جو یہودی اور عیسائی مصنفین و مفکرین کی عرق ریزی اور برس ہا برس کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے اس میں بھی غیر شعوری تعصب کے باوصف پیغمبر اسلام ﷺ ہی کو دنیا کے تمام پیغمبروں میں کامیاب ترین پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے۔

دی آکسفورڈ ڈکشنری آف انگلش (The Oxford Dictionary of English) اور انگریزی کی تمام ڈکشنریوں میں (The Prophet) "النبی" کے معنی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ کسی اور پیغمبر کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔

اگر دنیا کے غیر مسلم رہنماؤں، مفکروں، دانشوروں کے آپ ﷺ کے بارے میں افکار اور تذکار کو جنہیں تاریخ کے ہر دور نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جمع کر لیا جائے تو وہ سب آپ ﷺ کے پرتو عظمت کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہو گی۔ ہم نے یہ چند اقتباسات اس لیے پیش کیے ہیں کہ آپ ﷺ کے انتہائی فضل و کمال اور بلند ترین سیرت و کردار کی تعریف کے علاوہ آپ ﷺ کے اسم مبارک "محمد ﷺ" اور "احمد ﷺ" کی معنوی تصدیق موجود تاریخ کی روشنی میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد سے آج تک ہر زمانہ میں صرف آپ ﷺ کے ماننے والوں ہی نے نہیں بلکہ اغیار اور آپ ﷺ کے دشمنوں تک نے کی ہے اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عظمت وشان رسالت ﷺ

ثنا خوان پیغمبر ﷺ شاعر شیریں سخن جناب جامیؒ نے جب یہ مصرعۂ گہر بار ''ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ'' رقم کیا تھا، اس وقت ان کے پیش نظر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ حسن کلام یقیناً موجود ہوگا جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا: ''کـــان خــلــقــه الـقـرآن'' آپ ﷺ کا حسن خلق ہی سراپا قرآن ہے جس کا ایک ایک حرف اس کی صداقت پر شب و روز گواہی دیتا چلا آ رہا ہے۔ دراصل یہی وہ آئینہ ہے جس میں آپ ﷺ کی ہمہ جہت، ابدی اور عالم گیر شخصیت اپنے پورے آب و تاب اور جمال و جلال کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپ کی فضیلت و مرتبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ خود کلام الٰہی آپ ﷺ کی ذات گرامی پر اتارا گیا جبکہ جناب موسیٰ علیہ السلام جو خود بھی صاحب کتاب و صاحب شریعت پیغمبر ہیں اور جن کی جلالت شان کا انبیائے بنی اسرائیل میں اور کوئی پیغمبر نظر نہیں آتا، انہیں بھی الواح ربانی حاصل کرنے کے لیے وادی سینا سے گزر کر کوہ طور کی چوٹیوں پر جانا پڑا لیکن حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان اور مقام ہی کچھ اور ہے۔ اگر آپ ﷺ شبستان حرا میں خلوت گزیں ہیں تو جبریل امین کلام الٰہی لے کر وہیں اتر رہے ہیں۔ آپ ﷺ سرزمین مکہ میں ہوں یا سواد مدینہ میں، قرآن مہبط وحی ﷺ تک خود وہیں پہنچ رہا ہے۔ اور آپ ﷺ کے ایک ایک لفظ اور آپ کے ہر ہر عمل کی تصدیق کرتا جا رہا ہے اور لاریب آج بھی لکھ رہا ہے:

وما ينطق عن الهوى O ان هو الا وحي يوحى O (سورہ النجم 3-4)

وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے، یہ تو ایک وحی ہے جو آپ ﷺ پر نازل کی جاتی ہے۔

ومارميت اذ رميت ولكن الله رمى (سورالانفال 17)

اور تم نے نہیں (مٹھی بھر ریت) ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف) پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اور پیغمبر کا ہاتھ دراصل ہمارا ہی دست قدرت ہے، جس کو مولانائے روم اور علامہ اقبال نے زبان شعر میں یوں کہا ہے

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (رومیؒ)

اور

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کارساز

(اقبالؒ)

ارتفاعِ ذکر

ہم یہاں ان ہی آیات قرآن کو پیش کریں گے جن کا تعلق براہ راست حضور رسالت مآب ﷺ کی شان عظمت وجلال اور آپ ﷺ کے علو مرتبت اور آپ ﷺ کے ادب واحترام سے ہے۔

سورۃ الم نشرح میں آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"**ورفعنا لک ذکرک**" "اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے آوازۂ ذکر کو بلند کیا۔" اور یہ ذکر اتنا بلند ہوا کہ کون ومکان کی ساری رفعتیں اس کے سامنے پست ہو کر رہ گئیں۔ارض وسمٰوات میں اسی ذکر کا غلغلہ بلند ہوا۔فرش زمین سے بلند ہو کر عرش بریں اور عرش معلٰی تک پہنچ گیا۔لوح وقلم اسی ذکر کے لیے وقف کر دیے گئے۔مقام محمود"**عسی ان یبعثک ربک مقاما محمود**ا" "احمد" و"محمد" علیہ الصلوۃ والسلام کی شان رفعت کا مظہر ٹھہرا۔یہ رتبہ بلند کل کائنات میں سوائے آپ ﷺ کے نہ کسی اور کو نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔آپ کی رفعت ذکر کے بارے میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے اور فرمایا:"میرا اور آپ ﷺ کا رب پوچھتا ہے کہ اس نے کس طرح آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا۔" حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا "یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" اس پر جبریلؑ نے کہا، باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:"جب میرا ذکر کیا جائے گا تو اس کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی ذکر ہو گا۔" اس روشن حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس کلمہ گیتی نورد "لا الہ" کی تکمیل ہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ "اسم محمد ﷺ" اس میں شامل نہ ہو۔زبان ومکان کا وہ کون سا ایسا گوشہ، وہ کون سی ایسی ساعت اور وہ کون سا ایسا لمحہ ہے جو ذکر حضور ﷺ سے خالی ہے۔اس عالم شش جہات کے گوشہ گوشہ میں گردش زمین کے ساتھ ساتھ ہر بانگ اذاں میں آپ ﷺ کا نام نامی بلند ہو رہا ہے۔کوئی نماز آپ ﷺ پر سلام اور درود بھیجے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ایک مسلمان کی پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے ساتھ آپ ﷺ کی رسالت کی صدائے دل نواز بھی بانگ تکبیر کے ساتھ بلند ہو کر اس کے کانوں میں گونجتی اور اس کے دل ودماغ، رگ وپے اور اس کے شعور اور لاشعور میں اتر جاتی ہے اس لیے مسلمان دنیا کے کسی خطہ میں، مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب غرض کہ جہاں کہیں بھی اور جس جگہ بھی ہوں آپ ﷺ کا کلمہ پڑھتے اور آپ ﷺ پر ہی درود وسلام بھیجتے ہیں۔

یہ کائنات دہر کیا اور اس کی بساط ہی کیا ہے۔سارے عالم لاہوت وملکوت اور فلک الافلاک

بھی ذکر حبیب ﷺ میں مشغول ہیں۔خود خالق کائنات اور اس کے تمام ملائکہ مقربین آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں۔سورۃ احزاب میں فرمایا:

ان اللہ و ملئکۃ یصلون علی النبی. یاایھا الذین امنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔"(سورہ احزاب:31)

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت اور سلام بھیجتے ہیں۔

اے اہل ایمان تم بھی ان پر درود وسلام (کی سوغات) بھیجو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے انسان کمال کی اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس کا ادراک بھی ذہن انسانی پوری طرح نہیں کرسکتا۔انسان دائرہ بشریت سے آگے بڑھ کر نہ صرف ملائکہ کے دائرہ نور میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بلند تر ہو کر منتہائے کمال یعنی الوہیت اور حظیرۃ قدس کے اس دائرہ عمل میں اسے شرف باریابی حاصل ہوتا ہے جہاں سے سلام وصلوٰۃ اور انوار رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔اس طرح انسان نہ صرف ملائکہ مقربین اور روح الامین کا ہم زبان ہو جاتا ہے بلکہ اسے ذات حق کے ترجمان ہونے کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔یہاں یہ نکتہ بھی لائق توجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وسلام کے لیے خالق کائنات نے اپنا اسم ذات استعمال کیا ہے،جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس کا تعلق جلوہ گہ صفات سے بلند ہو کر براہِ راست حریم ذات سے ہے۔

معراجِ نبوت

نبوت بشریت کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور جب نبوت اپنے نقطہ عروج و کمال پر پہنچ جائے تو پھر یہ ذات مصطفوی ﷺ میں جلوہ گر ہوتی ہے، جس میں زمان و مکان اور لامکاں کی ساری وسعتیں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام معراج نبوت ہے جس کے زیر قدم سدرۃ المنتھی ہے، جہاں پر سارے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور جہاں شب اسریٰ کے مہمان گرامی نے جمال الوہیت کو بے نقاب دیکھا، وہاں آپ ﷺ کو حق سبحانہ تعالیٰ سے براہ راست شرف ہم کلامی حاصل ہوا۔ اس ذکر جمیل کو سورۃ النجم کی آیات اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں۔

یہ وہ شرف ہے جو کسی اور پیغمبر کو نصیب نہ ہوا۔ جناب موسیٰ جیسے بلند مقام پیغمبر بھی جلوۂ صفات تک کی تاب نہ لا سکے۔ اس حقیقت کو ملا جمالی نے زبان شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

یہ صاحب قاب قوسین ہی کا ظرف بے کراں ہے کہ تمام کائنات ارض و سما اور سارے عالم خلق و امر کے اسرار و رموز اور حقائق پنہاں کو بے حجاب دیکھتے ہوئے مقام کبریا تک پہنچ کر اس کی ساری فیوض و برکات کو اپنی ذات اور اپنے گھرانے تک محدود کرنے کی بجائے ان فیض بخشیوں کو سارے عالم بشریت کے گھر گھر پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے پھر اسی عالم آب و خاک میں مراجعت فرمائی۔ جس کی بدولت حیات و کائنات کی تقدیر بدل گئی اور انسانوں کو نہ صرف حیات و کائنات اور حریم ذات کے باہمی ربط و تعلق کا شعور نصیب ہوا بلکہ اس پر عروج و ارتقا کے در باز ہو گئے۔ تخلیق و تسخیر اور تصرف کائنات کے اختیارات سے ابن آدم سرفراز ہوا۔ اس لیے وہی ہستی جس کی بدولت انسان کو یہ سارے انعام و اکرام نصیب ہوئے، ہر فرد بشر کے عزت و تکریم کی سزاوار ہو سکتی تھی۔ اسی لیے تاجدار نبوت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراً ٥ لتومنوا باللہ و
رسولہ و تعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ و اصیلاً

(سورۃ الفتح آیت 9,8)

"اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد و بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے تا کہ اے لوگو

تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و
شام اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہو۔"

آپ ﷺ کی شان رسالت میں تنذیر و تبشیر کو اس لیے یک جا کر دیا گیا کہ دونوں کی اصل ایسی شفقت و رحمت ہے جو ساری انسانیت کے دامن مراد کو ایمان کی دولت لازوال سے بھرنے کے لیے مضطرب اور بے قرار ہے اور جو ایمان لے آئیں ان کے لیے پیغمبر کا وجود سراپا رحمت و رافت ہے۔ اسی لیے فرمایا:

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص
علیکم بالمومنین رء وف رحیمo سورہ توبہ ۹:۱۲۸

"تمہارے پاس اللہ کا رسول ﷺ آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے اور مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔"

آداب دربار رسالت

وہ ہستی جو ساری انسانیت کے لیے واجب الاحترام ہے اس کے ادب و احترام، گفتگو اور تخاطب کے آداب بھی قرآن مجید نے اہل ایمان کو سکھلائے ہیں جو تا ابد دربار رسالت میں قائم و دائم رہیں گے۔ آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی تو صریحاً کفر ہے لیکن آپ ﷺ کی شان میں کسی قسم کے سوء ادبی بھی غارت گر اعمال اور اعلانِ کفر ہے۔

یاایها الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون ٥

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ. لهم مغفرة واجر عظیم٥

(سورۃ الحجرات، آیت 2، 3)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول کریم ﷺ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔“

اس سے قبل یہ ارشاد فرمایا:

یاایها الذین امنو لا تقدموا بین یدی الله و رسوله و اتقوا الله ان الله سمیع علیم ٥

(الحجرات، آیت:1)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“

سورۃ الحجرات کا آغاز ہی اہل ایمان کو آداب دربار رسالت کی تعلیم دیتا ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو واضح طور پر یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دل و جان سے اپنا رہنما بنا کر ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اہل ایمان کو اطاعت رسول ﷺ کا پابند کر دیا اور اطاعت رسول ﷺ کو اطاعت الٰہی قرار دیا۔ اطاعت رسول ﷺ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہر ہر قدم پر آپ ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ وگرنہ آپ ﷺ کی جناب میں کسی قسم کی بے ادبی بارگاہ الوہیت میں بے ادبی تصور ہوگی۔ جب کسی مسلمان سے ادب واحترام رسول ﷺ ختم ہو جائے تو اس کے بعد نہ اس کا ایمان باقی رہیگا اور نہ ہی اس کا عمل۔ اس طرح اس کے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے اور وہ سرحد کفر میں داخل ہو جائے گا۔

سورۃ الحجرات کی یہ آیات اہل ایمان کو دربار نبوت میں نرم دم گفتگو ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ وعید بھی سنا رہی ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ سے ارتفاع صوت اور بلند کلامی کا انجام کار "حبوط اعمال" ہے، جو کفر اور شرک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ کفر اور شرک دراصل نتیجہ ہیں حبوط اعمال کا۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ و ھو فی الاخرۃ من الخاسرین. (المائدہ:5)

"اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہوگا۔"

ولو اشر کو لحبط عنھم ما کانو یعملون. (الانعام۶:۸۸)

"لیکن اگر ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔"

ان کے علاوہ متعدد آیات اور بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفر کی سزا سے اگر کوئی دنیا میں بچ بھی جائے تو آخری عدالت الٰہی میں اسے پوری پوری سزا مل کر رہے گی اور شرک تو خدا کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب ﷺ میں تیز اور بلند آواز سے گفتگو غیر شعوری طور پر بھی بے ادبی ہے جو غارت گر اعمال ہونے کے سبب کفر اور شرک ہے۔

اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "الصارم المسلول" جو شاتم رسول پر فی الواقع چمکتی ہوئی تلوار ہے، میں اسی آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''جب ایسی تکلیف واستخفاف جو بلا قصد ہونے کے باوجود سوء ادب اور کفر میں داخل ہے تو پھر جو استخفاف اور تکلیف جو عمداً اور بالقصد کی جائے تو اس کے صریحاً کفر ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے یہ تو بطریق اولی کفر شمار ہوگا۔(32)

اسی آیت ''لا ترفعوا اصواتکم ......'' کی تفہیم کرتے ہوئے ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الجامع الاحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی بلند آواز نہیں جس کا مقصد آنحضور ﷺ کا استخفاف واہانت ہو کیونکہ ایسی بلند آواز تو کفر ہے اور یہ خطاب بھی اہل ایمان سے ہے۔ جن کے لیے آپ ﷺ کی ذات گرامی اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہے کیونکہ آپ ﷺ ہی سراپا دین ہیں۔ اسی لیے تو علامہ اقبال نے کہا ہے۔

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

قاضی ابوبکر ابن العربی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس وصال کے بعد بھی اسی طرح تحریم وتکریم کے لائق ہے جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی تعظیم کی جاتی رہی ہے۔''

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو آج بھی وہی حرمت وعظمت حاصل ہے جو انہیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں حاصل تھی۔ نطق پیغمبر چونکہ وحی الٰہی ہے اس لیے آپ ﷺ کا کلام بھی قرآن مجید کے کلام کی طرح قابل احترام ہے۔

اسی آیت کی روشنی میں علمائے تفسیر وحدیث ہمیں بتلاتے ہیں کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آپ ﷺ کا کوئی حکم یا آپ ﷺ کی کوئی حدیث سنائی جائے اسے خاموشی اور احترام سے سنا جائے اور ایسی محفل میں تیز اور با آواز بلند گفتگو سے احتراز کیا جائے۔

سورہ الحجرات کی اگلی آیت ''لا تجھر والہ بالقول'' کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی اپنی مستند کتاب ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

"یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو کسی قول یا فعل کے ذریعہ تکلیف پہنچانا کفر ہے، جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا جس سے آپ کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔"(33)

اس سے اگلی آیت میں ایسے اہل ایمان کا ذکر ہے جو بارگاہ رسالت میں بات کرتے ہوئے ادب واحترام کے پیش نظر اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو امتحان اور آزمائش کے دشوار مراحل سے گزر کر معیار تقویٰ پر پورے اترے ہیں۔نزول کتاب کا مقصود ہی اہل تقویٰ کی ہدایت اور رہنمائی ہے اور اللہ کے نزدیک مستحق تکریم اور لائق عزو شرف صرف وہی شخص ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ انسان کا معیار فضیلت یا معیار تقویٰ ادب واحترام رسول ﷺ ہے۔اور وہ لوگ جو ادب واحترام رسول ﷺ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ملحوظ نہیں رکھتے، وہ متاع ایمان وتقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔اس لیے وہ پھر کسی عزت وتکریم کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ بارگاہ خداوندی میں ذلیل اور رسوا ہوتے ہیں۔

سورۃ نور میں پیغمبر ﷺ کے حفظ مراتب اور آداب گفتگو کی تعلیم دیتے ہوئے حکم دیا گیا۔

لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا

"تم لوگ اپنے درمیان رسول ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کی طرح بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔"

تفسیر آیت: مسلمانو تم پر واجب ہے کہ تم پیغمبر ﷺ کی عزت وتکریم، تعظیم وتوقیر کرو۔ آپ ﷺ کے حفظ ومراتب کا خیال رکھو اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھو اور آپ ﷺ کو نبی اور رسول اللہ جیسے الفاظ سے مخاطب کرو۔"(34)

اس حکم کی تعمیل سے انحراف کو بھی توہین نبوت اور کفر قرار دیا گیا ہے۔ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول اور آیات الٰہی سے استہزا کرنے والوں کو قرآن نے کافر قرار دیا ہے۔چنانچہ سورۃ توبہ کی 65 ویں آیت میں ان گستاخان نبوت سے پوچھا جا رہا ہے:

"کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ بہانے نہ بناؤ! حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کے اقرار کے بعد پھر کفر کیا۔"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اسی گراں مایہ تصنیف "الصارم المسلول" میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ، آیات الٰہی اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کفر ہے، تو پھر وہ سب وشتم جو حضور ﷺ کی شان میں قصداً ہو وہ تو کھلا کفر ہے اور یہ آیت اس امر پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ جس کسی نے بھی جناب رسالت مآب ﷺ کی تنقیص واہانت قصداً کی یا ہنسی مذاق میں کی، بہر صورت وہ کفر ہے۔'' (35)

قاضی ابوبکر ابن العربی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''منافقین نے جو کچھ کہا اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو یہ (اہانت وتضحیک) بالقصد رہو گی یا پھر بطور استہزاء بھی کفر ہی ہے۔''(36)

باب اول

کتابیات

(۱) القرآن ۷:۱۵۷

(۲) تورات استثناء باب: ۱۸

(۳) القرآن ۲:۱۲۹

(۴) القرآن ۶۱:۶۔ سورۃ الصف مدنیۃ

(۵) انجیل یوحنا باب ۱۴:۲۵

(۶) انجیل یوحنا باب ۱۶:۱۲

(۷) محمد بن اسحاق۔ سیرۃ الرسول ﷺ

(۸) سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن ج۔۵) ص ۴۶۷

(۹) القرآن 20:6

(۱۰) سید مناظر احسن گیلانی۔ النبی الخاتم ص: ۳۰

(۱۱) النبی الخاتم ص ۲۷۔۲۸

(۱۲) صحیح البخاری۔ تاریخ الطبری

(۱۳تا۲۹) نقوش رسول نمبر ج۔۴، ص ۴۴۸ تا ۴۷۹

(۳۰) القرآن ۱۷:۷۹ سورۃ بنی اسرائیل مکیۃ

(۳۱) القرآن ۳۳:۵۶

(۳۲) امام ابن تیمیہؒ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص۔۵۶

(۳۳) علامہ آلوسی البغدادی۔ روح المعانی۔ ج ۲۶، ص ۱۳۶

(۳۴) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری۔ ج ۹، ص۔۴۱

(۳۵) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص۔۶۰۔۷۱

(۳۶) قاضی ابوبکر ابن العربی ج ۲۔ ص ۹۶۵

باب دوم

قانون توہین رسالت قرآن کی روشنی میں

وہ لوگ جو اس برگزیدہ، معصوم اور منزہ عن الخطا اور محبوب کبریا ہستی کو ذہنی یا جسمانی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچائیں ان کے بارے میں قرآن مجید کا واضح حکم موجود ہے:

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذاباً مھینا۔ (1) سورۃ الاحزاب : ۵۷

''بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے۔'' (4)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اذیت رسول، اذیت الٰہی بھی ہے اور اس کے لیے رسوا کن عذاب کا اعلان ہے۔ عذاب الٰہی جو اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا مظہر ہے، کی کئی قسمیں ہیں اور قرآن مجید میں ہماری تحقیق کے مطابق 332 جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ مجرد عذاب 111 مرتبہ، عذاب الیم 77 مرتبہ، عذاب شدید 26 مرتبہ اور عذاب مہین 14 مرتبہ، عذاب عظیم 14 مرتبہ، عذاب النار 9 مرتبہ، سوء العذاب 9 مرتبہ، عذاب جہنم 7 مرتبہ، عذاب اللہ 6 مرتبہ، عذاب الحریق، عذاب مقیم، عذاب الخزی، پانچ پانچ مرتبہ، عذاب الآخرۃ 8، عذاب سعیر، عذاب غلیظ، عذاب یوم عظیم چار چار مرتبہ، عذاب الھون، عذاب الخلد، عذاب الغافین تین تین مرتبہ، عذاب قریب، عذاب اکبر، عذاب نکرہ دو دو مرتبہ اور عذاب العذاب، عذاب فی الحیاۃ، عذاب غیر مردود، عذاب ادنیٰ، عذاب حمیم، عذاب صعد، عذاب کبیر، عذاب المستقر اور عذاب السموم ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔

عذاب

مفردات امام راغب میں جو لغت القرآن پر انتہائی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، سخت دکھ اور تکلیف دینے کو عذاب کہا گیا ہے۔

عذاب ''عذب'' سے مشتق ہے۔ عذب شیریں پانی کو کہتے ہیں۔ تعذیب میں ازالۃ عذب ہے۔ اس لیے عذبۃ کے معنی ہیں، میں نے اسے زندگی کی لذت اور مسرتوں سے دور یعنی محروم کر دیا۔

قرآن مجید میں ہر اس تکلیف اور محرومی کو جو انسان کے مکافات عمل کا نتیجہ ہے اور ہر ایسی سزا کو جو فرد یا قوموں کو دنیا اور آخرت میں پاداش جرم میں دی جائے، عذاب کہا گیا ہے۔

مہین

لسان العرب میں ''مہین'' حقارت، احتقار، ذلت و رسوائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
تفسیر ''المراغی'' میں واعدلهم عذابا مهينا کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

''ان کے لیے الم انگیز عذاب تیار کیا گیا ہے اور حقارت اور اہانت، ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہے۔''

اصل عربی عبارت حسب ذیل ہے۔

''ای هبالهم عذابا بولهم و تجعلهم فی مقام الذ رایه والاحتقار والخزی الهون.''

رسوا کن عذاب کی ایک جھلک سورۃ ''اللھب'' میں دکھلائی گئی ہے، جو اس سورۃ کے شان نزول کے تناظر میں اور بھی واضح نظر آتی ہے۔

سارے قرآن مجید میں یہ ایسی سورۃ ہے، جس میں گستاخ رسول کو اس کے نام سے پکارا گیا ہے اور پوری سورۃ غضب الٰہی کے جلال کی نمود ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ابولہب تھا تو رسول اکرم ﷺ کا چچا لیکن وہ اور اس کی بیوی ام جمیل ایسے بد بخت اور مردود تھے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ابولہب کا شمار اس وقت کے متمول اور سرمایہ دار لوگوں میں ہوتا تھا اسے اپنے مال و دولت اور اولاد پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا اور سمجھتا تھا کہ یہی اس کے دست و بازو ہیں۔ لیکن خاتم الانبیاء کی آمد سے نہ صرف صنم کدے ویراں ہو گئے بلکہ زراندوزی اور زر پرستی کا زور بھی ختم ہوتا جا رہا تھا، جس سے ابولہب بوکھلا اٹھا اور بروایت ابن زیدؓ ابولہب نے ایک دن حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے کیا ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہی جو اور مسلمانوں کو ملے گا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اسے دوسروں پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوگی، تو وہ اس پر برافروختہ ہو کر چیخ اٹھا:

تبا لهذا الدين ان اكون و هولاء سواء

ناس ہو ایسے دین کا جس میں، میں اور دوسرے لوگ سب برابر کے ہوں۔ (ابن جریر)

اور دوسری روایت جو ابن عباسؓ سے منقول ہے، وہ اس طرح ہے کہ آنحضور ﷺ نے آیہ انذار ''وانذر عشیرتک الاقربین'' (الشعراء 214) کے نازل ہونے پر حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنے اقربا اور اہل قبیلہ کو خبردار کرنے کے لیے جانب بطحا روانہ ہوئے اور کوہ صفا کی چوٹی سے قبائل قریش کو

ندائے "یا صباحاہ" کا انتباہ دے کر پکارا۔ اور جب صوت ہادی وادیوں میں گونجی اور تمام لوگ جمع ہو گئے، تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

"بتاؤ! اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا تم اس بات کا یقین کرو گے؟"

سب نے بیک زبان کہا یقیناً کیونکہ ہم نے کوئی جھوٹی بات آج تک تمہارے منہ سے نہیں سنی۔"

جس پر آپ ﷺ نے انہیں خبردار کیا کہ اگر ان کے یہی لیل ونہار رہے تو ان پر ایک عذاب شدید آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب چیخ اٹھا: تبا لک الهذا جمعتنا "برا ہو تیرا کیا تو نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا۔"

دونوں روایات میں اختلاف زمانی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں۔ اس لیے راویوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں اس بدبخت انسان کی یہ بات باری تعالیٰ کو اتنی ناگوار گزری کہ اس نامراد کا نام لے کر اس پر اپنی نفرت اور غضب کا اظہار فرمایا:

"تبت یدابی لهب و تب ...... الخ" (سورہ لہب: ۱:۵)

"ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا وہ، اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کچھ کام نہ آیا۔ ضرور وہ آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی۔ لگائی بجھائی کرنے والی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے مستقبل کی بات ماضی کی زبان میں بیان کر دی کیونکہ خالق عصر کے سامنے تو ماضی وحال و مستقبل سب برابر اور اسی کے پیدا کردہ ہیں اور یہ امروز و فردا تو ہمارے لیے ہیں اور دنیا نے دیکھ لیا ابولہب کا اور اس کی بیوی کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا اور اسی طرح ہوا جس کی قرآن مجید نے پیشین گوئی کی تھی۔

معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح یابی ابولہب کے لیے ناقابل برداشت صدمہ تھا اور بالآخر وہ طاعون جیسے موذی زہرناک اور سوزش والے مرض میں مبتلا ہو گیا اور تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوا۔ بیماری کے دوران اور مرنے کے بعد بھی اس کی اپنی اولاد اور عزیز واقارب میں سے کوئی بھی اس کے قریب نہیں پھٹکا۔ اس طرح نہ اس کے کام مال آیا اور نہ اولاد۔ مرنے کے بعد جب اس کی لاش میں سڑنے کی وجہ سے سخت بدبو اور تعفن پیدا ہوا، تو لوگوں نے شور مچایا جس پر اس کے بیٹوں

نے حبشی مزدوروں سے اس کی لاش کو اٹھوا کر ایک گڑھے میں پھینکوا دیا اور اوپر سے پتھر مٹی ڈال کر اسے بند کر دیا۔

آخرت میں اس کے اور اس کی بیوی کے بارے میں مفسرین ہمیں بتلاتے ہیں کہ وادی جہنم میں جہاں ابولہب جل رہا ہوگا وہاں اس کی بیوی بھی لکڑیاں ڈھوڈھو کر لانے کے بعد، انہیں اس میں ڈال کر اپنے لیے اور اس کے لیے آتش جہنم کو اور بھی بھڑکاتی رہے گی۔

یہ تھا وہ عبرتناک عذاب الیم، ابولہب کے لیے جو آپ ﷺ کا چچا ہونے کے باوجود گستاخ رسالت مآب ہونے کی پاداش میں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اپنے آپ کو اور اپنی بیوی کو بچا سکا۔

حضور رسالت ﷺ کے استہزاء اور گستاخی کی جو سزا آخرت میں ملے گی اس سے تو کوئی صاحب ایمان انکار کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس دنیا میں بھی اس کی سزا خود ربّ ذوالجلال نے مختلف طریقوں سے دے کر اپنے اس وعدہ "انا کفیناک المستهزئين" کو سورۃ الحجر، آیت:95 میں پورا پورا فرمایا جو اس نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے کیا تھا۔ بلاشبہ ہم تمہاری طرف سے ان استہزاء کرنے والوں اور مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔"

ابولہب اور اس کی بیوی کا حال تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ اس کے بیٹے عتبہ نے بھی جب سورۃ "النجم" سن کر آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا تو اسی دنیا میں اس لعین کو بھی اس گستاخی کی دردناک سزا ابولہب کی زندگی ہی میں دی گئی۔ اس کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں اسی آیت، سورۃ الحجر کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

"ابولہب کے بیٹے عتبہ نے ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی، جس پر حضور ﷺ زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے "اے اللہ اس پر اپنے کسی کتے کو مسلط کر دے۔" ابولہب اپنے بیٹے کو سواد شام، کپڑے کی تجارت کے سلسلہ میں بھیجا کرتا تھا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو کہا کرتا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بیٹے کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا نہ لگ جائے۔ سیوطی نے بیہقی ہی کے حوالہ سے ایک اور روایت میں بتلایا ہے کہ عتبہ بھی یہ سن کر بہت خوف زدہ رہنے لگا تھا۔ چنانچہ جب شام کے سفر پر روانہ ہوا تو رات میں دوران سفر جہاں آرام کے لیے قیام کرتا، تو اس کے غلام اور مختار کار اسے درمیان میں سلاتے۔ دیوار کے ساتھ لٹاتے اور اس پر کپڑے ڈال دیتے، مگر ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ایک رات ایک درندہ آیا، جس نے

اسے ہلاک کر دیا۔ جب اس کی موت کی خبر ابولہب کو پہنچی تو بولا، ''میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں اس کے بارے میں محمد ﷺ کی بددعا سے ڈرتا ہوں۔''

اسی آیت ''انا کفینک المستھزءین'' کی تفسیر کرتے ہوئے ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ایک دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے تو مشرکین نے آپ ﷺ کو شرارتاً چھیڑا، جس پر اسی وقت جناب جبریلؑ وہاں پہنچے اور ان مشرکین کو چوکا مارا، جس کی وجہ سے ان کے جسم ایسے ہو گئے جیسے نیزے سے زخم خوردہ ہوں اور اسی سے وہ مر گئے۔ یہ لوگ مشرکین مکہ کے بڑے بڑے روسا میں سے تھے۔(2)

جنہیں اس دنیا میں خدائے ذوالجلال نے اس وقت یہ دردناک سزا دی جبکہ حکومت الہیہ قائم نہیں ہوئی تھی اور تکمیل دین کا کام ہو رہا تھا اور یہ مکی دور تھا، اس لیے یہ سورتیں بھی مکی دور کی ہیں۔ جب خلافت الہیہ قائم ہو گئی تو تنقیص، تضحیک اور اہانت رسول کی سزا اسلامی حکومت میں بطور حد سزائے موت قرار پائی اور تکمیل دین کے بعد ساری امت کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ توہین رسالت کا سد باب کرے اور اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو ہر فرد کو یہ حق ہے کہ وہ گستاخ رسول کو سزائے موت دے۔(3)

سورۃ الاحزاب کی آیت 57 میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہے۔

اذیت رسول کی سزا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے قتال کا حکم صادر فرمایا ہے:

''فاضربوا فوق الاعناق واضربو منهم كل بنان ٥ ذلك بانهم شاقو الله و رسوله و من يشاقق الله و رسوله فان الله شديد العقاب.''

(سورۃ انفال: 8، 12، 13)

''پس تم ان کی گردنوں پہ اور جوڑ جوڑ پر ضرب لگاؤ (یہ حکم) اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دے گا تو یاد رکھو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

یہ آیات سورۃ انفال کی ہیں جو 2ھ میں مدینہ منورہ میں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ اسلامی

ریاست معرض وجود میں آ گئی تھی اور دشمنان اسلام اللہ کے رسول کی مخالفت اور ایذا رسانی پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔اس پاداش جرم میں ان کے لیے یہ سزا تجویز ہوئی۔

سورۃ الاحزاب میں حق سبحانہ تعالیٰ ذات رسالت مآب ﷺ پر اپنی اور اپنے ملائکہ کی طرف سے تحیت وسلام کے ذکر جمیل کے ساتھ ہی اہل ایمان کو ان کی بارگاہ قدس میں درود وسلام کی سوغات بھیجنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور ان کے لیے بے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔''

مفسرین کے ایک گروہ کی رائے میں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانے کی سزا میں زندان لعنت میں گرفتار ہوں، وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔اس لیے شریعت کی رو سے وہ ''مباح الدم'' یعنی واجب القتل قرار پائیں گے۔اسی سورہ مبارکہ میں اس گروہ کی نشاندہی فرمائی جو اللہ کے رسول کو ایذائیں دیتا اور آپ پر زبان طعن دراز کرتا، آپ ﷺ کے اور پیروان حق کے خلاف اسلامی ریاست مدینہ میں افواہیں پھیلایا کرتا تھا۔اس کے بارے میں بتلا دیا کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا:

> ''اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے آپ ﷺ کو اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے آپ ﷺ کے ساتھ رہ سکیں گے۔ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہو گی۔ (پھر یہ لوگ) جہاں کہیں بھی مل جائیں اور پکڑے جائیں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ یہ اللہ کی سنت (قانون) ہے، جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت (قانون) میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔(5)

اس میں یہ سزا ان لوگوں کے لیے تجویز کی گئی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں لیکن دراصل پیروان طاغوت ہیں، جنہیں اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ کے رسول کو آزار پہنچانے والوں کو دردناک عذاب سے خبردار کیا گیا

ہے۔فرمایا:

ومنهم الذين يوذون النبيّ و يقولون هو اذن قل اذن خيرلكم يومن بالله و يومن للمومنين و رحمة للذين امنوا منكم. والذين يوذون رسول الله لهم عذاب اليم ٥

(سورۃ توبہ:61)

اور ان ہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی ﷺ کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا (یعنی کان کا کچا ہے، اے پیغمبر ﷺ) کہہ دیجئے کہ ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لیے۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور وہ مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے۔ (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں سے گزر کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان کے لیے سراسر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں، ان کے لیے عذاب ہے دردناک عذاب!!!

اس آیت کریمہ میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حضور ﷺ کی مخالفت اور دشمنی میں آپ ﷺ کو کوئی جسمانی تکلیف یا اذیت نہیں پہنچائی جا رہی ہے بلکہ صرف کانوں کا کچا کہہ کر جو لوگ آپ ﷺ کو قلبی اور ذہنی اذیت پہنچاتے ہیں، وہ بھی گستاخی اور توہین رسالت کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے لیے بھی دردناک عذاب کی وعید ہے۔

پیروان اسلام پر تو حضور رسالت مآب ﷺ کا ادب و احترام فرض ہے لیکن منکرین رسالت ﷺ کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ بھی دربار رسالت ﷺ کے آداب کو ملحوظ رکھیں اور انہیں ایسے ذومعنی الفاظ کے استعمال سے بھی روک دیا گیا جس میں خیر کے علاوہ شر کا معنوی پہلو بھی پوشیدہ ہو۔ چنانچہ وہ بدبخت یہودی جو شرارتاً اور بدنیتی سے ذومعنی الفاظ استعمال کرتے تھے، ان کے لیے یہ سخت وعید نازل ہوئی۔

من الذين هادو ...... فلايومنون الاقليلا ٥

(سورۃ نساء:46)

"(اے پیغمبر ﷺ) وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو لفظوں کو ان کے اصل جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور جب تم سے ملتے ہیں تو اس خیال سے کہ دین

حق کے خلاف طعن وتشنیع کریں۔ زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں ''سمعنا، عصینا'' اور ''واسمع غیر مسمع'' اور ''راعنا'' اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے اور ان شرارت آمیز لفظوں کی جگہ) ''سمعنا واطعنا'' اور ''اسمع'' اور ''انظرنا'' کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستگی کی بات تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔ پس ایک چھوٹے گروہ کے سوا سب ایمان سے محروم رہیں گے۔ تفسیر: جصاص اس آیہ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں۔

''ہر وہ لفظ جس میں خیر وشر دونوں معنوں کا احتمال ہو اس لفظ کا استعمال اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی حد یا قید نہ لگائی جائے جس سے خیر کا پہلو نمایاں ہو۔'' (6)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ لفظ ''راعنا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر چہ یہ لفظ صحیح المعنی ہے جس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ہم سے رعایت کریں یا ہماری طرف توجہ کریں لیکن عربی میں لفظ کو بطور استہزاء بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس لفظ کو اگر صحیح معنی میں بھی استعمال کیا جائے تو اس سے برابری اور مساوات کا گمان ہوتا ہے، اس لیے اس کے استعمال ہی سے منع کر دیا گیا۔ (7)

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں سورۃ بقرہ کی آیت 104 میں لفظ ''راعنا'' کی تفسیر یوں بیان کی ہے:

> ''یہودی جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام و کلام میں ہر ممکن طریقہ سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذو معنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے، زیر لب کچھ اور کہہ دیتے، ظاہر میں ادب وآداب برقرار رکھتے ہوئے در پردہ آپ ﷺ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ لفظ ''راعنا'' ایک ذو معنی لفظ ہے جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریئے ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجئے تو وہ ''راعنا'' کہتے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ہماری رعایت کیجئے اور ہماری بات سن لیجئے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے، مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا

ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے "سن تو بہرہ ہو جائے" گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو تو ہم تمہاری سنیں اور ذرا زبان لچکا کر "راعینا" بھی بنا لیا جاتا تھا جس کے معنی "اے ہمارے چرواہے" کے تھے۔"(8)

علامہ شوکانی فتح القدیر میں لفظ "راعنا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "راعنا" اور ایسے تمام الفاظ جن سے توہین رسالت ﷺ کا احتمال ہو ان کا استعمال قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔(9)

اس لیے اہل ایمان کو براہ راست مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایسے ذو معنی الفاظ سے قطعاً احتراز کریں تاکہ شان رسالت مآب ﷺ میں کسی قسم کی پنہاں اور پوشیدہ گستاخی کا احتمال بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا:

یاایھاالذین امنو الاتقولو راعنا و قولوا انظر نا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم.
(سورۃ بقرہ آیت 104)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" (یعنی ہماری طرف التفات کیجئے) کہا کرو اور توجہ سے بات سنو۔ یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ان کافروں کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔ بعض صاحبان نظر نے اس آیت کے اسلوب بیان سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو یہودیوں کے اس فتنہ پرور گروہ کا یہ گستاخانہ انداز تخاطب اتنا ناگوار گزرا کہ ذات الٰہی نے ایسے شریر یہودیوں سے خطاب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ قرآن مجید میں اور دوسرے مواقع پر یہود و نصاریٰ کو جا بجا براہ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ شوکانی "فتح القدیر" میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ کوئی شخص ایسا لفظ استعمال کرے جس میں توہین رسالت کا احتمال ہو تو وہ واجب القتل ہے۔ اس کی توثیق اس حدیث سے ہو جاتی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی لفظ "راعنا" رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بطور طعن و تشنیع استعما کرتے ہیں جس کی اوپر تشریح ہو چکی ہے تو آپ نے یہودیوں سے کہا:

"اے یہودیو! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ آئندہ سے اگر میں نے تم میں سے کسی کو لفظ راعنا کہتے

ہوئے سنا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔" (10)

سورۃ نساء میں ایمان اور کفر کا فرق واضح کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ پیغمبر برحق کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی عین ایمان ہے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرنا صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما.

(سورۃ نساء:65)

"پس (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنالیں اور پھر جو کچھ بھی فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے سر بسر تسلیم کر لیں۔"

شان نزول:

سورۃ نساء کی اس آیت مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بظاہر مسلمان (جو اصل میں منافق تھا) اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہو گیا۔ دونوں اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا، جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اس کے اصرار پہ یہ دونوں معاملہ کو لے کر از سر نو فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے (جو ان دنوں آنحضور ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ میں تنازعات اور خصومات کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور مرکز میں قضاۃ (Justice) کے عہدے پر مامور تھے)۔ آپؓ نے ان دونوں سے روئیداد مقدمہ سنی اور جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں، تو آپؓ نے خود اس منافق سے اس کی تصدیق کر لی اور اس کے بعد اسی وقت تلوار سے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد آپؓ نے فرمایا:

ھکذا اقضی لمن لم یرض بقضاء اللہ و رسولہ.

"اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے۔" (11)

مقتول کے ورثاء کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں پہنچے اور حضرت عمرؓ کے خلاف قتل کا دعویٰ کر دیا جس پر سورۃ نساء کی یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔(12)

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے اور آیہ مبارکہ کی شان نزول کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے، جس کی تصدیق سورۃ نساء کی اس آیت مبارکہ نے کر دی۔

ان آیات قرآنی سے قانون الٰہی صاف طور پر اور کھل کر ہمارے سامنے آ گیا ہے کہ اگر کوئی کافر یا منافق جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا صرف سزائے موت ہے۔ ایک مسلمان جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہے، وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کا تصور ہی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی یا سوء ادبی برداشت کر سکتا ہے۔

اسلام تو وہ مذہب ہے جو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی شخص کسی دوسرے کا مذاق اڑائے۔ اس کی تضحیک یا استہزاء کرے، جو اس کی دل آزاری کا باعث ہو۔ کیونکہ یہی وہ بنیادی خرابی ہے جس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الذین امنو لا یسخر قوم من قوم ...... ولا تنابزوا
بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان. و من لم یتب
فاولئک ھم الظلمون ٥

(سورہ الحجرات:11)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے اور جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔"

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں:

"مذاق اڑانے سے مراد محض زبان ہی سے کسی کا مذاق اڑانا نہیں بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس

کی طرف اشارے کرنا، اس کی بات پر یا اس کے کام یا اس کی صورت یا اس کے لباس پر ہنسنا، اس کے کسی نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ دوسرے اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہے۔ اصل ممانعت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی کسی طور پر تضحیک نہ کرے۔ کیونکہ اس تضحیک میں لازماً اپنی بڑائی اور دوسرے کی تذلیل اور تحقیر کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں جو اخلاقاً سخت معیوب ہیں۔ مزید برآں اس سے دوسرے شخص کی دل آزادی بھی ہوتی ہے جس سے معاشرے میں فساد رونما ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس فعل کو حرام کیا گیا ہے۔"(13)

احکام الحدیث

قرآن نے شاتم رسول کے بارے میں یہ واضح فیصلہ صادر کیا ہے کہ اس دنیا میں اس کے لئے سزائے موت مقرر ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے عذاب جہنم تیار ہے۔ ان احکام الٰہی کی تعمیل دور رسالت مآب ﷺ اور اس کے بعد کے ادوار میں جس طرح ہوتی رہی ہے، اس کا یہاں اجمالی تذکرہ کا ماخذ احادیث اور تاریخ اسلام ہے۔ اس کا آغاز ہم احکام الحدیث سے کریں گے۔

احادیث کی مستند کتاب سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں شامل ہے، توہین رسالت کے بارے میں احادیث ''کتاب الحدود'' میں درج کی گئی ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ توہین رسالت کی سزا، سزائے موت بطور حد مقرر ہے اور حد میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ حد کی متعین تعریف پیش نظر ہو۔ ''حد'' لغت میں کسی کام سے روک دینے کو کہتے ہیں، اس لئے دربان کو عربی میں ''حداد'' کہا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں ''حد'' اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ''العقوبۃ المقدرۃ حقا للہ تعالیٰ'' اس لئے حقوق اللہ کہا گیا ہے۔

''حد'' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وہ مقرر کردہ سزا ہے جس میں سوئی کی نوک کے برابر بھی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اس کی تشریح امام رازیؒ نے ''تفسیر کبیر'' میں نسائی اور ابن ماجہ کی درج ذیل حدیث سے کی ہے۔

''یوتی بوال نقص من الحد سوطا......''

قیامت کے دن ایک حاکم پیش کیا جائے گا جس نے حد سے ایک کوڑا کم کردیا تھا۔ استفسار ہوگا ''تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟''

عرض کرے گا ''پروردگار آپ کے بندوں پر رحم کھاکر''۔

ارشاد ہوگا: اچھا تو ان کے حق میں ہم سے زیادہ رحم کرنے والا تھا''۔

پھر حکم ہوگا ''لے جاؤ اسے دوزخ میں''۔

اسی طرح ایک اور حاکم حضور حق پیش کیا جائے گا، جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کیا تھا۔ اس سے پوچھا جائے گا ''تو نے یہ کس لئے کیا تھا؟''

عرض کرے گا ''تاکہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں''۔

ارشاد ہوگا ''اچھا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے بھی زیادہ حکیم تھا''۔

پھر حکم ہوگا" لے جاؤ اسے دوزخ میں"۔(14-الف)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔اس بارے میں سورۃ المجادلہ کی آیت......

"ذالک لتومنوا باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ وللکفرین عذاب الیم O"

کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر طبری میں لکھتے ہیں، یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے "جو اللہ کی حدود کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ حدود کی جگہ دوسری حدیں تجویز کر لیتے ہیں" بیضاوی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے "اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مخاصمت اور جھگڑا کرتے ہیں یا ان کی مقرر کردہ حدود کے سوا دوسری حدیں مقرر کر لیتے ہیں"۔ صاحب روح المعانی آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپئی کے حوالہ سے لکھا ہے "آیت مذکور میں ان حکمرانوں اور حکام سوء کے لئے سخت وعید ہے جنہوں نے شریعت کی مقرر کردہ حدود کے خلاف بہت سے احکام وضع کر لئے ہیں اور ان کا نام قانون رکھا ہے"۔(14-ب)

حضور رسالت مآب ﷺ نے "حدود اللہ" کو جاری کرنے میں کسی بھی رو رعایت کو ملحوظ نہیں رکھا چنانچہ بنی مخزوم کی ایک صاحب ثروت فاطمہ بنت قیس نامی عورت چوری کے مقدمہ میں عدالت نبوی ﷺ میں لائی گئی اور اس کی سفارش کے لئے آپ ﷺ کے محبوب غلام زادے جناب اسامہؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔تو اس پر حضور ختمی مرتبت نے جو الفاظ فرمائے وہ حدود اللہ کی پاسبانی کی آخری حد ہے۔جب آپ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ سے بھی یہ جرم سرزد ہوتا تو میں اس کے ہاتھ قلم کر دیتا اور سب یہ جانتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں۔

حضور رسالت مآب ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس لئے رحمت و جمال کا تقاضا تھا کہ اس جہان خاک و آب میں بھی کائنات خلقت کی طرح میزان عدل قائم کی جائے، جس کے لئے ضروری تھا کہ یہاں "حدود الٰہی" جاری و ساری ہوں۔ سو نبی رحمت ﷺ نے اپنی مخالفت اور توہین کرنے والوں کو جو در اصل اللہ کی اور اللہ کے قانون فطرت کی مخالفت تھی، جو سزائے موت دی، اس کا مقصد شریعت الٰہیہ کا نفاذ تھا۔اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کا مولانا گرامی کے نام اپنے ایک مکتوب میں بطور خاص ذکر کیا ہے۔

جب نظیر نامی ایک گستاخ رسول، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کر دیا گیا، تو اس کی بیٹی اس کی لاش پر نوحہ کناں آئی اور اس نے اپنے باپ کی موت پر نہایت درد انگیز مرثیہ پڑھا جس پر حضور ﷺ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب نبی رحمت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''میں نے بحیثیت ''محمد رسول اللہ'' اس کے قتل کا حکم دیا تھا اور اب بحیثیت ''محمد ﷺ ابن عبداللہ'' میرے آنسو نکل آئے ہیں''۔ جن کی آب و تاب گوہر نایاب کے نصیب میں بھی نہیں۔(15)

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

شریعت اور رحمت کا ایسا امتزاج دنیا نے اس سے پہلے کہاں دیکھا تھا!

دربار نبوت ﷺ کے فیصلے

سنن ابوداود میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یک نابینا شخص کی ایک ام ولد تھی جو حضور رسالت مآب ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے آپ ﷺ کی ہجو شروع کی اور آپ ﷺ کی برائی کرنے لگی۔ جس پر اس نابینا صحابی نے چھرا اس کے پیٹ میں گھونپ دیا جس سے وہ مرگئی۔ جب صبح ہوئی تو اس کے قتل کا مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے ساری روئیداد سننے کے بعد تمام لوگوں کو حاضر عدالت ہونے کا حکم دیا اور جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے قسم دے کر فرمایا، جس شخص نے بھی یہ جرم کیا ہے وہ کھڑا ہو جائے (یعنی اقبال جرم کرے) جس پر وہ نابینا شخص مجمع کو پھاندتا ہوا آپ ﷺ کے سامنے آ گیا اور عرض کیا "یارسول اللہ! میں اس کا قاتل ہوں۔ وہ آپ ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ میری زجر و توبیخ اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے موتیوں کی مانند دو بیٹے ہیں اور وہ میری رفیق حیات بھی تھی، لیکن کل رات جب اس نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہا اور آپ ﷺ کی ہجو کی، تو میں نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر اس کو مار دیا ہے"۔ حضور ﷺ کے سامنے اس کی کوئی تردید پیش نہیں ہوئی تو آپ ﷺ نے کھلی عدالت میں فرمایا:

دیکھو! گواہ رہو! "ان دمھا ھدر" "اس کا خون رائیگاں گیا"۔

(یعنی اس کے خون کے بدلے قصاص یا دیت کا مطالبہ باقی نہیں رہا کیونکہ وہ واجب القتل ہو گئی تھی۔(16)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جو مدینہ میں پیش آیا تھا، جس کا ذکر سورۃ نساء کی آیت "فــلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ......" کی تفسیر میں قبل ازیں کر دیا گیا ہے کہ جب ایک منافق نے حضور کے فیصلے کے بعد حضرت عمرؓ سے دوبارہ فیصلہ کی درخواست کی تو اسے بھی اہانت رسول کے جرم میں قتل کر دیا گیا اور اس کا دعویٰ عدالت نبوی ﷺ میں پیش ہوا تو اس کی سماعت کے بعد اس آیت کے نزول سے نہ صرف حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی عدالت الٰہی سے توثیق ہوئی بلکہ انہیں "فاروق" (یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا) کے عالی مرتبت خطاب سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔

قتل کعب بن اشرف

جناب جابر بن عبداللہؓ انصاری سے روایت ہے کہ سرکار رسالت مآب علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا ''تم میں کون کعب بن اشرف کی خبر لے گا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے''۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ کیا آپ علیہ السلام کو منظور ہے کہ میں اسے ختم کر دوں''۔ فرمایا ''ہاں''۔ جس پر انہوں نے کہا ''تو پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے نبٹنے کے لئے جس طرح مناسب سمجھوں معاملہ کروں''۔ فرمایا ''اجازت ہے'' اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ کعب کے پاس پہنچے اور کہا ''دیکھو یہ شخص (یعنی پیغمبر اسلام) ہم سے زکوۃ مانگتا ہے جبکہ ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں۔ عجیب مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ہمارے لئے کچھ قرض کا انتظام کرا دو''۔ کعب نے کہا ''ابھی کیا ہے۔ خدا کی قسم آگے چل کر تمہیں اور بھی بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی''۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا ''بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے ہیں، اب یہ اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں مگر دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ خیر ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ ایک وسق یا دو وسق (غلہ یا کھجور) ہم کو قرض دلوا دو''۔ کعب نے کہا ''اچھا اس کا انتظام ہو جائے گا مگر اس کے بدلہ تمہیں رہن رکھنا ہوگا''۔ انہوں نے کہا ''کیا چیز ہم بطور رہن رکھیں''۔ کعب نے کہا ''اپنی عورتوں کو بطور رہن ہمارے پاس رکھو''۔ جن پر ان لوگوں نے کہا ''یہ بھی خوب! سارے عرب میں تم خوبصورت لوگ ہو، بھلا ہم کس طرح اپنی عورتوں کو تمہارے پاس گرو کر دیں''۔ اس نے کہا ''اچھا اپنے بیٹوں کو ہمارے پاس گرو کر دو''۔ انہوں نے کہا ''بیٹوں کو گرو کریں گے تو لوگ ساری عمر طعنہ دیں گے وسق یا دو وسق پر یہ گروی ہوئے تھے، جو بڑے شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس بطور رہن رکھ سکتے ہیں''۔ اس گفتگو کے بعد محمد بن مسلمہؓ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ جب رات کو آئے تو ابو نائلہ کو، جو کعب کا رضاعی بھائی تھا، ساتھ لائے۔ کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا اور خود قلعہ سے اتر کر نیچے ان سے آ کر ملا۔ جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی کہنے لگی ''اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو!'' کعب نے کہا ''محمد بن مسلمہؓ اور میرا بھائی ابو نائلہؓ مجھے بلا رہے ہیں''۔ سفیان کہتے ہیں، عمرو بن دینار کے سوا دوسرے لوگوں نے یہ بات بھی کہی ہے کہ اس کی بیوی نے یہ بھی کہا ''میں نے جو آواز سنی ہے اس سے خون ٹپک رہا ہے''۔

جب کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا (اس خیال سے کہ مسلمانوں کا اسلحہ اس کے

پاس گروہو جائے گا) تو اس کے بدن سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا ''میں نے تو آج تک ایسی عطر بیز خوشبو نہیں سونگھی تھی''۔ عمرو کے سوا اور دوسرے راویوں نے یوں بیان کیا ہے کہ کعب نے اس کے جواب میں کہا ''میرے پاس عرب کی ایسی عورت ہے جو سب سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں اس کی کوئی نظیر نہیں''۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہؓ نے کعب سے کہا ''کیا میں تمہارا سر سونگھ لوں'' کعب نے کہا ''ہاں سونگھ لو''۔ محمد بن مسلمہؓ نے اس کا سر خود بھی سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا ''ایک مرتبہ اور''۔ اس نے کہا ''اچھا''۔ اس مرتبہ محمد بن مسلمہؓ نے کعب کا سر زور سے تھام لیا اور ساتھیوں سے کہا، ہاں اس کے سر لے لو اور انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی''۔ (17)

کعب بن اشرف یہودی سردار تھا اور اسلام اور حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ کو شکست ہوئی تو اس نے کہا ''آج زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے''۔ اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں مہینے 14 ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ بدبخت کعب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ہجو کرتا تھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاتم رسول کی سزا میں دوستی اور بھائی کا رشتہ بھی مانع نہیں آتا۔

صحیح بخاری میں ''کتاب المغازی'' کے علاوہ ''طبقات ابن سعد'' میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمامؒ کے مقام اور مرتبہ سے اہل علم واقف ہیں۔ یہ امام بخاریؒ کے جلیل القدر استاد اور تبع تابعی ہیں۔ ان کا دور دوسری صدی ہجری کے آغاز کا دور ہے۔ ان کے مجموعہ احادیث کا نام ''المصنف'' ہے، جس میں انہوں نے ''سب النبی'' کا علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ یہ احادیث 9704 سے شروع ہو کر 9708 پر ختم ہوتی ہیں۔

حدیث 9704: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں دشنام طرازی کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو ہمارے اس دشمن کی خبر لے گا''۔ اس پر جناب زبیرؓ نے کہا، میں حاضر ہوں''۔ پھر حضرت زبیرؓ نے جا کر اس گستاخ رسول کو واصل جہنم کیا۔

حدیث 9705: ایک بدبخت عورت حضور ﷺ کو گالیاں دیتی رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

حدیث9706: ایک نصرانی شخص کے قتل کے بارے میں ہے جس نے حضورﷺ کو گالیاں دیں تھیں جس پر اس کو قتل کر دیا گیا تھا (اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی چونکہ یہ واقعہ حضورﷺ کے یا دور خلافت راشدہ کا نہیں ہے)۔

حدیث9707: سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضورﷺ کی تکذیب کی۔ حضورﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا "جاؤ اور اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کر دو"۔

حدیث9708: حضرت علیؓ نے حکم دیا جس نے سرکار مآب علیہ الصلوۃ والسلام کی تکذیب کی اس کی گردن ماری جائے۔ امیر المومنینؓ کا یہ فرمان ابن التیمی کے والد نے سنا جسے ابن التیمی نے صاحب "المصنف" عبدالرزاق بن ھمام سے بیان کیا۔

سنن ابوداؤد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی اور آپﷺ کی ہجو کرتی تھی۔ ایک شخص نے ہمیشہ کے لئے اس کا منہ بند کر دیا (یعنی اسے مار دیا گیا) جب حضورﷺ کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوا تو آپﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔ (اس کے ورثا کو قصاص یا دیت کا حق دار نہیں سمجھا گیا)۔

قاضی عیاضؒ نے کتاب "الشفاء" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے حضورﷺ کی ہجو کی۔ آپﷺ نے فرمایا "کون ہے جو میرے لئے اس کو ٹھکانے لگائے گا"۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کام میں سرانجام دوں گا" چنانچہ وہ گیا اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا تو حضورﷺ نے فرمایا "اس کو خون مباح ہے"۔

کتاب "الشفاء" میں ابن مانع سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہ رسالتﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے اپنے والد کو آپﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا تو یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا، اس لئے اسے میں نے قتل کر دیا"۔ آپﷺ نے اس سے باز پرس نہیں فرمائی۔

دورِ خلافت میں

عہد صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اسلام اور ختم نبوت کے خلاف اٹھنے والی شورشوں اور خاص طور پر فتنہ ارتداد کا جس طرح سد باب کیا اور خلافت کو علی منہاج النبوۃ قائم کیا، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ انتہائی حلیم الطبع اور نرم خو ہونے کے باوجود دین کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہم یہاں ان کے عہد خلافت کے ان دو واقعات کا ذکر کریں گے جو توہین رسالت سے متعلق ہیں۔

مہاجر بن امیہ جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے، کی عدالت میں دو گانے والی عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک کے خلاف الزام تھا کہ اس نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دوسری عورت پر الزام تھا کہ اس نے اپنے گیتوں میں مسلمانوں کی ہجو اور توہین کی ہے۔ دونوں کے خلاف شہادت سے جرم ثابت ہونے پر انہیں یہ سزا دی گئی کہ دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور ان کے دانت توڑ دیئے گئے کہ آئندہ ایسی بدآموزی سے وہ باز رہیں۔ ان دونوں مقدمات کی روئیداد جناب صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش ہوئی تو آپؓ نے ان دونوں سزاؤں سے اختلاف کرتے ہوئے مہاجر بن امیہ کو تحریر فرمایا:

"اس مغنیہ کے خلاف جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے، تم نے جو کارروائی کی اس کا مجھے علم ہوا۔ اگر تم یہ کارروائی نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں حکم دیتا کہ اسے سزائے موت دی جائے کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خلاف ارتکاب جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کے برابر نہیں ہوتی اور تم نے دوسری مغنیہ کو، جس نے مسلمانوں کی ہجو اور دشنام طرازی کی ہے، جو سزا دی ہے وہ بھی درست نہیں۔ اس لئے آپؓ نے حاکم عدالت کو ہدایت کی کہ وہ اس بارے میں آئندہ محتاط رہے اور ایسی سنگین سزا کے اجرا سے اجتناب کرے"۔

توہین رسالت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک اور واقعہ سے ان کی ژرف نگاہی، حلم و تدبر اور صحیح قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے، جس میں ان کی ذاتی دشمنی، اشتعال انگیزی اور غم و غصہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابو برزہؓ فرماتے ہیں:

"ایک دن میں حضرت ابوبکرؓ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آپؓ سے گستاخی کی جس

پر آنجناب اس شخص سے ناراض ہوئے۔ خلیفہ وقت کی شان میں گستاخی پر مجھے غصہ آ گیا اور میں بھی اس وقت مشتعل ہو گیا۔

ابو برزہؓ "اے خلیفہ رسول اگر آپ اجازت دیں تو میں اس نامعقول گستاخ کی گردن اڑادوں"۔

حضرت ابو بکرؓ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور خاموشی سے اندر کمرے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلا بھیجا۔

حضرت ابو بکرؓ (ابو برزہؓ) تم نے ابھی مجھ سے کیا کہا تھا؟

ابو برزہؓ: "یہی کہ آپ اگر اجازت دیں تو میں اس کا سر اڑادوں"۔

حضرت ابو بکرؓ: "اچھا اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار دیتے؟"

ابو برزہؓ: "یقیناً میں اس کو زندہ نہ چھوڑتا"۔

حضرت ابو بکرؓ: رب ذوالجلال کی قسم یہ مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں (کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو) (18)

حضرت ابو بکر صدیقؓ مزاج شناس نبوت تھے۔ انہوں نے اپنی ذات سے بلند ہو کر ہی اعلان حق کیا اور عام حکمرانوں یا بادشاہوں کی طرح ذاتی اور شخصی حملہ پر مشتعل ہو کر اس گستاخ اور زبان دراز کو جان سے مار دینے کا حکم نہیں دیا۔ امت مسلمہ کے خلاف طعن و تشنیع اور دشنام طرازی پر بھی وہ کسی سنگین سزا کا مطالبہ نہیں کرتے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ان کے لئے ناقابل برداشت ہے اور اس سلسلہ میں وہ کسی کم تر سزا کو پسند نہیں فرماتے، بلکہ گستاخ رسول کو سزائے موت کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفۃ الرسولؐ منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں اسٹیٹ پالیسی کا اعلان کیا گیا کہ "اگر میں احکام الٰہی اور سنت رسول سے انحراف کروں تو مجھے معزول کر دیا جائے"۔ اس کی روشنی میں یہ نتیجہ باآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاتم رسول کے قتل کا حکم، احکام الٰہی اور سنت نبوی کے منشاء کے عین مطابق تھا اور اس بارے میں کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے علمائے امت اس کو "اجماع سکوتی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دور فاروقی

حضرت عمرؓ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں گستاخ رسول کی سزائے موت دے کر بارگاہ الٰہی سے "فاروق" کے لقب سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ (ص)

ابن وہب نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک راہب نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں دشنام طرازی کی۔ جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ بات سنی تو ان لوگوں سے جنہوں نے یہ واقعہ سنایا فرمایا "تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا اگر میں وہاں ہوتا تو اسے زندہ نہ چھوڑتا"۔ (19)

ابن مسعودؓ کا فیصلہ

طحاوی کے باب "استنابة المرتد" میں حضرت عبداللہ ابن مسعود جو فقہ حنفی کے "امام المنتہیٰ" ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں کوفہ کے چیف جسٹس تھے، کا ایک اہم فیصلہ درج ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی عدالت میں پیروان مسیلمہ کذاب کو ارتداد کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ جنہوں نے توبہ کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ ابن النواحہ کو آپ نے باوجود توبہ سزائے موت دی۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ایک ہی جرم کی دو مختلف سزاؤں کا کیا جواز ہے؟ جس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ابن النواحہ وہ آدمی ہے جو حضور ﷺ کی خدمت میں حجر و بن وثال کے ساتھ مسیلمہ کا سفیر بن کر آیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں نے کہا، کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے (جو صریحاً آپ ﷺ کی شان میں گستاخی تھی) جس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر سفارت کاروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ اب چونکہ ابن النواحہ گرفتار ہو کر آیا ہے اس لئے اس کو یہ سزائے موت دی گئی ہے"۔ (20)

دور حیدری

حضرت علی المرتضیٰ نے پیغمبر اعظم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں شاتم رسول کو سزائے موت دینے کے لئے اس کی تلاش میں حضرت زبیرؓ کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے اور اپنے عہد خلافت میں شاتم رسول کے لئے سزائے موت کا حکم دیا تھا۔ ان واقعات کا تفصیلی ذکر متعلقہ باب میں آ چکا ہے۔

خاندان نبوت اور گستاخان رسول

حضرت امام باقرؒ سے روایت ہے کہ ایک ھذیلی حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کون ہے جو اس کی خبر لے گا"۔ اس پر انصار میں سے دو صحابی اٹھ کھڑے

ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ" ہم یہ فرض انجام دیں گے" چنانچہ وہ دونوں اس کی تلاش میں چل پڑے۔ جب وہ انہیں مل گیا اور انہوں نے پوری طرح اس کی شناخت کر لی تو اس کو قتل کر دیا۔

جناب امام جعفر صادق نے اپنے والد گرامی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان کی ذات پاک پر سب وشتم کرنے والا واجب القتل ہے"۔(21)

دور امیہ

دور ملوکیت میں عرب حکمرانوں کا طرز بود وباش اگرچہ سلاطین عجم کی طرح غیر اسلامی ہوتا جا رہا تھا، لیکن ملک کا قانون عام شریعت ہی کے تابع تھا۔ اس ضمن میں ہم ایک واقعہ "صاحب المصنف" ہی کے حوالہ سے یہاں نقل کر رہے ہیں، جو اس طرح بیان ہوا ہے۔

ایوب بن یحییٰ (جو عبدالملک کے دور حکومت میں حاکم عدن مقرر ہوئے تھے) جب عدن پہنچے تو ان کے سامنے ایک نصرانی کو لایا گیا، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایوب نے اس کے بارے میں عبدالرحمٰن صنعانی سے مشورہ کیا، جنہوں نے اس جرم کی پاداش میں اس کے قتل کا فتویٰ دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن صنعانی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے حضرت عمرؓ سے اکتساب علم کیا اور ان کے تربیت یافتہ ہیں پھر ایوب نے اس بارے میں عبدالملک کو اس کی اطلاع دی جس نے جواب میں کہا کہ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔

امام ابن حزم نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "المحلیٰ" میں ابن عبدالملک سے متعلق شاتم رسول کے بارے میں ایک اور واقعہ کا ذکر علی بن المدینی کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے۔

"علی بن المدینی ایک مرتبہ خلیفہ ابن عبدالملک کے پاس آئے تو اس نے ان سے پوچھا، کیا تم کو کوئی ایسی حدیث معلوم ہے جو شاتم رسول کے بارے میں مستند ہو۔ علی نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عبدالرزاق بن ہمام صاحب المصنف کی وہ حدیث سنائی جس میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضور ﷺ کی حکم پر شاتم رسول کو قتل کیا تھا۔ جس پر خلیفہ نے علی بن المدینی کو خوش ہو کر ایک ہزار دینار بطور انعام دیئے"۔(22-الف)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں خلافت راشدہ کے اسلامی اقدار کی تجدید ہوئی اور قانون شریعت پھر سے حکمران اور رعایا دونوں پر یکساں لاگو ہو گیا اور ساری اسلامی قلمرو میں یہ احکام جاری ہو گئے کہ عدل وانصاف قرآن وسنت کے مطابق کیا جائے اور کسی پر ظلم وزیادتی نہ

ہونے پائے چنانچہ کسی حاکم صوبہ کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ کوئی کام خلاف شریعت کرے۔ اس لئے کوفہ کے گورنر نے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں مکتوب بھیج کران سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ یا انہیں گالی دی ہے۔ کیا وہ واجب القتل ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ اس کی سزا موت نہیں کیونکہ صرف شاتم رسول ہی شریعت کی رو سے واجب القتل ہے۔ (22-ب)

عباسی دور حکومت میں

خلیفہ ہارون رشید نے چند فقہاء عراق کے حوالہ سے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ جو شخص سرکار رسالت مآب ﷺ کو گالی دے، اسے کیا سزا دی جائے۔ اس پر امام غضبناک ہوئے اور فرمایا اس امت کا کیا ٹھکانا جو نبی کریم ﷺ کی شان میں سب و شتم پر خاموش رہے، ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے اور جو صحابہؓ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔ (23)

گستاخ رسول ائمہ فقہ کی نظر میں

تمام ائمہ فقہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤدؒ، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہؒ (رحمہم اللہ تعالیٰ) اوران کے سارے صاحب علم وفضل شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور یہ سزا اسے بطور حد دی جائے گی۔

فقہ حنفی

"فتاویٰ بزازیہ" اور "تنبیہ الولاۃ" جو فقہ حنفی کی معروف کتابیں ہیں، ان کی رو سے شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔ اس کی سند میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ فرمان ہے: جب آپؓ نے اپنے گستاخ کے قتل سے ابوبرزہؓ کو منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ حق سوائے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے اور یہی مذہب مشہور اور مذہب جمہور ہے۔ امام خیرالدین رملی (حنفی) فتاویٰ خیریہ میں شاتم رسول کو حداً واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ صدر الشہید حنفی کا "البحر الرائق" میں یہی فتویٰ ہے کہ شاتم رسول کو حداً قتل کیا جائے گا۔ امام ابونصر حنفی اور علامہ ابواللیث سمرقندی حنفی بھی اسی کے قائل ہیں کہ شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دی جائے گی البتہ چند فقہائے حنفیہ کا اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ اس بات پر ہے کہ اگر شاتم رسول قبل الاخذ یعنی گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے تو یہ حد ساقط ہوجائے گی اور وہ سزائے موت سے بچ جائے گا۔ اس بارے میں بھی علمائے احناف کی اکثریت کا فتویٰ ہے کہ قبل الاخذ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوگی اور شاتم رسول مستوجب سزائے موت ہوگا۔ بعد الاخذ یعنی گرفتاری کے بعد معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ علمائے احناف کو اس مسئلہ پر جو اشتباہ پیدا ہوا ہے وہ ایک قول ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منسوب ہے۔ جس کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا وہ قول امام صاحبؒ کا ہے بھی یا نہیں؟ خود ان کے فاضل شاگرد امام ابومحمدؒ تو بلا استفسار قتل مرتد کو بھی مباح قرار دیتے ہیں حالانکہ مرتد اور شاتم رسول میں واضح فرق موجود ہے کیونکہ توہین رسالت کا جرم ارتداد سے بھی سنگین تر ہے۔ (24)

فقہ حنفی کے ایک اور مستند امام ابن عابدین کا ردالمختار حاشیہ درمختار میں حسب ذیل فتویٰ درج ہے۔

"کافر کو سب وشتم النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی"۔ (25)

(ابن الھمام فتح القدیر کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جس نے رسول اللہ ﷺ سے دل میں بھی بغض رکھا۔ وہ مرتد ہو گیا اور شاتم رسول تو اس سے بھی بدتر ہے۔ ہمارے نزدیک واجب القتل ہے اور اس کی توبہ سے سزائے موت موقوف نہیں ہو گی) اور یہ مذہب اہل کوفہ اور امام مالکؒ کا بھی ہے اور یہ حکم حضرت ابو بکرؓ سے منقول ہے۔ صدر الشہید حنفیؒ، امام خیر الدین رملیؒ، ابو اللیث سمرقندی، امام نصرؒ کے علاوہ اکثر فقہائے احناف کا اس پر اتفاق ہے۔(26)

نعمان عبدالرزاق السامری نے اپنی کتاب ''احکام المرتد فی الشریعۃ الاسلامیہ'' میں فقہ حنفی کے ایک بہت بڑے عالم علامہ محی الدین کی کتاب ''السیف المشھور علی الزندیق اصحاب الرسولؓ'' میں شاتم رسول کے بارے میں علمائے احناف کی تحقیق کا مکمل اقتباس درج کیا ہے۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''جہاں تک احناف کا تعلق ہے وہ مرتد کی توبہ کے قائل نہیں۔ اسی طرح وہ گستاخ رسول کی توبہ کو بھی رد کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک توہین رسالت ارتداد سے بھی سنگین جرم ہے۔ اس سلسلہ میں وہ علامہ محی الدین کی تحریر کو من وعن نقل کرتے ہوئے اسے بطور سند پیش کرتے ہیں''۔

''شاتم رسول کے بارے میں فتاویٰ بزازیہ سے واضح ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرے اور انہیں برا بھلا کہے تو ایسے شخص کو بطور حد سزائے موت دی جائے گی اور کسی صورت میں بھی اس کی توبہ قابل قبول نہیں'' خواہ وہ گرفتار کر کے عدالت میں لایا جائے یا وہ خود توبہ کر کے عدالت میں پیش ہو جائے کیونکہ حد اس پر واجب ہو چکی ہے۔ اس لئے توبہ سے وہ ساقط نہیں ہو گی۔

اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی شخص اس کے خلاف رائے دے گا کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندہ سے بھی متعلق ہے۔ بایں وجہ وہ توبہ سے زائل نہیں ہو گا جیسا کہ تمام حقوق العباد کا معاملہ ہے۔ قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہو جاتی یہی مذہب ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا اور اسی کی روشنی میں علمائے روم آج تک فتوے دیتے آئے ہیں۔ آل عثمان سے قبل بھی اسی فتویٰ پر عملدر آمد ہوتا رہا ہے۔ اس فتویٰ کی علت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی ہے۔ یہ دراصل انسانی حق ہے اور اس کی بدولت ایک نظام کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ سزا ارتداد سے بھی روکتی ہے''(27)

فقہ حنفی کی ایک اور مستند کتاب "فتاویٰ قاضی خان" میں جو امام الحسن بن المنصو ر الاوز جندی کی تالیف ہے، ان باتوں کا صراحتاً ذکر ہے جن سے اہانت رسول ہوتی ہے۔

ہندوستان کے درویش صفت، پابند شریعت اور غازی حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں جو فقہ مدون ہوئی تھی "فتویٰ عالمگیریہ" کے نام سے آج بھی موجود ہے اور برٹش راج سے قبل برصغیر ہند میں قانون ملکی کے طور پر نافذ رہی ہے۔ اس میں بھی وہ جزیات تفصیلاً بیان کر دی گئی ہیں جن سے توہین رسالت کا ارتکاب ہوتا ہے اور اس کا مرتکب تکفیر کی زد میں آتا ہے مثلاً اگر کسی نے (معاذ اللہ) یہ کہا محمد در یشک بود یا جامہ پیغمبر ریمناک بود یعنی محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) ایک حقیر درویش تھے یا ان کے کپڑے پیپ بھرے ہوئے تھے، تو بعض فقہاء کے نزدیک مطلقاً اس کی تکفیر کی جائے گی۔ یعنی اتنا کہہ دینے سے وہ مستوجب سزا ہو جائے گا مگر بعض فقہاء تکفیر کے لئے نیت کی شرط لازمی قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مثال سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے جس کا نام "محمد" یا "احمد" ہے، اسے کوئی بھی نام لے کر گالی دے اس کی نیت اور اس کا مقصود توہین رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔ اس کے لئے محیط کا حوالہ دیا گیا ہے البتہ اکراہ یعنی جبر کی صورت میں کسی نے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس نے اس جبر واکراہ کی وجہ سے کہا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ (28)

(برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے "اکفا الملحدین" میں لکھا ہے "شاتم رسول کا فرو مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کا قتل واجب ہے اسے کوئی معافی نہیں دی جائے گی اور علماء کا اس پر اتفاق ہے اور جو شخص گستاخ نبوت کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی سرحد کفر میں داخل ہو جائے گا"۔ اسی سلسلہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے گستاخ کو معاف فرما دیں یا قتل کر دیں چنانچہ یہ دونوں باتیں واقع ہوئی ہیں لیکن امت پر شاتم رسول کا قتل واجب ہے اور شاتم رسول کی توبہ قابل قبول نہیں ہے"۔ (29))

(اسی طرح دار العلوم دیوبند کے ممتاز عالم دین مولانا حسین احمد مدنیؒ شاگرد شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ نے گستاخ رسول کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ (30)

حضرت شیخ محمد محدث تھانوی کا فتویٰ ہے کہ ہر وہ شخص جو حضور ﷺ سے کوئی عیب منسوب

کرے یا یہ کہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جاننے والا ہوں، یا کسی اور کو حضور ﷺ پر فضیلت دے تو ایسا شخص تمام فقہاء کی نظر میں کافر ہے اور ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا۔(31)

فقہ مالکی

ابومصعب اور ابن ابی اویس نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ ''جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا برا بھلا کہے، آپ ﷺ پر عیب لگائے یا آپ ﷺ میں کوئی نقص نکالے، اسے قتل کیا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان ہو تو اس کی توبہ یا کافر ہو تو اس کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی''۔

الشفا میں اصبغ کا یہ قول بھی درج ہے کہ شاتم رسول ہر صورت میں قتل کیا جائے گا چاہے وہ علانیہ گالی دے یا خفیہ طور پر اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی توبہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ درست ہے یا صرف جان بچانے کی خاطر کی ہے۔(33)

ابوسلیمان خطابی نے لکھا ہے ''میں مسلمان علماء میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کرنے کا قائل نہ ہو جب کہ وہ مسلمان ہو''۔(34)

ابن القاسم نے ابن سحنون کی کتاب کے حوالہ سے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ ''جو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرے اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی روایت مبسوط اور عتبیہ میں درج ہے۔(35)

ابن سحنون مالکی کا فتویٰ تو یہ ہے:

''قال ابن سحنون المالکی اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر''۔

''تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول کافر ہے اور وہ واجب القتل ہے اور جو شخص اس کے کفر کے بارے میں یا اس کی سزا کے بارے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

ابوبکر بن منذر نے کہا ہے ''اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اسے قتل کر دینا چاہئے۔ یہ فتویٰ امام مالکؒ، لیث، امام احمدؒ، اسحاق وغیرہم کا بھی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے''۔(36)

ابراہیم بن حسین بن خالد الفقیہ اسی بات کے قائل ہیں کہ شاتم الرسول کی سزا سزائے موت ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عمل صحابہؓ سے بھی ثابت ہے چنانچہ اس بارے میں وہ حضرت خالد

بن ولیدؓ کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لئے قتل کیا تھا کہ اس نے خالدؓ سے گفتگو کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے ساتھی کہا تھا۔

مالکی مسلک کے مقتدر فقیہہ اور قرطبہ کی عدالت عالیہ کے نامور جج قاضی ابو الفضل عیاضؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الشفاء'' میں توہین رسالت کے تمام پہلوؤں پر شرح وبسط سے گفتگو کرتے ہوئے شاتم رسول کے جرم کو ناقابل معافی قرار دیا ہے۔ کتاب الشفا کے متعلقہ باب کو شامل کتاب ہذا کیا گیا ہے۔

مبسوط کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، وہ واجب القتل ہے یا اسے زندہ سولی دی جائے یا اس کی گردن ماردی جائے''۔(37)

فقہ شافعیؒ

(ابوبکر بن منذر کے حوالہ سے یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ شاتم رسول کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک بھی وہی ہے جو امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ فقہ کا ہے۔ البتہ اختلاف صرف توبہ کے بارے میں ہے کہ کیا توبہ سے حد ساقط ہو جائے گی اور شاتم رسول کی سزا معاف ہو جائے گی کیونکہ کچھ فقہائے مذہب شافعی اور کچھ علمائے احناف کی رائے میں یہ توبہ قبل از گرفتاری ہے جو لائق معافی ہے لیکن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مقدمہ دائر ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کی عدالت میں جب سرقہ کا مقدمہ دائر ہوا تو آپ ﷺ نے حد شرعی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا تھا اور معافی کی درخواست پر اظہار ناراضگی فرمایا''۔(38)

امام ابوبکر الفارسیؒ، جن کا شافعی مسلک سے تعلق ہے شاتم رسول کو واجب القتل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اس اجماع سے ان کی مراد صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اجماع ہے''۔(39))

امام محمدؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے امام مالکؒ کے شاگردوں سے سنا ہے کہ ''جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی نبی کی شان میں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

اس کی سند میں ابن عمرؓ کی وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے عیسائی راہب کی دشنام طرازی کے بارے میں سن کر فرمایا تھا کہ تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔

فقہ حنبلی

عبداللہ نے امام احمد بن حنبلؒ نے دریافت کیا کہ شاتم رسول کی توبہ کے بارے میں ان کا کیا فتویٰ ہے؟ جس پر امام نے فرمایا کہ اس پر قتل واجب ہو چکا ہے اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی، زبان درازی اور تنقیص کرنے والے کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس پر حد واجب ہو جاتی ہے اور یہ حد کافر اور مسلمان ہر ایک پر لاگو ہوگی۔(40)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جن کے پایہ کا فقہ حنبلی میں کوئی مجتہد نہیں اور جو مجدد کے اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہو شاتم رسول کے بارے میں ایک نہایت اہم اور معرکتہ الارا کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' لکھی ہے، جو اس مسئلہ پر مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں امام موصوف نے قرآن و سنت، تعامل صحابہؓ و تابعین اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاتم رسول کو حداً سزائے موت دی جائے گی اور اس سلسلہ میں توبہ قبل الاخذ اور بعد الاخذ یعنی گرفتاری سے قبل یا گرفتاری کے بعد قبول نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے صرف اس فتویٰ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ ایک نصرانی نے رسول کریم ﷺ کی شان میں دشنام طرازی کی ہے تو وہ اسی وقت اپنی مجلس درس و تدریس سے اٹھے اور اپنے سینکڑوں پیروکاروں کے ساتھ حاکم دمشق کے پاس پہنچے اور جرم ثابت ہونے پر اس کے قتل کا مطالبہ کیا۔ اس وقت ان کے ہمراہ شیخ الحدیث علامہ زین الدین عبداللہ بن مروان الفارقی بھی تھے۔ وہ ملزم عیسائی، عوام کے غیض و غضب کے ڈر سے ایک بدوی کے گھر روپوش تھا۔ نائب السلطنت نے اس نصرانی اور اسے پناہ دینے والے بدوی کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے وہاں موجود شہریوں کے ساتھ تلخ کلامی کی، جس پر مجمع مشتعل ہو گیا اور انہوں نے وہیں پر سنگ باری شروع کر دی۔ جس پر نقص امن کی بناء پر حاکم دمشق نے امام ابن تیمیہؒ اور شیخ الحدیث دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان پر تشدد کیا، جسے ان دونوں بزرگوں نے نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیا۔ مقدمہ میں جب اس نصرانی نے صفائی پیش کی اور بری ہو گیا تو ان دونوں حضرات کو رہائی نصیب ہوئی۔ نائب السلطنت نے اپنے اس بے جا اور ناروا سلوک پر ان دونوں سے معذرت طلب کر لی''۔(41)

توہین رسالت کے بارے میں ایک مقالہ مولانا عبدالقادر آزاد مرحوم خطیب شاہی مسجد کا، شرعی عدالت کے ریکارڈ میں شامل ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے

بارے میں لکھا ہے کہ امام موصوف نے چونکہ اس نصرانی کو قتل کر دیا تھا، اس لئے انہوں نے شاتم رسول کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا لیکن یہ بات تاریخی لحاظ سے درست نہیں۔ جس کی تائید مشہور مصری مورخ محمد ابوزہرہ کی کتاب حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ہوتی ہے اس واقعہ کا ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' کا اقتباس بھی شامل کتاب ہذا ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیری کی معروف کتاب ''کتاب الفقہ'' جو چاروں ائمہ فقہ کے مذاہب کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے، اس کے جزء پنجم میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبوت ایک اکتسابی شے ہے اور ریاضت سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ اس نے نبی کریم ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی اور نبی کے آنے کا امکان ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نبی کو گالی دینا جس کی نبوت پر تمام ملت اسلامیہ کا اتفاق ہو تو یہ بھی کلمہ کفر ہوگا۔ اسی طرح کسی نبی میں کسی قسم کا کوئی نقص نکالنا، خواہ وہ جسمانی عیب ہو مثلاً انہیں لنگڑا، لولا کہنا یا ان کے علم کو ناقص بتلانا یا ان کے اخلاق پر طعنہ زنی کرنا، سب کفر کی تعریف میں آتے ہیں۔ کیونکہ ہر نبی ہر لحاظ سے بھی سب انسانوں پر افضل ہوتا ہے اور تمام انبیاء کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم ہر جسمانی عیب سے پاک اور علم و اخلاق کے لحاظ سے سارے جہاں میں سب سے افضل، برتر و اعلیٰ ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی صریحاً کفر و ارتداد ہے''۔ (42)

باب دوم

کتابیات

-1 القرآن سورۃ الاحزاب:57

-2 ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ج3، ص112-113

-3 امام ابو عبداللہ القرطبی الجامع الاحکام القرآن ج10 ص41-42

-4 القرآن 33- 56- 57

-5 القرآن 33-61-62

-6 امام ابوبکر حصاص الحنفی احکام القرآن ج1، ص66

-7 امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ج3، ص223

-8 سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن ج1 تفسیر سورہ بقرہ

9تا10- امام الشوکانی۔ فتح القدیر۔ ج1، ص124-125

-11 علامہ آلوسی البغدادی۔ روح المعانی ج5، ص72-73

-12 امام ابن تیمیہؒ۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص37-40

-13 تفہیم القرآن ج5، ص84-85

-14(ا) الف۔ تفسیر کبیر ج6، ص225

-14(ب) تفہیم القرآن ج5، ص365

-15 نقوش اقبال نمبر ص54

-16 سنن ابوداؤد مترجمہ علامہ وحید الزمان ج3، ص355

-17 صحیح البخاری، کتاب المغازی ج4 ص1482

-18 طبقات ابن سعد ج1، ص374-375

-19 الصارم المسلول۔ امام ابن تیمیہ ترجمہ علامہ احمد حریری، ص276

-20 امام طحاوی، طحاوی باب استتابۃ المرتد

-21 وسائل الشیعہ ج18، ص460

-22 (الف، ب) امام ابن حزم المحلی ج11 ص409

-23 ابوالفضل قاضی عیاض اندلسی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج2،ص205
-24 امام مالک بن انس الموطا مترجم علامہ وحید الزمان۔
-25 ردالمختار حاشیہ درمختار ج3،ص299
-26 امام ابن ہمام۔شرح فتح القدیر ج4،ص407
-27 احکام المرتد فی الشرعۃ الاسلامیہ 107
-28 فتاویٰ عالمگیری ج3،ص460
-29 علامہ انور شاہ کاشمیری اکفاء الملحدین ص41،50،51
-30 علامہ شبیر احمد عثمانی الشہاب الثاقب ص50
-31 فتاوی محدث تھانوی
(32تا37) کتاب الشفاء۔
38 فتاویٰ شامی ج3،ص318
-39 السراج المنیر ج3،ص363
-40 الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص320-340
-41 محمد ابوزہرہ۔حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ترجمہ رئیس احمد جعفری
-42 عبدالرحمٰن الجزیری۔کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج ص805۔

باب سوم

توہین رسالت......جرم وسزا

علمائے قدیم

ابوالفضل قاضی عیاضؒ چیف جسٹس اسپین

ابوالفضل قاضی عیاضؒ کا متقدمین علمائے اندلس میں نہایت ممتاز مقام ہے آپ کی ولادت مراکش کے شہر سبتہ میں سال 496 ھجری میں ہوئی پھر سال 509 ھجری میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اندلس چلے آئے، جوان دنوں یورپ میں علوم وفنون کا مرکز تھا۔ اندلس میں آپ نے اساتذہ وقت سے علم حدیث کے علاوہ فن تفسیر، فقہ، ادب، نحو، انساب اور دیگر علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرلی۔ آپ کا تعلق مالکی مکتب فقہ سے تھا مگر آپ نہایت وسیع النظر عالم وقت تھے۔ اس کے علاوہ آپ عربی کے بلند پایہ شاعر، خطیب اور ادیب بھی تھے اور کئی کتابوں کے مصنب بھی ہیں۔ آپ جذبہ عشق رسول سے سرشار تھے اور آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' اسی عشق وعقیدت، احترام ومحبت کا مظہر ہے اس کے باوجود آپ نے تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ عدل وقضا کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ سال 531 ہجری میں آپ اندلس کے عروس البلاد غرناطہ کے چیف جسٹس ہوگئے۔ متاخرین نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت نگاری اور آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ، احترام وفضیلت اور گستاخی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آپ کی اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے اور یہ ابواب بھی ابوالفضل قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء کے ابواب توہین رسالت کا ترجمہ ہیں جو مولانا سید متین ہاشمی مرحوم نے کیا ہے، جن کے اقتباسات نذر قارئین ہیں۔ ان اقتباسات میں اصل کتاب بھی مصنف کے پیش نظر رہی ہے اس لئے ترجمہ کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

گستاخ رسول کی سزا کے بارے میں احکام

ابوالفضل قاضی عیاضؒ

''جان لو! اللہ ہمیں اور تمہیں نیک توفیق دے''

جو شخص حضور ﷺ کو گالی دے (العیاذ باللہ) یا آپ ﷺ پر عیب لگائے یا کسی نقص کی نسبت آپ ﷺ کی ذات یا نسب یا دین یا آپ ﷺ کی عادات میں سے کسی عادت کی طرف

کرے یا آپ ﷺ کو بطریق گستاخی کسی چیز سے تشبیہ دے یا آپ کو ناقص کہے یا آپ کی شان کو کم کرے یا آپ ﷺ پر یا آپ ﷺ کی کسی بات پر عیب لگائے، تو گویا وہ شاتم النبی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا) ہے"۔ اس کے بارے میں وہی حکم ہے جو صراحتاً آپ ﷺ کو گالی دینے والے کا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح جو شخص (العیاذ باللہ) آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ کے حق میں بددعا کرے یا آپ ﷺ کے لئے کسی ضرر کی آرزو کرے یا آپ ﷺ کی طرف ایسی شے کی نسبت کرے جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ ہو اور اس کا مقصد آپ ﷺ کی برائی یا آپ ﷺ پر عیب لگانا ہو یا آپ ﷺ کی شان میں بیہودہ کلام کرے، آپ کو برا کہے، یا جھوٹ کہے یا آپ ﷺ پر جو سختیاں یا مصیبتیں آئیں ان کی بناء پر عار دلائے یا بشریت کی وجہ سے عادتاً جو عارضے (از قسم بیماری، بھوک، وفات) آپ ﷺ کو لاحق ہوئے ان کی بناء پر آپ ﷺ کی قدر کو کم کرے، یہ سب ناجائز اور حرام ہیں اس پر علماء کرام اور صحابہ کرام سے لے کر آج تک جتنے فتویٰ دینے والے امام ہو کر گزرے ہیں، سب کا اتفاق واجماع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا بھی تقاضا یہی ہے (کہ اسے قتل کر دیا جائے) اور تمام علماء کے نزدیک ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی نیز سفیان ثوریؒ اہل کوفہ اور اوزاعیؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یہ عمل ارتداد ہے"۔ (یعنی آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد کے حکم میں ہے) ولید بن مسلم نے امام مالکؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے بھی یہی روایت ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نقص نکالے یا آپ سے برات کا اظہار کرے یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے، بقول سحنون وہ آپ ﷺ کو گالی دینے والوں میں شمار کیا جاےء گا اور یہ سارے کام ارتداد اور زندقہ کے ہیں۔ اسی بناء پر ایسے شخص سے توبہ کرانے اور اس کی تکفیر کرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس کو قتل کر دینا حد شرعی ہے یا محض تکفیر ہی کافی ہے لیکن اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا شخص مباح الدم (جس کو مار دینا جائز ہو) ہے۔ سلف امت اور تمام دیار وامصار کے علماء اس بات پر متفق ہیں، بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے قتل اور کفر پر اجماع ہے، مشہور بات وہی ہے جو محمد بن سحنون کے حوالے سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ "تمام علمائے امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم النبی یا وہ شخص جو آپ ﷺ میں نقص

نکالے، کافر اور مستوجب وعید عذاب ہے اور پوری امت کے نزدیک واجب القتل ہے۔ جو شخص ایسے شخص کے کافر اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے"۔

ابن القاسم نے عتبیہ میں لکھا ہے کہ "جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے یا آپ ﷺ میں نقص نکالے، اسے قتل کیا جائے اور ساری امت کے نزدیک اس کو قتل کرنے کا حکم اسی طرح ہے جس طرح زندیق کو قتل کرنے کا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو فرض قرار دیا ہے"۔

امام احمد بن ابراہیم کی کتاب میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اور نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے گی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر"۔

عبداللہ بن عبدالحکم سے روایت ہے کہ "جو شخص حضور صلی الہ علیہ وسلم کو گالی دے، اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر"۔

اشہب نے امام مالکؒ سے اور امام مالکؒ نے وھب سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر یا آپ ﷺ کی قمیض گندی میلی ہے اور اس سے اس کا ارادہ آپ ﷺ کی تحقیر کا ہو تو اسے قتل کیا جائے۔

ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ "جس شخص نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کے لئے ویل (عذاب) یا برے امر کی بددعا کی تو اسے بغیر توبہ کرائے قتل کرنا چاہیے"۔

ابوالحسن قابسی نے اس شخص کے بارے میں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا کہ "آپ ﷺ حمال (1) (بوجھ ڈھونے والے) یا ابو طالب کے یتیم تھے"۔ فتویٰ یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے (کیونکہ یہ کہہ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا چاہتا ہے)۔

ابومحمد بن زید القیروانی نے اس شخص کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے کچھ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بارے میں گفتگو کرتے سنا تھا۔ عین اسی وقت ایک بدشکل اور بد ہئیت آدمی وہاں سے گزرا تو اس نے کہا کہ "تم لوگ ان کا حلیہ معلوم کرنا چاہتے ہو؟" لوگوں نے کہا "ہاں" تو اس نے اس قبیح المنظر اور بدہئیت داڑھی والے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہ ایسے ہی تھے"۔ ابومحمد بن زید نے کہا کہ اس کمبخت کی توبہ نہ قبول کی جائے، اس پر خدا کی لعنت ہو اس

لئے کہ اس نے جو کچھ کہا، جھوٹ کہا اور یہ بات کسی ایسے آدمی کی زبان سے نہیں نکل سکتی جس کا ایمان سلامت ہو۔

احمد بن ابی سلیمان صاحب سحون کہتے ہیں کہ "جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سیاہ تھا اسے قتل کیا جائے"۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں (بھی قتل کا فتویٰ دیا) جس سے کہا گیا تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم یہ نہیں ہوسکتا"۔ تو اس نے جواباً کہا "(العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرے" اور بہت بری بری باتیں کہیں۔ ابن ابی سلیمان نے اس آدمی سے جو اس سے مخاطب تھا کہا کہ میں تمہارا ساتھی اور گواہ ہوں۔ وہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اس کار ثواب میں حصہ لیں۔

حبیب بن الربیع کہتے ہیں (وہ بچھو کہہ کر اپنی گستاخی کی تاویل کرنا چاہتا تھا) حالانکہ جس مقام پر کوئی واضح اور صریح لفظ استعمال کیا جائے، وہاں کسی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو ملحوظ نہیں رکھا اس لئے وہ مباح الدم تھا۔

ابوعبداللہ بن عتاب نے اس عشار کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا تھا جس نے عشر وصول کرتے وقت ایک ایسے شخص سے کہا کہ "عشر تو پہلے ادا کردو، اس کے بعد شکایت کرنی ہو تو رسول اللہ ﷺ سے شکایت کردینا۔ میں نے اگر عشر طلب کیا ہے تو اس لئے کہ رسول ﷺ نے طلب کیا اگر میں جاہل ہوں تو (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ جاہل تھے اور انہوں نے بھی عشر طلب کیا تھا"۔

فقہائے اندلس نے بالاتفاق ابن حاتم طلیطلی کے قتل اور سولی دینے کا فتویٰ دیا تھا جس نے ایک مناظرے کے دوران نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ کا زہد اختیاری نہیں تھا بلکہ اگر آپ ﷺ کو دنیوی نعمتیں میسر ہوتیں، تو آپ ﷺ ان کو استعمال کرتے۔(5)

قیروان کے فقہاء اور سحون کے شاگردوں نے ابراہیم فزاری کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔ ابراہیم بہت سے علوم میں مہارت رکھنے والا شاعر تھا اور قاضی ابوالعباس بن طالب کی مجالس مناظرہ میں اکثر حاضر ہوا کرتا۔ اس پر یہ الزام عائد ہوا کہ اس نے اپنے بہت سے اشعار میں اللہ تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام اور سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اسے قاضی یحییٰ بن عمر کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس وقت عدالت میں دوسرے بہت سے نامور فقہاء تھے، قاضی نے اس کی

پھانسی اور قتل کا حکم دیا چنانچہ اسے پھانسی دی گئی۔(6)

حبیبؒ بن ربیع فروی نے کہا ہے اور یہی امام مالکؒ اور ان کے شاگردوں کا مسلک ہے کہ "جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ میں کسی قسم کا نقص نکالے اسے توبہ کرائے بغیر قتل کر دینا چاہیے"۔

ابن عتابؒ نے کہا ہے کہ "یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کو ایذاء پہنچائے یا آپ ﷺ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ، صراحتاً یا کنایتاً کسی قسم کا نقص لگائے، چاہے وہ معمولی سا نقص ہی کیوں نہ ہو اس کا قتل واجب ہے"۔ کیونکہ اس طرح کی تمام باتوں کو علماء نے "سب النبی" (حضور ﷺ پر دشنام طرازی) میں شمار کیا ہے متقدمین ومتاخرین علماء کے نزدیک بالاتفاق ایسا شخص واجب القتل ہے البتہ قتل کا حکم عائد کرنے کے مسئلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ ایسے قتل کی وجہ شتم ہے یا ارتداد!(7)

اس لئے ہی میں کہتا ہوں کہ "جو شخص آپ ﷺ کو حقیر جانے یا آپ ﷺ کو بکریوں کے چرانے والا، سہو ونسیان اور جادو کے حملے یا آپ ﷺ کو زخم لگنے یا آپ ﷺ کے لشکر کی شکست یا دشمنوں کی ایذا رسائی یا آپ ﷺ پر مصائب وشدائد کے نزول یا عورتوں کی طرف آپ ﷺ کے میلان کے حوالوں سے آپ ﷺ کو عار دلائے یا ہدف تنقید بنائے تو ان سب باتوں کا حکم یہ ہے کہ جو شخص ان باتوں سے آپ ﷺ میں نقص نکالنے کا ارادہ کرے، وہ قتل کیا جائے۔(8)

گستاخ رسول کی توبہ قابل قبول نہیں

امام مالکؒ، ان کے ساتھیوں اور سلف کے علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ ایسے بدزبان اور اہانت کرنے والے کو، جو آنحضور ﷺ پر سب وشتم کرے اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سزا کے طور پر اس پر حد جاری کی جائے اور اس کو قتل کیا جائے، باوجودیکہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو کیونکہ ایسے معاملات میں نہ تو اس کی توبہ قابل قبول ہوگی اور نہ اس کا رجوع اس کے لئے نفع بخش ہوگا۔(9)

عدم قبولیت توبہ کی دلیل

جناب محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ اس (نام نہاد) مسلمان کی توبہ، سزائے قتل کو باطل نہیں کرتی جس نے بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخی کی ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شاتم نے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار نہیں کیا البتہ اس نے وہ جرم کیا ہے جس کی سزا اسلامی معاشرے میں قتل ہے اور اس میں کسی معافی کی گنجائش نہیں۔(10)

قاضی ابو محمد بن نصر کی رائے

اس شخص کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ بارگاہ احدیت اور بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخی کے درمیان فرق مشہور قول کی بناء پر، توبہ کا قبول نہ کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نوع بشر سے ہیں اور بشریت کا خاصہ ولازمہ نقص ہے۔ ماسوا ان نفوس قدسیہ کے جنہیں اللہ رب العالمین نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب ونقائص سے منزہ ومبرا ہیں اور اس کا تعلق قسم وجنس سے نہیں، جس کو جنسیت کے سبب نقص لاحق ہو البتہ بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخی اور ارتداد کی طرح سے نہیں کیونکہ مرتد ارتداد کے معنی میں منفرد ہوتا ہے اور اس میں کسی اور شخص کا حق متعلق نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔

لیکن سرور عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کا معاملہ دوسرا ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کا حق بھی متعلق ہو گیا اور یہ بات اسی طرح سمجھی جائے گی کہ جس طرح کسی نے اپنے ارتداد کے وقت کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کو تہمت لگائی ہو۔ اس طرح اس کی توبہ اس مرتکب جرم سے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔

توبہ کی عدم قبولیت کی ایک اور دلیل

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ مرتد کی اس کے جرائم جو حدود شرعیہ چوری، زنا وغیرہ سے پر قائم کی جانے والی ہوں، وہ اس سے ساقط نہیں ہوتیں مگر یہاں اس مسئلہ میں جو حد گستاخ وشاتم پر قائم کی جارہی ہے، وہ اس کے کفر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حد قائم کئے جانے کی وجہ سے ہے کہ اس نے عظمت وحرمتِ نبوی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ توبہ اس حد کو ختم نہیں کرتی۔

شاتم کی وجہ قتل

شیخ ابوالحسن قابسی نے فرمایا کہ جب گستاخ شاتم اپنے جرم کا اعتراف کر کے اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے، تب بھی ارتکاب جرم کی وجہ سے اس کو قتل کی سزا دی جائے گی کیونکہ اس جرم کی سزا قتل ہی ہے۔ البتہ ابومحمد بن زید نے فرمایا کہ سزا کے بارے میں تو شک وشبہ کی بات نہیں ہے، البتہ اس کی توبہ وانابت کا معاملہ چونکہ اللہ اور اس کے درمیان ہے، اس لئے اس کی توبہ (آخرت کیلئے) نفع بخش ہو جائے گی۔ (11)

مسئلہ توہین رسالت اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام المعروف امام ابن تیمیہؒ کی ذات گرامی اہل علم کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ وہ علوم و معارف، دعوت و عزیمت اور تجدید و احیائے دین کے اس بلند ترین مقام پر فائز ہیں کہ سات صدیوں کے گزر جانے کے باوجود آج تک ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر دنیائے اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ شیخ الاسلامؒ کی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں بلا مبالغہ بجا طور پر لکھتے ہیں:

''اسلام میں سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں علماء، فضلاء، مجتہدین، آئمہ فن اور مدبرین گزرے لیکن مجدد بہت کم پیدا ہوئے''۔

علامہ شبلی کی رائے میں مجدد کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:

(1) مذہب، علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب برپا کردے۔

(2) جو خیال اس کے دل میں آیا ہو وہ کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو۔

(3) جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو۔

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور شاہ ولی اللہؒ اس دائرے میں آسکتے ہیں لیکن جو شخص ریفارمر (مجدد) کا اصلی مصداق ہو سکتا وہ امام ابن تیمیہؒ ہیں''۔

امام ابن تیمیہؒ عشق رسول میں ایسے سرشار تھے کہ گستاخ رسالت کی سرکوبی کے لئے انہوں نے نہ صرف شمشیر و قلم کو اپنی پوری قوت کے ساتھ استعمال کیا بلکہ جسم و جان کی ساری توانائیوں کو انہوں نے اس کے لئے کھپا دیا۔ ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول''، امام موصوف کی گراں مایہ تصنیف ہے جس کے ہر ہر حرف سے عشق رسول کی چنگاری نکل رہی ہے، جو شکوک و شبہات کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس کتاب کے چند ابواب کی تلخیص درج ذیل ہے:

گستاخ رسول کے قتل کا جواز

''اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جتنے انبیاء و رسل بھیجے، وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہیں اور تمام انبیاء میں حضور ختمی مرتبت جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا

مقام و مرتبہ بلند تر ہے۔ آپ ﷺ انبیاء اور کائنات کے ذرے ذرے کے رسول ہیں۔ کوئی شخص ان کی رسالت کا اقرار کرے نہ کرے ان کی رسالت سے باہر نہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، مکرم ہیں، معظم ہیں۔ تمام اوصاف حمیدہ اور شمائل طیبہ کے مجسم و پیکر ہیں۔ آپ ﷺ کی شان اقدس میں کسی طرح کی معمولی سے معمولی بے ادبی سے انسان صرف دائرہ اسلام سے ہی نہیں خارج ہوتا بلکہ وہ انسانیت کے دائرے سے بھی باہر ہو جاتا ہے اور خالق کائنات جل وعلا کو زمین پر اس کا وجود بھی گوارا نہیں۔ اس نے ایسے لوگوں پر لعنت کی بوچھاڑ کی ہے اور عذاب الیم ان کا مقدر ہے۔''

ذیل میں وہ آیات واحادیث اور واقعات دیئے جا رہے ہیں، جن کا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں ذکر کیا ہے:

سورۃ توبہ آیت 61-63، سورۃ الاحزاب آیت نمبر 7۔ ان آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ رسول خدا ﷺ کو ایذا دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ہے۔ کیونکہ ایذا دینا مخالفت کا متقاضی ہے تو امر لازم ہے کہ مخالفت ایذا میں داخل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کلام کو اس طرح نہ لایا جاتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایذا اور المحادہ (مخالفت) کفر ہے کیونکہ ایسے شخص کو دائمی اور رسوا کن عذاب کی خبر دی گئی ہے، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اس کی سزا عذاب الیم ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے بلکہ المحادہ دشمنی ہے، کفر بھی ہے اور لڑائی بھی۔ یہ مجرد کفر سے زیادہ شدید ہے، زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا والا کافر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن اور ان سے جنگ اور لڑائی کرنے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے بارے میں سب وشتم سے کام لیتا تو آپ ﷺ فرماتے: من یکفینی عدوی۔ ''میرے دشمن کو میرے لئے کون کافی ہوگا؟'' (یعنی میرے دشمن کا خاتمہ کون کرے گا)۔ اس سے بھی عیاں، اوپر بھی بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب کافر اور حربی ہے اور اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین٥ (المجادلہ:20)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں زبان دراز اگرچہ مسلمان ہو یا کافر، بغیر کسی اختلاف

کے قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہم کا مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں زبان درازی کی یا تنقیص کا مرتکب ہوا مسلمان ہو یا کافر، اس کا قتل کرنا ضروری اور واجب ہو گا۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اعتقاد یہ ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

عبداللہ اور ابو طالب کی روایت ہے۔ حضور ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرنے والے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ اسے قتل کیا جائے گا۔ ان سے کہا گیا کہ اس بارے میں احادیث ہیں، تو انہوں نے کہا۔ ہاں، اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے ایک نابینا کی حدیث ہے جس نے ایک عورت کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے اس عورت کو جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرتے سنا تھا اور حصین سے مروی حدیث میں ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں جس نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں زبان درازی کی تو اسے قتل کیا جائے گا۔

عمر بن عبدالعزیز کہتے تھے، ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ جو نبی کریم ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے، وہ مرتد ہے، اسلام سے خارج ہے اور مسلمان حضور ﷺ کی شان میں کبھی بے ادبی نہیں کرتا۔ عبداللہ کہتے ہیں، میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے، آیا اس کو توبہ قبول کرنے کے لئے کہا جائے گا؟ فرمایا، اس کا قتل واجب ہے اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک ایسے آدمی کو تہ تیغ کر دیا تھا جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور انہوں نے اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور نبی کریم ﷺ کو گالی دیا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ حضور ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں فرمایا۔

یہ حدیث شاتم رسول اللہ کے قتل کے جواز پر نص ہے۔

حدیث ابو برزہؓ کے حوالہ سے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی توہین پر کسی کو قتل کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں اگر کوئی زبان درازی کرتا تو اسے

آپ ﷺ کی خاطر قتل کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ ایسے شخص کے قتل کا حکم کیسے فرماتے، جس کے قتل کی وجہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو۔ لوگوں پر آپ ﷺ کی اس بارے میں اطاعت فرض ہے کیونکہ آپ ﷺ وہی حکم فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ جس نے رسول پاک ﷺ کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یہ حدیث حضور نبی کریم ﷺ کی دو خصوصیات کو واضح کرتی ہے:

(1) قتل کے سلسلے میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

(2) یہ کہ اس آدمی کو قتل کیا جائے جس نے آپ ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے۔

حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جس نے بھی آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی، اس کا قتل جائز ہے بلکہ آپ ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لے جانے کے بعد اور زیادہ ضروری ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حرمت اکمل اور آپ ﷺ کی عزت کی خاطر کسی قسم کا تساہل ناممکن ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی، اس کا قتل جائز ہے۔ اس حدیث کے عموم سے مسلمان اور کافر دونوں کے قتل کا استدلال کیا جائے گا۔

وجوبِ قتل کے شرعی دلائل

(ا): رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو کعب بن اشرف کے قتل کرنے کا اس لئے حکم دیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا۔ اسی طرح جو شخص بھی آپ ﷺ کو گالی دیتا یا آپ ﷺ کی ہجو کہتا آپ ﷺ اس کو قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، ماسوا اس شخص کے جس پر قابو پانے کے بعد آپ ﷺ اسے معاف کر دیں اور رسول کریم ﷺ جس بات کا حکم دیں اس کی تکمیل واجب ہوتی ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کو قتل کرنا واجب ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت وحیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ امر بالجہاد اور اقامت حدود کی تعمیل کے لئے یہ بات مناسب بھی ہے، اسی لئے یہ واجب ہے۔ اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے سے اللہ اور رسول ﷺ کی نصرت کا ترک لازم آتا ہے، جو جائز نہیں۔

(ب): اقوال صحابہ جو تعین قتل کے سلسلہ میں نص کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً جناب فاروق اعظمؓ کا یہ قول کہ: ''جس نے اللہ کو یا اس کے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کر دو''۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے بطور خاص اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''جو معاہد عناد رکھتا ہو اور اللہ یا اس کے کسی نبی کو گالیاں دے یا علانیہ ایسا کرے تو اس نے عہد توڑ دیا اسے قتل کر دو''۔ تو گویا حضرت ابن عباسؓ نے گالی دینے کی صورت میں معاہد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

دشنام طراز عورت کے قتل کا جواز

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے المہاجر کو اس عورت کے بارے میں لکھا تھا جس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں۔ فرماتے ہیں:

''اگر وہ بات نہ ہوتی جو پہلے تم اس عورت کے بارے میں کر چکے ہو تو میں تجھے اس کے قتل کا حکم دیتا، اس لئے کہ انبیاء کی وجہ سے جو حد لگائی جاتی ہے وہ عام حدود کی طرح نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مسلم ایسا کرے تو وہ مرتد ہو گا اور اگر معاہد اس کا مرتکب ہو تو وہ محارب اور عہد شکن ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''اس عورت کو قتل کرنا بطور خاص واجب تھا بشرطیکہ یہ موقع چلا نہ گیا ہوتا''۔ اس میں حاکم وقت کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ دشنام دہندہ عورت ہو۔ یہ واقعہ تنہا اس کی دلیل بن سکتا ہے، جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے اس راہب کے قتل بارے میں کہا تھا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

''اگر میں اس کی بات سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا''۔

(ج): جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر عہد شکنی کرتا ہے، تو اس کا حال اصل حربی کافر سے شدید تر ہے اور وہ شخص دین کو ہدف طعن بنا کر اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے کر ہمارے عہد سے نکل جائے، اسے عبرت خیز سزا دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا فھم لا یومنون. (الانفال:55)

(اللہ کے نزدیک، جو لوگ کافر ہو گئے، چوپایوں کی مانند ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے)

اس قسم کی آیات میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر تم جنگ میں ان لوگوں کو پاؤ تو (انی عبرتناک سزا دیجئے) کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں ممکن ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں یعنی ایسا سلوک کیا جائے کہ دوسرے لوگوں کا شیرازہ ہی اس کو دیکھ کر بکھر جائے۔

قرآن میں فرمایا:

''تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی پہلی مرتبہ اس کا آغاز کیا تھا''۔ (سورۃ توبہ:13)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا جو اپنی قسموں کو توڑنے اور رسول کریم ﷺ کو یہاں سے نکال دینے کا ارادہ کرتے ہیں اور انہوں نے ہی نقض عہد کا ارادہ کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، وہ رسول ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کرنے اور پہلی مرتبہ اس کا آغاز کرنے سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ قرآن میں مزید فرمایا:

''ان سے لڑائی کیجئے، اللہ ان کو تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا، انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ عطا کرے گا اور اہل ایمان کے سینوں کو شفا دے گا اور تمہارے دلوں کے غصے کو دور کرے گا'' (التوبہ: 15-14)

اور یہی حال ہے ان کفار کو عبرتناک سزا دینے کا جو گالی دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ مقصد اسی صورت میں پوری طرح حاصل ہوتا ہے، جو شخص ایک طاقتور گروہ کے اندر رہ کر عہد شکنی کرے اور ہم ان میں سے کسی ایک کو گرفتار کرلیں تو وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ ان کے خلاف لڑنے اور ان پر غلبہ پانے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

دشنام طراز عورت اور معاہد (اہل معاہدہ) کے قتل کا جواز

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد شکنی کے خلاف قتل وقتال از بس ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ مقصد اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں اگرچہ ہر ناقض عہد شامل ہے جو ایذا دے کر اپنا عہد توڑتا ہے، مگر یہاں اس کا ذکر خصوصی دلالت کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ دلالت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ جب ذمی یا معاہد نبی کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اس سے دو امر ظاہر ہوں گے:

(1) ہمارے اور اس کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔

(2) وہ رسول کریم ﷺ کی بےحرمتی کی جسارت کرکے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو ایذا دیتا اور دین کو ہدف طعن بناتا ہے اور یہ بات اس کے کافر ہونے اور محض عہد توڑنے سے بڑھ کر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ مسلم عورت کے ساتھ زنا کرکے، رہزنی اور قتل کرکے، مسلمانوں کا مال لے کر اور ان کو قتل کرکے عہد شکنی کا مرتکب ہو۔ اندریں صورت اس کا فعل عہد شکنی کے علاوہ ایک اور جرم بھی ہے۔ اس لئے کہ زنا، رہزنی اور قتل بذات خود ایک جرم ہے، مگر نقض عہد ایک جداگانہ جرم بھی ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کی دشنام طرازی بذات خود نقض عہد سے ایک الگ جرم ہے۔ اس کی ایک جداگانہ سزا ہے جو دنیا و آخرت میں دی جاتی ہے۔ یہ سزا رسول کریم ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی سزا سے ایک الگ سزا ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل

آیات ہیں:

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار ہے''۔(الاحزاب:57)

اس آیت میں دنیا اور آخرت کی لعنت اور رسوا کن عذاب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ایذا رسانی ہی اس کی موجب ہے۔

قرآن میں مزید فرمایا:

''اگر عہد باندھنے کے بعد اس کو توڑ ڈالیں اور دین پر طعنہ زن ہوں تو بڑے بڑے کافروں کو قتل کر دو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا کہ وہ باز آ ئیں''۔(التوبہ:12)

مندرجہ صدر آیات کی توضیح پیچھے گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کو امان دی جو قبل ازیں آپ ﷺ سے برسر پیکار رہا کرتے تھے اور جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ کر خیانت کا ارتکاب کیا تھا، ماسوا چند لوگوں کے جن کو آپ ﷺ نے امان نہیں دی تھی۔ ان میں سے دو لونڈیاں تھیں جو آپ ﷺ کی ہجو پر مشتمل گیت گایا کرتی تھیں۔ ایک عورت سارہ تھی جو بنی عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی اور مکہ میں آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔ اندریں اثناء آپ ﷺ نے ہجو گوئی کرنے والی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حالانکہ عورت کو قتل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ مصروف حرب و پیکار رہی ہو۔

رسول کریم ﷺ نے سب اہل مکہ کو امان دی حتیٰ کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے جنگ لڑی اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا ایسا کرنے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو گوئی ایک ایسا جرم ہے جو تنہا حرب و قتال سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ دو متماثل امور میں تفریق رسول کریم ﷺ کا شیوہ نہیں ہو سکتا، جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس نے ایک مسلم کو قتل کیا تھا علاوہ بریں وہ مرتد تھا اور آپ ﷺ کی ہجو گوئی کیا کرتا تھا اور قتل، ارتداد اور ہجو گوئی میں سے ہر جرم ایسا ہے کہ وہ کفر اور جنگ لڑنے سے بھی بدتر جرم ہے۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا جو فتح مکہ کے بعد بھی آپ ﷺ کو ستایا کرتے تھے مثلاً ابن الزبعری، کعب بن زہیر، حویرث بن نقید، ابن خطل و دیگر اشخاص حالانکہ آپ ﷺ نے سب شہر والوں کو

امان دے دی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث کے خون کو ھدر قرار دیا تھا اور ابوسفیان اور عبداللہ بن امیہ کو شرف باریابی حاصل کرنے سے اس لئے منع کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان قیدیوں میں سے صرف ابن ابی معیط اور النضر بن الحارث کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ دوسرے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا تھا اور جو شخص بھی ایسے اشخاص کو قتل کرنے میں اپنی جان دے دے، اسے آپ ﷺ اللہ اور اس کے رسول کا حامی وناصر قرار دیتے تھے۔ اپنے ایذا دینے والے کو آپ ﷺ نے قتل کروا دیا۔ فرمایا کرتے تھے:

"کون ہے جو مجھے میرے دشمن کے لئے کافی ہے"۔

آپ ﷺ کے صحابہ بھی ایسے موذی کو قتل کرنے میں تیزی سے کام لیا کرتے تھے، چاہے وہ ان کا باپ ہو یا کوئی اور (قرابت دار) ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس قسم کے لوگوں پر جب قابو پاتے تو ان کو قتل کرنے کی منتیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اگر عام غیر معاہد کفار کی طرح ہوتے تو آپ ﷺ انہیں قتل نہ کرتے اور نہ ان کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ آپ ﷺ نے سب لوگوں کو امان دے دی تھی اور ان جیسے لوگوں سے اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا کفر سے بڑھ کر جرم ہے۔ قبل ازیں اس پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایک دانا آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک ایسا جرم ہے، جو تمام جرائم کی نسبت زیادہ گھناؤنا اور قبیح ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا ایک ایسی سزا کا مستحق ہوتا ہے کہ دیگر جرائم پیشہ لوگ اس کا استحقاق نہیں رکھتے۔ وہ ایسا حربی کافر ہی کیوں نہ ہو، جو مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں مبالغہ کی حد تک منہمک ہو۔ نیز ایسے شخص سے انتقام کی دین میں سخت تاکید کی گئی ہے۔ اس کا خون بہانا افضل الاعمال میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اس میں ممکنہ سرعت وعجلت کر کے رضائے خداوندی حاصل کی جائے۔ یہ بلیغ ترین جہاد ہے، جس کو اللہ نے اپنے بندوں پر لکھ رکھا اور اسے فرض قرار دیا ہے۔

گالی دینا ایک جداگانہ جرم ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ذمی اہل اسلام یا معاہدین میں سے کسی کو گالی دے اور عہد کو توڑ ڈالے تو گالی دینے کی وجہ سے وہ اس سزا کا مستحق ہوگا، جس کا مستحق وہ محض نقض عہد کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینا عام آدمی کو گالی دینے سے مختلف فعل ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دشنام دہندہ کی گالی اور ہجو سے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح الم

و رنج ہوتا ہے جس طرح اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ آپ ﷺ کے خون اور مال میں تصرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ایحب احد کم ان یا کل لحم اخیہ میتا فکر ھتموہ ط

''کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے جب کہ وہ مر چکا ہے پس تم اسے ناپسند کرو گے''۔ (الحجرات:12)

اس آیت کریمہ میں غیبت کو جو کہ صحیح معنی میں ایک کلام ہے اس شخص کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے جس کی چغلی کھائی گئی، جب کہ وہ مرا پڑا ہو۔ جب غیبت کا یہ حال ہے تو پھر بہتان طرازی کی کیا کیفیت ہوگی؟ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بہتان طرازی کے سوا اور کیا ہے؟ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے''۔

گالی دینے سے دوسرے لوگوں کو بھی دکھ پہنچتا ہے اور جس طرح اس سے تمام مومنوں کو الم و رنج پہنچتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔ کفر و محاربہ سے کسی انسان کو اتنی اذیت نہیں پہنچتی جتنی اس صورت میں پہنچتی ہے جب کہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے عزتی بھی کی جائے۔

اگر معترض کہے کہ جو شخص عہد شکنی کر کے رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جو عہد شکنی کا مرتکب ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرنا اور آپ ﷺ کو ایذا دینا ایک ایسا جرم ہے، جس کا رسول کریم ﷺ کی خصوصیت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی کی خصوصیت کے اعتبار سے کوئی بدلہ موجود ہی نہیں۔ گویا یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص کسی نبی کو قتل کر دے تو اس کے قتل کی سزا اتنی شدید ہے کہ وہ کفر و محاربہ سے بھی شدید تر ہے۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کا خون اور ان کی ناموس مومنین کے خون اور ناموس سے اولیٰ و افضل ہے۔

رسول کریم ﷺ کے خلاف دشنام طرازی ارتداد سے بڑا جرم

رسول کریم ﷺ کو گالی دینا، کفر وقتال کی جنس میں سے ہونے کے باوصف، تنہا ارتداد سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلم کا رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ارتداد بھی ہے اور اس سے بڑھ کر جرم بھی۔ جب دین میں داخل ہو کر اس سے نکل جانے کی وجہ سے مرتد کا کفر دوبالا ہو گیا ہے تو اس کا قتل کرنا عین واجب ہے۔ بناء بریں دشنام دہندہ جس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے تمام مومن بندوں کو اذیت دی، اس کے کفر کا شدید تر ہونا اولیٰ اور اس لئے متعین طور پر قتل کا مستحق ہے اس لئے کہ کفر کے انواع میں گالی کا فساد ارتداد سے بھی عظیم تر ہے۔

مرتد عورت کے قتل کرنے کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے۔

قبل ازیں ہم گالی دہندہ ذمی وغیر ذمی عورت کو قتل کرنے کے بارے میں رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کے اقوال وارشادات نقل کر چکے ہیں اور جس مرتد آدمی سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اس کا حکم بھی یہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ دشنام دہندہ کو قتل کر دیا کرتے تھے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کا کفر شدید تر ہے، اس لئے اس کو متعین طور پر قتل کرنا اولیٰ ہے۔

کرہ ارض کو سب وشتم رسول سے پاک کرنا واجب ہے:

روئے زمین کو دشنام رسول کے اظہار سے پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے، اس لئے کہ یہ بات غلبہ دین کی تکمیل، اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے اللہ کے لئے خالص ہونے کا لازمی عنصر ہے۔ اگر علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالی دی جائے اور اس کے مرتکب سے انتقام نہ لیا جائے تو دین کا غلبہ باقی نہ رہے گا اور اللہ کا کلمہ بلند نہیں ہو گا۔ یہ اسی طرح ضروری ہے کہ جس طرح کرہ ارض کو زانیوں، چوروں اور رہزنوں سے بقدر امکان پاک کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ روئے زمین کو اصل کفر سے پاک کرنا واجب نہیں اور دونوں قسم کے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو ذمی کی حیثیت سے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے یہاں رہنے کی اجازت دینا، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی نہ کرتے ہوں اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے منافی نہیں۔ کافر سے مصالحت کرنا یا متوقع مصلحت کے پیش نظر اس کو امان دینا جائز ہے اور جس جرم سے زمین کو

پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے، اس مجرم کو شریعت میں مقرر کردہ سزا دینا جب کہ دوسرا کوئی حاکم اس پر متعین نہ ہو، ضروری ہے۔ پس اس آدمی کو قتل کرنا ہی ایک طے شدہ امر ہے کیونکہ اس جرم کی باز پرس کرنے والا دوسرا کوئی نہیں، اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور تمام مومنین کا حق اس سے وابستہ ہے۔ بایں وجہ دشنام دہندہ اور کافر کا فرق اس سے واضح ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کافر علانیہ یا پوشیدہ طور پر اپنے کفر پر قائم رہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بھی ہو برخلاف اس شخص کے جو علانیہ گالی دینے کا مرتکب ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے دشنام طراز کا قتل اور حد شرعی

رسول اکرم ﷺ کے گالی دینے والے کو قتل کرنا اگرچہ ایک کافر کا قتل ہے، تاہم وہ حدود شرعیہ میں سے ہے اور محض کفر و قتال کی وجہ سے قتل کرنا نہیں ہے جیسا کہ سابق الذکر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا جرم ہے جو کفر و قتال سے بھی بڑھ کر ہے نیز یہ کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ کفر و قتال کی یہ سزا نہیں ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول اس عورت کے بارے میں پہلے میں گزر چکا ہے، جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ کہ وہ واجب القتل تھی کیونکہ انبیاء کی حدود دیگر حدود کی طرح نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ حربی قیدی اور اس قسم کے کفار اور محاربین کے قتل کرنے کو حد نہیں کہا جاتا نیز اس لئے کہ دارالاسلام میں رسول کریم ﷺ کو علانیہ گالی دینا، عظیم فساد اور بہت سے جرائم سے عظیم تر ہے لہٰذا اس کے لئے ایک ایسی سزا کا مقرر کرنا جو اس کے ارتکاب سے باز رکھنے والی ہو ازبس ناگریز ہے۔ اس لئے کہ شارع ایسے مفاسد کی کھلی اجازت نہیں دیتا اور اس کو موانع و عواقب سے خالی نہیں رکھتا اور اجماع و سنت کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی سزا قتل ہے اور یہ کسی معین زندہ آدمی کے ساتھ زیادتی کرنے کی سزا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور ہر مومن کا حق ہے جو اس وقت سامنے موجود نہیں اور جو حد ایسی ہو اس کو بالاتفاق قائم کرنا ضروری ہے۔

رسول کریم ﷺ کا اکرام و احترام

رسول کریم ﷺ کی نصرت و اعانت اور اکرام و احترام واجب اور آپ ﷺ کے دشنام طراز کو قتل کرنا واجب ہے۔ اگر ایسے آدمی کو قتل کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی تائید و نصرت اور توقیر نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کی قلیل ترین نصرت ہے۔ اس لئے کہ گالی دینے والا ہمارے قبضہ میں

ہے اور ہمیں اس پر قدرت حاصل ہے۔ اگر ہم اسے قتل نہ کریں حالانکہ اس کو قتل کرنا جائز ہے تو یہ حد درجہ کی رسوائی اور تحقیر و تذلیل ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلے کی توضیح کے کچھ اور طریق بھی ہیں جو ہمارے بیان کردہ طریق سے مختلف ہیں۔ ہم نے یہاں طوالت سے اس لئے کام نہیں لیا کہ پہلے مسئلہ میں ذکر کردہ دلائل غور کرنے والے کے لئے ہیں کہ وہ اس کے وجوب قتل پر دلالت کرتے ہیں۔ اگرچہ پہلے مسئلہ میں ہمارا مقصد اس کے قتل کا مطلق جواز تھا جب کہ یہاں اس کے وجوب قتل علی الاطلاق کا بیان پیش نظر ہے۔ وہاں ہم نے ان لوگوں کے بارے میں لکھا تھا جہاں گالی دینے والے اہل کتاب اور مشرکین کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ آغاز اسلام میں تھا جب کہ آپ ﷺ کو عفوو درگزر کا حکم دیا گیا تھا۔ اس وقت تک آپ ﷺ کو اہل کتاب سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ گالی دینے والے کو معاف کرنے کے مجاز تھے، اس لئے کہ یہ جرم زیادہ تر آپ ﷺ کے حق سے متعلق تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔

گستاخِ رسول کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے

اس امر کی دلیل کہ شاتم رسول کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے، اگرچہ وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کا اظہار کرے، اس کے لئے مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے اور جمہور کا مذہب یہی ہے:

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (الاحزاب: 57)

یہ اس کے قتل کا مقتضی ہے اور اس کا قتل حتمی اور قطعی ہے۔ اگرچہ پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ بھی کر چکا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں۔

گالی فساد میں شامل ہے۔ اس لئے کہ گالی روئے زمین پر اصل فساد کی موجب ہے کیونکہ گالی کی وجہ سے نبوت میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نبوت دنیا اور آخرت میں دین کی صلاح و فلاح کا ستون ہے۔ چونکہ گالی دینے والا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا اور (خدا کی زمین میں) فساد کی کوشش کرنے والا ہے لہٰذا واجب ہے کہ آیت میں مذکورہ سزاؤں میں سے ایک سزا اسے دی جائے۔ الا یہ کہ قابو پانے سے پہلے توبہ کر لے۔ قبل ازیں ہم ایسے دلائل پیش کر چکے ہیں کہ اس کی سزا بصورت قتل ایک مسلمہ بات ہے جس طرح رہزنی کے دوران قتل

کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ پس واجب ہے کہ یہ سزا اسے دی جائے بجز اس صورت کے جب کہ وہ قابو آنے سے قبل تائب ہو جائے۔ وہ دشنام دہندہ جس کے خلاف شہادت قائم ہو جائے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے تو اس نے قابو میں آنے کے بعد توبہ کی اس لئے سزا اس سے ساقط نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حربی کافر جب پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے تو مطلقاً اس سے توبہ ساقط نہیں ہوگی۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے عقیلی سے کہا تھا:

"اگر تو یہی بات اس وقت کہتا جب تو بااختیار تھا تو پوری طرح فلاح پا جاتا"۔

مزید براں یہاں متعدد طرق سے مروی احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دشنام دہندہ کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے۔ جو شخص رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھے، آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اسے قتل کیا جائے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی مقتضی ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے خواہ ہم حدیث سے ظاہری مفہوم مراد لیں یا اس کو اس شخص پر محمول کریں جو رسول کریم ﷺ پر ایسا جھوٹ باندھے جس سے آپ ﷺ کی زندگی داغدار ہوتی ہو۔ شعبی کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس نے العزیٰ نامی بت کا مال تقسیم کرنے کے بارے میں آپ ﷺ کو مورد طعن بنایا تھا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کر دیا تھا جو رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا پھر اس کی تائید میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی حالانکہ یہ رسول کریم ﷺ کی ادنیٰ قسم کی تحقیر تھی، پھر اس سے بڑھ کر تحقیر کی سزا اور کیا ہوگی؟

ہم نے قبل ازیں اس سے استدلال کیا ہے کہ دشنام دہندہ اسلام لائے تو بھی اسے قتل کیا جائے۔ ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے پہلے اسلام لا چکا تھا اور توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا جیسا کہ ہم نے متعدد راویوں سے نقل کیا ہے یا وہ اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تھا پھر آپ ﷺ نے بیعت کرنے سے توقف کیا۔ آپ ﷺ کو یہ انتظار تھا کہ کوئی آدمی اٹھ کر اسے قتل کر دے۔ یہ حدیث اس ضمن میں نص کا درجہ رکھتی ہے کہ اس قسم کے طعن کرنے والے مرتد کی توبہ قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اسے قتل کرنا واجب ہے اگرچہ توبہ کرنے آیا ہو یا توبہ کر چکا ہو۔

قبل ازیں ہم اس ضمن میں ایسے دلائل کا ذکر کر چکے ہیں کہ اب ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ ہم نے ذکر کیا تھا کہ حدیث نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ گالی ایک گناہ ہے جو عام کفر سے الگ ہے بلکہ یہ محاربہ کی جنس سے ہے اور وہ توبہ جس کی وجہ سے مرتد کا خون محفوظ ہو جاتا ہے وہ کفر سے توبہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنگ کر کے مثلاً کسی کو قتل کر کے یا مسلمان کا مال لے کر مرتد ہوا ہو جیسا کہ قبیلہ عرینہ والوں نے نیز مقیس بن صبابہ نے کیا تھا کہ اس نے ایک انصاری کو قتل کیا اور اس کا مال لے کر مرتد ہو کر لوٹ گیا تھا تو ایسے شخص کو قتل کرنا ایک مسلمہ بات ہے جس طرح رسول کریم ﷺ نے مقیس بن صبابہ کو قتل کیا تھا اور جیسا کہ عرینہ والوں کے بارے میں آپ ﷺ کو وحی کی گئی تھی: ''ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے''۔ اس لئے جو شخص عداوت اور محاربہ پر مبنی کلام کرے گا وہ اس کی طرح نہ ہوگا جو صرف مرتد ہو۔

شاتم واجب القتل ہے

ابوبکر بن المنذر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس حکم کے قائلین میں سے امام مالک بن انس اور امام لیث اور امام احمد اور امام اسحاق ہیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے۔

ابوبکر فارسی جو کہ امام شافعی کے ساتھیوں میں سے ہیں نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو انہوں نے بیان کیا ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے۔ اس سے ان کی مراد مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''نبی ﷺ کو گالی دینے والے اور عیب گیری کرنے والے کے قتل پر امت کا اجماع ہے اور اسی طرح کئی اور علماء سے اس کے قتل کرنے اور کافر ہونے پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ جو کہ کبار ائمہ میں سے ہیں کہتے ہیں مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں سے کسی چیز کو رد کیا یا اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی نبی کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ساری شریعت کا اقرار کرتا ہو۔ خطابی کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جو اس شخص کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کرتا ہو۔ محمد بن سحنون کہتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو سب وشتم کرنے اور آپ ﷺ کی عیب گیری کرنے

والا کافر ہے اور اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے اور امت کے ہاں اس کا حکم قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔

شیخ الاسلام ابوالعباس کہتے ہیں:

''قابل تحریر بات یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے بارے میں گالی گلوچ کیا، اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بغیر اختلاف کے اس کی سزا قتل ہے اور یہ ائمہ اربعہ اور دیگر دوسرے ائمہ کا مذہب ہے''۔

ائمہ مجتہدین کے اس اجماع کے بعد کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اس کی سزا بطور حد قتل مقرر ہے۔

علمائے جدید کے فتاویٰ اور مقالات

علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دورِ حاضر کی وہ عہد آفرین شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے علم وفکر اور تدبر سے یورپ کی ملحدانہ یلغار کے دھاروں کا رخ اپنی پوری قوت کے ساتھ موڑ دیا۔ ان میں سے کسی کی سیاسی حکمت عملی سے اختلاف ہوسکتا ہے لیکن ان کی دینی بصیرت اور علمی دیانت سے انکارِ حق وصداقت کا انکار ہے۔ راقم کا علامہ اقبال اور مولانا آزاد سے تو قلب وذہن کی گہرائیوں سے تعلق ہے لیکن اسے مولانا مودودی کے فکر ونظر سے براہ راست استفادہ کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان تینوں منتخب روزگار شخصیتوں کے جس تابناک پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر اور ان سے قریب تر کر دیا ہے وہ ان کا حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ عشق وعقیدت ہے۔ علامہ اقبال کے عقیدے اور تابناک فکر وعمل کا ذکر کتاب کے سابقہ اور اگلے ابواب میں موجود ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا نایاب مقالہ اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی کے فکر انگیز علمی اور تحقیقی مضمون سے سرورِ عالم ﷺ کی شانِ جلالی آشکار ہے۔ یہ مضمون مولانا نے 1927ء میں اس وقت لکھا تھا جب لاہور ہائیکورٹ کے ایک جج دلیپ سنگھ نے گستاخ رسول راج پال کو بری کر دیا تھا۔ اس لئے بھی اس مضمون کی تاریخی اہمیت ہے۔ مضمون اگرچہ مختصر ہے مگر نہایت جامع اور تمام بنیادی نکات کا احاطہ کئے ہوئے ناقابل تردید دلائل وبراہین کا آئینہ دار ہے۔

سرکار رسالت مآب ﷺ کا احترام اور اس کے ایمانی اور قانونی تقاضے

مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد بیسویں صدی کے درمیان علم وفضل کے جس بلند مقام پر کھڑے ہوئے ہیں وہ ان کی عبقریت کا آئینہ دار ہے۔ اپنی تحریر اور تقریر میں توحید ورسالت کے جو معارف اور حقائق انہوں نے بیان کئے اور اس کے لئے جو اسلوب نگارش اختیار کیا ہے وہ بھی بالکل منفرد اور یگانہ ہے۔ سرکار رسالت مآب ﷺ کی ذات مقدس اور اقدس سے جو عقیدت اور محبت مولانا کو تھی اس پر ان کی تحریر اور تقریر کا ایک ایک لفظ گواہ ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے احترام اور اس کے مقام کے بارے میں مولانا نے ایک نہایت بلند پایہ مقالہ سپرد قرطاس کیا تھا جو ''دورالہلال'' کی امانت ہے جبکہ مولانا نے ابھی عملی سیاست کی وادی پرخار میں قدم نہیں رکھا تھا۔ یہاں اس شہ پارے سے یہ دکھلانا مقصود ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں ذراسی سوادبی بھی الحاد اور ناقابل معافی جرم ہے۔

ایک صاحب نے مولانا سے استفسار کیا تھا کہ عیسائی، حضرت مسیحؑ کو بلا تامل ''مسیح'' لکھتے اور بولتے ہیں اور بعض مواقع پر اختصار کا تقاضہ بھی یہی ہوتا ہے۔ کیا کوئی مذہبی حکم اس بارے میں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ ضرور بولے جائیں''۔ اس پر مولانا نے جو جواب دیا تھا وہ نذر قارئین ہے: (رسول رحمت ﷺ باب پنجم ص 34)

سچا احترام اور اس کا مقام

آپ نے ایک اصولی بحث چھیڑ دی۔ افسوس کہ فقیر آپ کے اس خیال سے کبھی متفق نہیں ہوسکتا۔ بے شک سچا ادب اور احترام وہی ہے جو دل سے ہو نہ کہ زبان سے مگر یہ صرف اسی پر موقوف نہیں۔ انسان کا کوئی اعتقاد اور خیال ایسا نہیں جس کا گھر ''دل'' کی جگہ ''حلق'' میں ہو۔ اعتقاد چیز ہی ایسی ہے جو دل ودماغ سے تعلق رکھتی ہے۔

کما قال اللہ تعالی:

''**ولما يدخل الايمان في قلوبكم**'' اور جب کہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (الحجرات:14)

یعنی ایمان کی جگہ دل ہے نہ کہ زبان۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دل کے اعتقاد کا ترجمان کون ہے؟ کیونکر معلوم ہو کہ یہ دل ابوذر غفاریؓ کا ہے اور یہ دل ابوجہل شقی کا؟ جواب صاف ہے کہ صرف اعمال اور زبان کا اعتراف کہ "نحن نحکم بالظواھر"۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر دنیا میں سیاہ وسفید کی تمیز ہی اٹھ جائے۔ قانون کو دیکھئے کہ وہ نیت اور ارادے کو ان کی پوری جگہ دینے سے انکار نہیں کرتا لیکن ساتھ ہی اگر آپ عدالت میں جا کر مجسٹریٹ کو یور آنر (Your Honour) کی جگہ محض "تم" کر کے خطاب کیجئے گا تو گو آپ کتنا ہی کہیں کہ تعظیم کی جگہ دل ہے، زبان نہیں، لیکن امید نہیں کہ وہ آپ کو دفعہ نمبر 177 (موجودہ دفعہ 228) سے بری کر دے۔

اقرار تصدیق اور عمل

مذہب کا بھی ایک روحانی قانون ہے اس نے خود ہی "انما الاعمال بالنیات" (تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے) کا اصول قائم کیا ہے لیکن ساتھ ہی اعمال ظاہری اور لسانی کو بھی وہ اہمیت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود قرآن کریم کے بار بار اظہار کے کہ ایمان کا تعلق محض دل و اعتقاد سے ہے، ہم نے یہ نہایت سچی تعریف اسلام کے عقاید میں تسلیم کی ہے کہ

اقرار باللسان و تصدیق بالجنان و عمل بالارکان (اقرار زبان سے، تصدیق دل سے اور عمل اعضاء وجوارح سے)

آپ کہتے ہیں کہ تعظیم کی اصل جگہ دل سے ہے، میں کہتا ہوں چونکہ دل ہے، اسی لئے آج کل کے تعلیم یافتہ اشخاص کی شان اور عمل تعظیم سے خالی ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو وہ زبان پر گزرے اور محبت واحترام سے خالی ہو؟ اگر آپ کسی کو چاہتے ہیں تو سمجھ سکیں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں:

قسم بنام تو خوردن دلیل غیرت نیست
بخاک پاک تو آں ہم کمال بے ادبی است

ایک محدث کا ارشاد

آج کل کے ارباب تحریر وتقریر کو اکثر دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بقول آپ کے آنحضرت ﷺ کے اسم سامی کے تعظیمی الفاظ کی طوالت سے گھبرا کر "بانی اسلام" کی ایک اصطلاح تصنیف کر لی ہے۔ وہ بلا تامل اپنی تحریر وتقریر میں "بانی اسلام نے یوں کیا" اور "بانی

اسلام نے اس طرح کہا" بولتے اور لکھتے ہیں۔اس طرح ٹھیک ٹھیک ان کی زبان ان کے دلی الحاد کی ترجمانی کرتی ہے۔اگر یہ سچ ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت ﷺ کی تعظیم ہے تو ان کو تو بار بار اسم محبوب ومطلوب درود وصلوٰۃ کے ساتھ لینا تھا کہ محبوب کی یاد کی جتنی تقریبیں نکل آئیں، عین مقصود و عشق ہیں۔ایک جلیل القدر محدث سے جب پوچھا گیا کہ علم حدیث سے اس درجہ شوق کیوں ہے؟ تو اس نے کہا "اس لئے کہ اس میں بار بار" قال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسم گرامی کے ذکر اور اس پر درود وصلوٰۃ عرض کرنے کی تقریب ہاتھ آجاتی ہے۔

تعظیم کے نصوص

یہ نہ سمجھئے گا کہ محض اعتقاد قلبی اور جوش تعظیم واحترام اسلامی اس اعتقاد کا ذریعہ ہے، نہیں بلکہ فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کی یہ تعظیم اسی بھی ایسے نصوص قطعیہ پر مبنی ہے، جس سے کوئی قائل قرآن تو انکار نہیں کرسکتا۔

جب بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ میں آیا تو آنحضرت ﷺ مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ نادانوں نے دروازے سے آپ ﷺ کا اسم سامی لے لے کر پکارنا شروع کردیا کہ "یا محمد (ﷺ) اخرج الینا" اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے ساتھ اتنی گستاخی بھی گوارا نہ ہوئی اور ارشاد ہوا:

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثر ھم لا یعقلون. ولو انھم صبرو احتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم. ط

(الحجرات 5:4)

"اے پیغمبر! جو لوگ تمہیں مکان کے باہر سے نام لے لے کر پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کو مطلق عقل اور تمیز نہیں۔ بہتر تھا کہ وہ صبر کرتے اور جب تم باہر نکلتے تو مل لیتے"۔

اس آیت سے پہلے کی آیت میں فرمایا:

"اے مسلمانو! جب آنحضرت کے حضور میں عرض حال کرو تو اپنی آوازوں کو ان کی آواز سے بلند کر کے گفتگو نہ کرو اور نہ بہت زور سے بات چیت کرو جیسا کہ تم آپس میں کیا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کے سبب سے تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

خطاب میں امتیاز تعظیمی کی شان

خدا تعالیٰ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ آپ کی جناب میں کوئی اونچی آواز سے گفتگو کرے، چہ جائیکہ تعظیم و تکریم کے بغیر نام لیا جائے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے خود آپ ﷺ کے اس امتیاز تعظیمی کی شان کا نمونہ ہر جگہ قائم رکھا ہے۔ جس قدر انبیائے اولوالعزم سے تخاطب قرآن میں موجود ہے، جگہ جگہ آپ پائیں گے کہ ان کا اصلی نام اور علم لے کر انہیں پکارا گیا ہے مثلاً ''یا ادم اسکن انت وزوجک'' ''وما تلک بیمینک یا موسیٰ'' یا دائود انا جعلناک خلیفته فی الارض'' یا زکریا انا نبشرک بغلام اسمه یحییٰ خذ الکتاب بقوه'' یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی'' اس طریق تخاطب کے مطابق چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یا محمد! یا احمد کہہ کر پکارتا مگر اللہ کو اس درجہ آپ کا احترام کرانا مقصود تھا کہ تمام قرآن میں ایک جگہ بھی آپ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا، بلکہ جہاں کہیں پکارا یہ یا تو صدائے تعظیم و تکریم سے مثلاً ''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک'' یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین'' یا پھر صدائے محبت و عشق سے: یا ایھا المزمل'' ''یا ایھا المدثر! وکل ما یفعله المحبوب، محبوب:

اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ آپ ﷺ کے نام کی عزت و احترام کی مثال کیوں نہ قائم کرتا حالانکہ جس شہر کی خاک آپ ﷺ کے قدموں سے مس ہوئی ہے اس کو تو وہ بھی اس درجہ محبوب ہے کہ اس کی قسم کھاتا ہے:

لا قسم بھذا البلد و انت حل بھذ البلد.

''اے پیغمبر! ہم شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس لئے کہ تم اس میں مقیم ہو''۔(البلد:2'1)

محبت اور ایمان

حقیقت یہ ہے کہ دلی اعتقاد ایک بیج ہے جو بغیر محبت کے بار آور نہیں ہوتا اور محبت کے لئے احترام و تعظیم ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم پر زور دیا گیا اور کہا گیا کہ تعزروہ و توقروہ (فتح:9) یعنی ان (ﷺ) کی تعظیم کرو اور ان (ﷺ) کا احترام بجا لاؤ! محدثین نے اس مسئلے پر بہت بحث کی ہے کہ مومن کے لئے اللہ کی اور آنحضرت ﷺ کی محبت بھی اتباع احکام کی طرح اجباری ہے یا اختیاری؟ کیونکہ محبت اختیاری

شے نہیں اور اصل مقصود احکام اسلام کی پیروی ہے، لیکن غور کیجئے تو اس سوال کی یہاں گنجائش ہی نہیں، محبت اختیاری و اجباری ہونے کا سوال تو جب پیدا ہو، جب محبت اور ایمان دو چیزیں ہوں، حالانکہ ایمان تو از سرتا پا محبت ہے اور وہ ایمان نہیں جو محبت سے خالی ہو۔

والذین امنو اشد حبا للہ. (بقرہ:165)

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی محبت اللہ سے نہایت شدید ہے۔

یہاں ارباب ایمان کی یہ علامت بتلائی اور دوسری جگہ یہودیوں کے اس دعوے پر کہ "نحن ابنا اللہ و احبائہ"

یہ جواب دیا کہ

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم و اللہ ھو الغفور الرحیم. (31:3)

"اگر تم واقعی محبت الٰہی کے مدعی ہو تو اس کی یہ صورت ہے کہ رسول کا اتباع کرو پھر تمہارے محبت کرنے کی ضرورت نہ رہے گی خود خدا تم کو اپنا محبوب بنائے گا اور وہ تمہارے گناہوں کو بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔

اگر آنحضرت ﷺ کا اتباع محبت و محبوبیت الٰہی کے لئے شرط ہے تو محبت بدرجہ اولیٰ شرط ہے کیونکہ جس کی محبت آپ کے دل میں نہیں، اس کا اتباع کیا کیا جائے گا؟

احادیث کی شہادت

صحیحین کی اس مشہور حدیث کے بھی یہی معنی ہیں کہ:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین.

"تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک میں اس کے نزدیک محبوب تر نہ ہوں، اس کے ماں باپ سے، اس کی اولاد سے اور اتنا ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں سے"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ "انت احب الی من کل شیء الانفسی " آپ (ﷺ) محبوب تر ہیں۔ مجھ کو تمام چیزوں سے، البتہ میری جان سے زیادہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ "والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی

اکون احب الیک من نفسک"

ترجمہ: قسم خدا کی تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھ کو اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "انت احب الی من کل شی حتی نفسی" اب دیکھتا ہوں تو آپ ﷺ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ "الان یا عمر" اے عمرؓ تیرا ایمان مکمل ہو گیا۔

تو حضرت! اپنا اعتقاد تو یہ ہے انصاف کیجئے کہ میں کہاں ہوں اور آج کل زمانہ کہاں ہے؟ لوگ جس شے کو ایمان کی اقلیم کہتے ہیں، میں تو اس کو، اس وجود محبوب و مطلوب کے ایک ذرہ محبت کے اندر دیکھتا ہوں۔ اسی سے تعظیم و تکریم اسی ورسمی جو کچھ اپ کو مقصود ہو قرار دے لیجئے۔

ترا نوالہ دمادم زخوان یطعمنی
ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی
مرا تو قبلۂ دینی۔ ازاں سبب گفتم
بہ مرداں کہ لکم دینکم ولی دینی

گستاخ رسول کے قتل کا جواز قرآن وسنت سے
(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

رسول اللہ ﷺ کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لئے اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپ ﷺ کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے۔ نسائی میں کئی طریقوں سے ابو برزہؓ الاسلمی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ: ''حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی گردن مار دوں؟ یہ سنتے ہی آپ کا غصہ دور ہو گیا اور آپ نے جھڑک کر مجھے فرمایا ما ھذا لاحد بعد رسول اللہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ کسی کا درجہ نہیں ہے کہ ان ﷺ کی گستاخی کرنے والے کو قتل کی سزا دی جائے''۔

''ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک اندھے مسلمان کی لونڈی نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور اس مسلمان نے تکلے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ دوسرے دن جب اس کے مارے جانے کی خبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا ہے اس کو میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ اندھا گرتا پڑتا آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ فعل میں نے کیا ہے۔ وہ میری لونڈی تھی۔ مجھ پر مہربان تھی، مگر آپ ﷺ کی شان میں بہت بدگوئی کرتی تھی۔ میں اسے منع کرتا تو نہیں مانتی تھی۔ میں ڈانتا تو اس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ کل رات پھر اس نے آپ ﷺ کو برا کہا۔ اس پر میں اٹھا اور تکلا چبھو کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سب لوگ گواہ رہیں کہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے''۔

''اسی طرح بخاری شریف میں کتاب المغازی میں کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ موجود ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کر کے اور قریش کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا کر آپ ﷺ کو ایذا دیتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے محمد ابن سلمہؓ کے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا۔ ابی داؤد میں کعب ابن اشرف کے قتل کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ:

''وہ نبی ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور کفار قریش کو آپ ﷺ کے خلاف جوش دلاتا تھا''۔

قسطلانی میں بخاری کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:

''وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا تھا، اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا اور قریش کو ان کے خلاف بھڑکاتا''۔

ابن سعد نے بھی اس کے قتل کی یہی وجہ بیان کی:

''وہ ایک شاعر تھا۔ نبی علیہ السلام اور آپ ﷺ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا اور ان کے خلاف لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتا تھا''۔

کتب فقہ میں اس کے متعلق صریح احکام موجود ہیں اور اس کے بعد مولانا مودودی، علامہ شامیؒ اور شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور اقوال کا جو پہلے بیان ہو چکے ہیں حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

''پس جزئیات میں فقہا کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو، مگر رسول ﷺ کی اس عظمت میں حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی حرمت وعزت کے متعلق کیا احکام ہیں۔ اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے''۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز
مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ

مفتی اعظم سعودی عرب سماحۃ الشیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز دنیائے اسلام کی ممتاز دینی شخصیت ہیں۔ راقم خاکسار کو ان کی اعلیٰ علمی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ مجھ پر ان کی شفقتِ خاص مبذول رہی ہے۔

وہ علمائے سلف کے حوالہ سے گستاخ رسول کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔

''امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر (الجامع الاحکام القرآن) میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **"ولئن سالتهم ليقولن انما كنا نخوض و نلعب قل ابا لله وايـاتـه و رسـولـه كنتم تستهزؤن لا تعتذرو قد كفر تم بعد ايمانكم"** اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی مذاق اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو''۔

قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں جو انہوں نے اس بارے میں بات کہی ہے وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو انہوں نے سنجیدگی سے کہی ہے، مذاق سے، یہ بات جس طرح سے بھی ہو کفر ہے۔ کفریہ انداز سے مذاق بھی کفر ہوتا ہے۔ اس بات میں امت کے اندر کوئی اختلاف نہیں۔

ابوبکر بن المنذر رکہتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس حکم کے قائلین میں سے امام مالکؒ بن انس اور امام لیثؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ ہیں اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں رقم طراز ہیں:

''جس نے نبی ﷺ کو گالی دی، مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور یہ عام اہل علم کا مسلک ہے۔ پھر انہوں نے ابوبکر ابن المنذر رکا وہ کلام نقل کیا ہے جو قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ ابوبکر فارسی، جو کہ امام شافعیؒ کے ساتھیوں میں سے ہیں، نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو انہوں نے بیان کیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے یا اس سے ان کی مراد مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''نبی ﷺ کو گالی دینے والا مسلمان یا کافر ہے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے''۔ یہی اہل اسلام کا مذہب ہے۔

گستاخِ رسول کی سزا

(مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ دیوبند کے وہ ممتاز عالم دین ہیں جنہوں نے حق کی شہادت دیتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ میری اپنی شہادت کے لئے درخواست پر حاضرین کی مجلس میں فرمایا ابھی آپ کے لئے ایسا حکم نہیں ہے۔ توہین رسالت کے بارے میں مولاناؒ کا ایک مبسوط مضمون ماہنامہ بینات میں یکم ربیع الاول 1413 ہجری سال 1992ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی تلخیص نذر قارئین ہے۔

''اسلامی قانون کی رو سے توہین رسالت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق ہے اور اس مسئلہ پر تمام صحابہؓ و تابعینؒ اور فقہائے امت متفق ہیں۔ انگریز کے دور اقتدار میں ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے کوئی قانون نہیں تھا لیکن راجپال جیسے ازلی بدبختوں نے آنحضرت ﷺ کی عزت پر ناپاک حملے کئے اور وہ غازی علم الدین شہید جیسے فدائیان رسالت کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے تو انگریز کو مذہبی رہنماؤں کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے قانون وضع کرنا پڑا۔ چنانچہ 1927ء میں تعزیرات ہند میں دفعہ ''295 الف'' ایزاد کی گئی جو (لفظ ''پاکستان'' کے اضافہ کے ساتھ) مجموعہ تعزیرات پاکستان مطبوعہ یکم جولائی 1962ء میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

''دفعہ 295۔ الف: جو کوئی شخص ارادتاً اور اس عداوتی نیت سے کہ پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے، بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری، اس جماعت کے معتقدات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے اس کو دونوں اقسام میں سے کسی ایک کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی''۔

چونکہ توہین رسالت کے جرم کی یہ سزا (جو انگریزی قانون نے تجویز کی اور جسے تعزیرات پاکستان میں جوں کا توں رکھا گیا تھا) بالکل ناکافی تھی، اس لئے 1984ء میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ C-295۔ سی کا اضافہ کیا گیا اور اس کے ذریعہ اس جرم کی سزا ''سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ'' تجویز کی گئی، اس دفعہ کا متن حسب ذیل ہے:

''جو شخص الفاظ کے ذریعہ خواہ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں یا دکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعے یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا طنز کے ذریعہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے، اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا''۔

تعزیرات پاکستان کی یہ دفعہ 295-C بھی اسلامی قانون سے ہم آہنگ نہیں تھی کیونکہ اس میں اس سنگین جرم کی سزا موت یا عمر قید تجویز کی گئی تھی، حالانکہ توہین رسالت کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ اس لئے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں اپنے ایک فیصلہ بمقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان، صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ 30 اپریل 1991ء تک اس قانون کی اصلاح کی جائے اور اس دفعہ میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ حذف کر کے توہین رسالت کی سزا صرف موت قرار دی جائے، اگر اس تاریخ تک حکومت نے اس قانون کی اصلاح نہ کی تو اس تاریخ کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے اور صرف سزائے موت ملک کا قانون قرار پائے گا، لیکن حکومت نے اس تاریخ سے قبل اس قانون کی اصلاح نہیں کی، اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق دفعہ 295-C میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ کالعدم قرار پائے اور قانون یہ بن گیا ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف موت ہے۔

ہمارے قانون ساز اداروں کو بعد از وقت خیال آیا کہ اس قانون کی اصلاح ہونی چاہئے اور دفعہ 295-C میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ حذف کرنے چاہئیں چنانچہ قومی اسمبلی نے 2 جون 1992ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔

8 جولائی 1992ء کو سینٹ نے توہین رسالت کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا:

قومی اسمبلی میں اس بل پر جو مباحثہ ہوا تھا اور اسمبلی کے فاضل ارکان نے اس بل کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا، اس سلسلہ میں یہ امور لائق توجہ ہیں:

اول: یہ کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت حکومت کو ہدایت کر چکی ہے کہ 30 اپریل 1992ء کے بعد دفعہ 295-C سے ''یا عمر قید'' کے الفاظ از خود کالعدم قرار پائیں گے اور ''توہین رسالت کی سزا موت'' ملک کا قانون قرار پائے گا، اگر اس تاریخ سے پہلے یہ بل قانون ساز ادارے میں پیش کیا جاتا تو اس پر قومی اسمبلی میں بحث کرنا لائق فہم ہوتا لیکن اس تاریخ کے بعد اس بل کو قومی اسمبلی میں لانا اور اس پر مخالفانہ بحث کرنا ہی بلا جواز ہے اور قومی اسمبلی جیسے موقر

ادارے سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہئے کہ اس طرح کی بلا جواز اور لایعنی بحثوں میں وقت ضائع کرے۔ چنانچہ ملک کے معروف قانون دان جناب محمد اسماعیل قریشی اور ظفر علی راجہ کا درج ذیل بیان اخبارات میں 17 اگست 1992ء میں شائع ہوا:

''لاہور (سٹاف رپورٹر) ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس پاکستان کے سربراہ محمد اسماعیل قریشی اور سیکرٹری جنرل ظفر علی راجانے کہا کہ توہین رسالت کی سزا موت مقرر کرنے کے لئے قومی اسمبلی میں بحث بلا جواز ہے کیونکہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق توہین رسالت کی سزا موت مقرر ہو چکی ہے اور یہ ملک کا نافذ العمل قانون ہے۔ انہوں نے گزشتہ روز ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی درخواست پر وفاقی شرعی عدالت نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ 30 اپریل 1991ء تک توہین رسالت کی سزا صرف موت مقرر کر دی جائے ورنہ اس تاریخ کے بعد (توہین رسالت کے جرم کی) سزا ''موت'' ملک کا قانون بن جائے گا۔ وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی اور بعد میں وزیراعظم نے ہمارے رابطہ کے بعد اعلان کیا کہ یہ اپیل حکومت کے ایماء پر دائر نہیں کی گئی بلکہ حکومت کے اہلکاروں کی غلطی سے دائر ہوئی ہے اور اس اپیل کو واپس لے لیا گیا اور سپریم کورٹ نے حکومت کی یہ اپیل خارج کر دی، اس کے بعد اب توہین رسالت کی سزا اس ملک میں صرف موت ہے۔

دوم: جن فاضل ارکان نے یہ کہا ہے کہ ''رسول کریم صلی علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار، پانچ شاتم رسول قتل کیے گئے، اس لئے شاتم رسول کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے'' افسوس ہے کہ ان کی معلومات ناقص ہیں اور اس سے جو نتیجہ انہوں نے اخذ کیا ہے وہ بھی غیر منطقی ہے۔ اس لئے کہ شاتم رسول کو سزائے موت دینا صرف آنحضرت ﷺ کے زمانے تک محدود نہیں تھا بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماعی فیصلہ تھا، جس پر اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ عملدرآمد ہوتا رہا اور جس پر تمام فقہائے ملت متفق ہیں۔ پس یہ سزا ہمیشہ سے اسلامی قانون میں شامل رہی ہے۔

مولانا احمد سعید کاظمی کی عالمانہ توضیحات

مولانا احمد سعید کاظمی مرحوم کا علمائے اہل سنت والجماعت میں ممتاز مقام ہے۔ آپ بلند پایہ عالم دین تھے۔ مجھ خاکسار سے مولانا کے ساتھ نفاذ اسلام کے بارے میں کافی علمی مباحث ہوتے رہے ہیں۔ شاتم رسول کے بارے میں مولانا کا موقف بالکل واضح ہے۔

"کتاب وسنت، اجماع امت اور تصریحات ائمہ دین کے مطابق توہین رسول کی سزا صرف قتل ہے۔ رسول ﷺ کی صریح مخالفت توہین رسول ہے۔ قرآن مجید نے اس جرم کی سزا قتل بیان کی ہے۔ اسی بناء پر کافروں کے قتل کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

ذالک بانھم شاقو اللہ و رسولہ (سورۃ انفال:13)

یعنی کافروں کو قتل کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح مخالفت کر کے ان کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ توہین رسول کفر ہونے پر بکثرت آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔ مسلمان کہلانے کے بعد کفر کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور ازروئے قرآن مرتد کی سزا صرف قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم اویسلمون ج (سورۃ الفتح:16)

"اے رسول ﷺ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے، عنقریب تم سخت جنگ کرنے والوں کی طرف بلائے جاؤ گے۔ تم ان سے قتال کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے"۔

یہ آیت مرتدین اہل یمامہ کے حق میں بطور اخبار بالغیب نازل ہوئی اگرچہ بعض علماء نے اس مقام پر فارس وروم وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے لیکن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل روایت نے اس آیت کو مرتدین بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے حق میں متعین کیا ہے:

"حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں ہم اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (مرتدین) بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے قتال کی طرف مسلمانوں کو بلایا۔ اس وقت ہم سمجھے کہ اس آیت کریمہ میں یہ مرتدین ہی مراد ہیں"۔

ثابت ہوا کہ اگر مرتد اسلام قبول نہ کرے تو ازروئے قرآن اس کی سزا قتل کے سوا کچھ

نہیں۔قتل مرتد کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے:

''حضرت علیؓ کے پاس (مرتد ہو جانے والے) زندیق لوگ لائے گئے،تو آپ نے انہیں جلا دیا۔اس کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر (آپ کی جگہ) میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں انہیں قتل کرا دیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو (مسلمان) اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کردو۔

گستاخ رسول کا قتل

غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے توہین رسول کے مرتکب مرتد کو مسجد حرام میں قتل کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا۔حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔کسی نے حضور ﷺ سے کہا کہ حضور ﷺ ابن خطل (آپ ﷺ کی شان میں توہین کرنے والا) کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اقتلوہ اسے قتل کردو۔

یہ عبداللہ بن خطل مرتد تھا۔ارتداد کے بعد اس نے کچھ ناحق قتل کیے۔رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔اس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔جب حضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلاف کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کی گردن ماردی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ اس دن ایک ساعت کے لئے حرم مکہ کو حضور ﷺ کے لئے حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن بالخصوص مسجد الحرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کا قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ رسول باقی مرتدین سے بدرجہا بدتر و بدحال ہے۔

اجماع امت

شاتم رسول کے واجب القتل ہونے کے بارے میں تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ اس کے ثبوت میں مولانا نے امام ابوسلیمان الخطابی، قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی، امام ابوبکر بن المنذر کی روایات اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ مالک بن انسؒ، لیثؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی قاضی عیاض نے فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرمان کا بھی یہی اقتضا ہے۔کہا ہے ان ائمہ کے نزدیک شاتم

رسول کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔امام ابوحنیفہؒ ان کے شاگردوں، امام ثوریؒ، کوفہ کے اکثر علماء امام اوزاعی کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ان کے نزدیک یہ ردۃ (ارتداد) ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے واضح کر دیا ہے:

''بے شک ہر وہ شخص جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی یا حضور کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا یا حضور ﷺ کی ذات مقدسہ، آپ ﷺ کے نسب، دین یا آپ ﷺ کی کسی خصلت سے کسی نقص کی نسبت کی، یا آپ ﷺ پر طعنہ زنی کی یا جس نے بطریق دشنام اہانت یا تحقیر کی یا شان مبارک یا ذات مقدسہ کی طرف کسی عیب کو منسوب کرنے کے لئے حضور کو کسی چیز سے تشبیہ دی، وہ حضور ﷺ کو صراحتاً گالی دینے والا ہے، اسے قتل کر دیا جائے۔ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثناء نہیں کرتے، نہ ہم اس میں کوئی شک کرتے ہیں۔خواہ صراحتاً توہین ہو یا اشارتاً کنایتاً اور یہ سب علماء امت اور اہل فتویٰ کا اجماع ہے عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔چاروں ائمہ (ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ) سے یہی منقول ہے۔

امام ابن ہمام حنفی کے نزدیک جو شخص رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل میں بغض رکھے، وہ مرتد ہے۔آپ ﷺ کو گالی دینے والا بطریق اولیٰ مستحق گردن زدنی ہے پھر (مخفی نہ رہے کہ) یہ قتل ہمارے نزدیک بطور حد ہوگا۔

کتاب الخراج میں امام ابو یوسف کا فیصلہ ہے:

''جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا تکذیب کرے یا عیب لگائے یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کا (کسی اور طرح سے) مرتکب ہو، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی''۔

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق کسی شے میں حضور ﷺ پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا اگر کوئی حضور ﷺ کے بال مبارک کو ''شعر'' کی بجائے (بصیغہ تصغیر) ''شعیر'' کہہ دے وہ کافر ہو جائے گا اور امام ابوحفص الکبیر (حنفی) سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور ﷺ کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام محمد نے ''المبسوط'' میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے۔

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہو، وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔

مولانا سید متین ہاشمیؒ کے دلائل و براہین

مرتکب توہین رسالت کے بارے میں مولانا کا خون دل سے لکھا ہوا یہ ایمان افروز مقالہ ہے جس میں ایک نئی جہت سے شاتم رسول کی سزا بطور حد سزائے موت ثابت کی گئی ہے۔

مولانا سید متین ہاشمی تحریک ناموس رسالت میں پیش پیش رہے ہیں۔1992ء میں ہی وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، لیکن توہین رسالت کے مقدمہ کا فیصلہ ان کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا۔ جب یہ فیصلہ میں نے انہیں سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

شتم رسول کفر و شرک سے بڑا جرم ہے

''میرے نزدیک حضور ﷺ اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہیں کیونکہ توحید کے معاملے میں تو قبل از تحریف تمام مذاہب شریک ہیں حتیٰ کہ مشرکین مکہ بھی کم از کم یہ تو مانتے تھے کہ خالق و مالک مبدی، معید، نافع، ضار، اللہ تعالیٰ ہی ہے البتہ وہ سفارش اور شفاعت یا تقسیم اختیارات کے مسئلے میں مسلمانوں سے اختلاف کرتے تھے'' چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''ولئن سألتهم من خلق السموات و الارض و سخر الشمس و القمر ليقولن الله'' (العنکبوت:61)

لہٰذا وہ چیز جو حق و باطل اور کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والی ہے، وہ ذات پاک جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ آپ ﷺ کی تصدیق کا نام ایمان اور تکذیب کا نام کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے دور مبارک و مسعود سے لے کر آج تک جب بھی کوئی جماعت یا فرد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے ذات اقدس ﷺ کو ہدف بناتا ہے۔ مدعیان نبوت نے ذات اقدس کو ہی ہدف بنایا۔ ان کے بعد بھی جملہ ملحدین و کفار نے آپ ﷺ ہی پر اعتراضات وارد کیے۔ دیانند سرسوتی ہو یا جے پال، مغربی پادری ہوں یا عیسائی علماء، انہوں نے کبھی عقیدہ توحید پر کھل کر اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیشہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ پر ہی ایمان لانا اسلام ہے لہٰذا اگر میں یہ کہوں کہ حضور ﷺ ہی ایمان ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

اس بات پر امت کے اولین و آخرین کا اجماع ہے کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اس

کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور امت کا یہ اجماع قرآن کی اس آیت کے عین مطابق ہے:

''اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آئے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے اور وہ بھی پھٹکار پڑے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل جائیں، پکڑے جائیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں''۔

صحابہ کرام کا شاتم رسول کے بارے میں عملاً اور صریحاً اجماع ہے کہ انہوں نے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ عرفہ ابن الحارثؓ جو کہ صحابی ہیں، عکرمہؓ بن ابی جہل کے ساتھ یمن میں مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ ان کے پاس سے ایک عیسائی گزرا، جس کا نام بندقون تھا، تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے حضور ﷺ کے متعلق غلط جملہ استعمال کیا۔ آپ اسے پکڑ کر والی مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس لے گئے۔ والی مصر نے نصاریٰ کو بلایا اور فرمایا کہ ہم انہیں عہد دے چکے ہیں۔ حضرت عرفہؓ نے فرمایا:

''معاذ اللہ، کیا ہم نے اس کا اس لئے عہد و ذمہ لیا کہ یہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق ایذا دیں۔ ہم نے تو صرف یہ ذمہ لیا ہے کہ ہم ان کے درمیان اور ان کے کنائس (عبادت گاہوں) کے درمیان کوئی مداخلت نہیں کریں گے یعنی اپنی عبادت گاہوں میں وہ جو چاہیں کریں اور ہم نے اس بات کا ذمہ لیا کہ ہم ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور ان کی جان و مال اور عبادت گاہوں کی حفاظت کریں گے، نیز ان کے درمیان اور ان کے احکام کے درمیان کوئی مداخلت نہیں کریں گے مگر یہ کوئی مقدمہ ہمارے پاس لائیں تو ہم ان کے درمیان اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے''۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: ''صدقت'' آپ نے سچ کہا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

دوسری روایت بھی اسی کتاب کے اسی صفحہ پر حضرت عمیر بن امیہؓ سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری ایک بہن مشرکہ تھی اور حضور ﷺ کے متعلق سب وشتم کرتی، تو آپ ایک دن تلوار لے کر آئے اور اسے قتل کر دیا، تو آپ کے بھانجوں نے چیخ و پکار کی اور کہا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے ماں باپ مشرک ہیں اور ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا گیا نیز ہم اپنی ماں کے قاتل کو جانتے ہیں۔ حضرت عمیرؓ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی بے گناہ نہ قتل کر دیا جائے تو آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''تو نے اپنی بہن کو قتل کیا؟'' جواب دیا: ''جی ہاں''۔ فرمایا ''کیوں؟'' کہا کہ: ''آپ ﷺ کے متعلق نازیبا الفاظ کہہ کر مجھے ایذا دیتی تھی''۔ تو رحمت عالم ﷺ نے مقتولہ کے لڑکوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے بے گناہ آدمی کو قاتل قرار دیا، تو آپ ﷺ نے پورے معاملہ سے مطلع فرماتے ہوئے ان کا خون معاف کر دیا (رواہ الطبرانی)

جناب عرفہ نے جب اپنا نظریہ پیش کیا تو حضرت عمرو بن العاص ؓ کا "صدقت" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچانا اور اس طرح مومنین کو ایذا پہنچانا نا قابل معافی جرم ہے۔ حضرت عمیر بن امیہ ؓ کا اپنی بہن کو قتل کر دینا اور حضور ﷺ کا ان کی بہن کے خون کو ھدر (رائیگاں) قرار دینا اس بات پر دلیل ہے کہ شاتم رسول واجب القتل ہے، خواہ مسلمان ہو یا ذمی۔

سزائے موت بطور حد

مذکورہ بالا روایات، نیز ان تمام روایات سے، جو دیگر علماء نے پہلے پیش کیں، یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان حضرات نے شتم رسول کو کفر ہی نہیں قرار دیا، بلکہ حد قرار دیا اور کسی نے بھی شاتم سے استتابت (توبہ طلب) نہیں کی، لہذا ثابت ہوا کہ شاتم خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی، بلکہ اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اس مقام پر عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ استتابت اور توبہ کی اگر اجازت دے دی جائے تو نبی اکرم ﷺ کی حرمت سے لوگ کھیلنے لگیں گے۔ العیاذ باللہ سب وشتم کریں گے اور یہ جان کر کہ توبہ کرنے سے حد سے بچ جائیں گے، توبہ کر لیں گے۔ اس طرح ان کی جرات بڑھے گی۔ علامہ احمد فتحی بھنسی نے اپنی کتاب ''السیاسۃ الجنائیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ'' طبع قاہرہ 1965ء ص 140 پر مرحوم ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کے حوالے سے لکھا ہے:

''جب ہم توبہ کرنے والے کی ''حد'' معاف کرنا شروع کر دیں، گویا کہ ہم بہت سے ایسے لوگوں کو معاف کریں گے جو زبان سے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی، تو اس وقت حدود اللہ ضائع ہو جائیں گے اور مجرم محارم اللہ کو توڑنے کی جرات کریں گے اور ہمیشہ کہتے رہیں گے تبنا و انبنا الی اللہ ہم نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں رجوع کر لیا ہے''۔

لہٰذا شاتم رسول ﷺ کے لئے قرآنی آیات، احادیث، اجماع صحابہ اور مصالح زمانہ کے تحت استتابت کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور وہ واجب القتل ہے۔ احادیث اور اجماع کے باعث جملہ فقہاء امت کا بھی اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم رسول قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی، نہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔

گستاخ رسول کی سزائے قتل شریعت میں

مولانا عبدالمالک کاندھلوی

مولانا کاندھلوی مرحوم کا تعلق علمائے دیوبند سے تھا اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث رہے ہیں اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے متوسلین میں سے ہیں۔ شاتم رسول کے لئے قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں سزائے موت تجویز کرتے ہیں۔

شاتم رسول کی سزا قتل ہے

ائمہ امت کے تمام فقہاء اور ائمہ مفسرین اور محدثین کا فیصلہ ہے کہ توہین رسول اللہ کی سزا موت ہے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور ابوبکر بن عربی نے کتاب ''احکام القرآن'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآن اور رسول خدا ﷺ کی توہین اور تمسخر ایسا کفر ہے کہ جس کے بارے میں امت نے کبھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کی زندگی میں اگر صرف ایک مرتبہ یہ بات پیش آئے یا اس کی کتاب اور تحریر میں ایک بھی جملہ ایسا پایا جائے، وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے اور شیخ الاسلام کے اس فیصلے سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ توہین رسالت کا درجہ قتل پیغمبر کے برابر ہے اور جو چیز قتل کے برابر شمار کی جائے، شریعت کے قانون میں اس پر قتل کی سزا جاری کرنے میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔

علامہ شامی جن کا فتویٰ امت مسلمہ میں سند شمار کیا گیا اور اسلامی عدالتیں ان کے فتویٰ پر عمل کرتی رہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا جس میں کئی فصلیں ہیں ان میں سے ایک فصل کا تعلق توہین رسول اللہ کے ارتکاب کرنے والے کے واجب القتل ہونے سے ہے، چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب میں امام تقی الدین ''السیف المسلول علی من سب الرسول'' سے نقل کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو بھی شخص آنحضرت ﷺ کی شان میں توہین کرے، اس کی سزا قتل ہے اور ثابت کیا کہ یہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری، شام و عراق اور مصر کے تمام قاضیوں اور مفتیوں کا یہی فتویٰ عدالتوں میں نافذ و جاری رہا۔ ان نقول اور حوالے سے یہ چیز نہایت واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ توہین رسول کے مرتکب شخص کے بارے میں تاریخ اسلام میں کبھی کوئی اختلاف نہیں پایا گیا اور صحابہ کے عمل سے بھی اس بات کا ثبوت ملا کہ انہوں نے ایسے مجرم کو سزائے موت

دی اور آنحضرت ﷺ نے اس کی توثیق فرمائی اس موقع پر ہم یہ بات واشگاف لفظوں میں کہنا چاہتے ہیں کہ اگر عدالتی سطح پر کسی ایک عدالت کا کسی مقدمہ میں فیصلہ نظیر قرار دیا جاتا ہے اور اس پر عدالتیں نظیر قرار دے کر فیصلے کرتی ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع تمام ائمہ کا اجماع اور سب سے بڑھ کر بارگاہ رسول اللہ ﷺ سے صادر شدہ فیصلہ ہماری عدالت نہ مانتے اور اس کے مطابق اس جرم کی سزا، سزائے موت تسلیم نہ کرے۔ ہم ایسی صورت میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اسلامی ملک کی عدالت اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور امت کے اجتماعی فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہم اپنے اس مدعا کو ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی یہ واضح ترین آیت:

ملعونین اینما ثقفوا اخذوا و قتلو تقتیلا (سورہ احزاب:61)

یہ الفاظ وضاحت کے ساتھ اس قانون الٰہی کو بیان کر رہے ہیں کہ ایسے ملعون مجرمین کی معافی کسی طرح ممکن نہیں ہے، جہاں پر بھی ملیں اور جس طرح ان پر قابو پایا جاسکے ان کو پکڑا جائے اور ان کو قتل کیا جائے۔

قرآن کریم نے منافقین کا کردار اور ان کی گستاخیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ ذکر کیا:

یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله و للمومنین ولکن المنافقین لا یعلمونo (سورۃ منافقون:8)

یہ بات اس وقت پیش آئی جب کہ آنحضرت ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس لوٹ رہے تھے، تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں نے آپس میں اس قسم کی گفتگو کی تھی تو ابن ابی سلول کے بیٹے، جو صحابی تھے، ان کو جب اس بات کا علم ہوا تو اپنے باپ کی گردن پر تلوار لے کر سوار ہوئے اور یہ کہا کہ اگر تو نے یہ بات کہی ہے تو میں ابھی تجھ کو قتل کرتا ہوں ورنہ تو اس چیز سے توبہ کر اور اقرار کر کہ تو خود ذلیل ہے، اللہ اور اس کا رسول ﷺ عزت والا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو اپنی تفسیر ابن کثیر ج4، ص372 پر بیان کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لاؤں۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اگر کوئی منافق تنہائی میں بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق صرف اتنی سی بات کرے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھی ذلیل ہیں، عزت والے نہیں، تو اس کو مستحق قتل شمار کیا گیا۔

گستاخ رسول فوری قتل کیا جائے گا

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

یہ مضمون ڈاکٹر صاحب موصوف کے مقالہ وفاقی شرعی عدالت کے کتابچہ سے ماخوذ ہے جو ان کے ادارہ کی جانب سے موصول ہوا۔

ڈاکٹر طاہر القادری پاکستان کی ایک معروف علمی اور دینی شخصیت ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں صاحب موصوف نے صدر اور حکومت پاکستان کے خلاف توہین رسالت کی سزا کے بارے میں ہماری شریعت پٹیشن اور اس میں اٹھائے گئے آئینی اور قانونی نکات کی نہ صرف مکمل تائید اور حمایت کی بلکہ اپنے منطقی زور استدلال سے عدالت کی معاونت کی تھی مگر راقم اور معاونین علمائے عدالت کا صاحب موصوف سے جرم توہین رسالت کی سزا کے بارے میں "نیت" اور ارادے (Intention and Motive) کے مسئلہ پر دیانت دارانہ اور تحقیقی اختلاف رہا ہے۔ موصوف کا فتویٰ ہے کہ ملزم گستاخ رسول کی نیت یا ارادے کو دیکھے بغیر موقع پر ہی قتل کر دیا جائے۔ اس اختلاف کا ذکر ہم نے ان کے اس مقالہ کے آخر میں بھی کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مضمون ملاحظہ ہو:

گستاخ رسول اور مسئلہ توبہ

رسالت مآب ﷺ کے گستاخ کا وجود اس لائق نہیں کہ وہ زمین پر موجود رہے بلکہ اسے فی الفور واصل جہنم کرنا ضروری ہے۔

گستاخ رسول زندیق ہے اس کا عمل قابل معافی نہیں

(1) امام خیر الدین رملی حنفی فتاوی بزازیہ میں رقمطراز ہیں:

"شاتم رسول کو بہر طور حداً قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا وہ اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے جس کی توبہ قابل توجہ ہی نہیں اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا جس طرح دیگر حقوق (چوری، زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حد تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتی یہی سیدنا ابوبکرؓ، امام اعظمؒ، اہل کوفہ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے۔

(تنبیھه الولاۃ والاحکام:328)

علماء اور عدالتوں پر لازم ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی عزت کے پیش نظر ایسے شخص

کے قتل کا حکم جاری کریں۔

(2) امام محمد بن عبداللہ صاحب تنویر الابصار عدم قبول توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"میری رائے کے مطابق یہی قول قوی ہے کہ جو شخص صاحب شرع ﷺ کو برا کہتا ہے، اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ فتویٰ اور قضا کی صورت میں حضور ﷺ کے مرتبہ کے پیش نظر علماء اور عدالت پر لازم ہے کہ وہ اس کے قتل کا حکم دیں۔

کوئی عدالت یا حکومت گستاخ رسول کی سزا کو معاف نہیں کرسکتی

آخری بات یہ ہے کہ کیا کوئی عدالت یا حکومت اس سزا کو معاف کرسکتی ہے؟

(1) گستاخ رسول کا قتل بطور حد لازم ہے اور حد کو کوئی ساقط نہیں کرسکتا۔ حد کی تعریف ہی یہی ہے کہ اس میں انسان کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ عدالت اور حکومت پر اس کا اجراء لازم ہوتا ہے اس کو ساقط کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔

(2) یہ حضور ﷺ کا حق ہے کہ آپ ﷺ کے سوا اسے کوئی معاف نہیں کرسکتا جس طرح دیگر افراد کے حقوق وہی معاف کرسکتے ہیں۔

امام خیر الدین اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شاتم رسول کا قتل بطور حد لازم ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوسکتا اور اس بارے میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ایسا حق ہے جس کے ساتھ عبد خاص (حضور ﷺ) کا حق متعلق ہے اسی لئے فقط توبہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسے دوسرے لوگوں کے ہر قسم کے حقوق کے لئے خود حق دار کا معاف کرنا ضروری ہے۔" (تنبیھہ الولاۃ واحکام ص33)

جب زنا، چوری اور شراب جیسے جرائم پر لاگو حد کوئی عدالت اور حکومت منسوخ نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس کے ارتکاب کرنے والے کو معاف کرسکتی ہے تو پھر اتنے عظیم جرم کی سزا کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے۔

تنقیدی نوٹ مصنف

ڈاکٹر طاہر القادری نے وفاقی شرعی عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتلایا تھا کہ دشنام رسول کے سلسلہ میں گستاخ رسول کی "نیت" (Intention) کو دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر ہی سزا دی جائے گی۔ اسلام میں ملزم کو اپنے دفاع اور صفائی کا پورا حق دیا گیا ہے۔ صفائی کا موقع دینے سے "نیت" "قصداً" اور "ارادے" کا مسئلہ خود بخود حل ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم

مولانا صلاح الدین یوسف کا سلفی اور فقہی نقطۂ نظر

مولانا صلاح الدین یوسف جماعت اہل حدیث کے معروف اسکالر اور فیڈرل شریعت کورٹ کے مشیر اور ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں۔ مولانا نے شاتم رسول کی سزائے موت کے بارے میں قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں تحریری بحث داخل کرتے ہوئے راقم کے موقف کی تائید میں لکھا ہے:

''درخواست گزار اور اس پر دستخط کرنے والے علماء کا یہ موقف بالکل صحیح اور درست ہے۔ یہ مسئلہ فی الواقع قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، جس کی ضروری تفصیل رٹ پٹیشن میں بھی موجود ہے۔ قبل اس کے کہ راقم بھی اس سلسلے میں کچھ گزارشات پیش کرے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زیر بحث دفعات کی غیر معقولیت کو واضح کر دیا جائے۔

تعزیرات پاکستان میں درج دفعات میں جو سزا توہین رسالت مآب پر رکھی گئی ہے، وہ آپ علیہ السلام کی شان رفیع سے بہت فروتر ہے۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ سزا کی نوعیت جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے۔ کم تر جرم پر ہلکی سزا اور سخت جرم پر سخت سزا۔ لیکن ہلکے اور سخت دونوں قسم کے جرائم پر یکساں سزا یکسر غیر معقول ہے۔ یہی غیر معقولیت تعزیرات پاکستان کی دفعات مذکورہ میں پائی جاتی ہے جس کا ازالہ کرنا اور اسے معقول بنانا انتہائی ضروری ہے۔''

ایک ضروری وضاحت

یہاں ایک اور نکتے کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ہی گناہ پر نیت و اعتقاد کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ احکام مرتب ہوتے ہیں، اسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً ایک شخص چوری کو گناہ سمجھتے ہوئے چوری کرتا ہے تو وہ فاسق اور قطع ید کی سزا کا مستحق ہے اور اگر وہ چوری کو بالکل جائز اور حلال سمجھ کر کرتا ہے، تو یہ اس توہین مذہب کی ذیل میں آجاتا ہے، جس پر عدم توبہ کی صورت میں سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی، قتل، زنا، ترک صیام رمضان وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن سمجھتا اسے گناہ ہی ہے تو اسے صرف فاسق کہا جائے گا اور اس پر گناہ کے مطابق حد، قصاص یا تعزیر نافذ ہوگی، لیکن اگر ان کے ارتکاب کو وہ جائز اور حلال سمجھتا ہے تو یہ کفر اور زندقہ ہوگا۔ بہر حال قرآن کریم، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ اور فقہائے امت کے اتفاق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کی تنقیص واہانت، آپ علیہ السلام کا

استہزاء واستخفاف اورآپ ﷺ پر سب وشتم ایسا فعل ہے کہ جس کا مرتکب بلا امتیاز مسلم وکافر واجب القتل ہے۔ یہ محاربہ باللسان ہے جو محاربہ بالید سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے،

اس لئے توہین رسالت کی وہی سزا ہونی چاہیے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ راقم زیر بحث درخواست کی مکمل تائید کرتا ہے۔

خلاصہ بحث

اس پٹیشن کا مقصد یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان میں جو ایک خلا ہے کہ اس میں شتم رسالت مآب علیہ السلام کی کوئی سزا مقرر ہی نہیں ہے بلکہ ایک عمومی انداز میں اس کا ذکر آیا ہے اور اس پر جو تعزیری سزا رکھی گئی ہے، وہ قرآن وحدیث کے مطابق بھی نہیں ہے لہذا اس اہم خلا کو پر کیا جائے اور گستاخی رسول کی وہ سزا مقرر کی جائے جس پر امت کا اتفاق ہے۔ اس پٹیشن کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تمام باشندگان ملک کو گردن زدنی قرار دے دیا جائے، جیسا کہ خلط مبحث کر کے ایسا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نوٹ مصنف

مولانا صلاح الدین یوسف کی اس رائے سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا کہ ہماری توہین رسالت کی اس پٹیشن کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تمام باشندگان ملک کو گردن زدنی قرار دیا جائے اور نہ کوئی سلیم العقل آدمی ایسا سوچ سکتا ہے۔ البتہ تطبیق کی کوشش میں مولانا کو خود اشکال پیش آیا ہے۔ جبکہ گستاخ رسول کو سزا کے متعلق پٹیشن میں واضح موقف اختیار کیا گیا ہے اور اس بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا ذہن بھی بالکل صاف ہے۔ آخر خلاصہ بحث میں مولانا شاتم رسول کی اسی سزائے موت سے متفق ہیں جس پر اجماع امت ہے۔

مولانا محمد حسین اکبر اجتہادی......امامیہ موقف

مولانا محمد حسین اکبر جامعہ المنتظر کے پرنسپل اور فقہ جعفریہ کے مستند اور وسیع النظر مجتہد اور عالم ہیں۔ مذہب امامیہ کی رو سے شاتم رسول کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔

شاتم رسول بلاتوقف واجب القتل ہے

''امامیہ اثنا عشریہ (ملت جعفریہ) کا قطعی وہی عقیدہ ہے جو برادران احناف، شوافع حنابلہ یا مالکیہ کا ہے کہ شاتم رسول قتل کیا جائے گا:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے تعلق میں سب لوگوں کی ذمہ داری یکساں ہے، پس جو شخص بھی کسی سے میرا ذکر گالی سے کرتے ہوئے سنے تو اس پر واجب ہے کہ اس گستاخ کو قتل کر دے۔ حاکم تک یہ مقدمہ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم اگر حاکم کے سامنے اس قسم کا مقدمہ پیش ہو تو اس پر فرض ہے کہ جس نے میرے باب میں زباں درازی کی ہو، اسے قتل کر دے۔ یہی حکم ''تحریر الوسیلہ'' ج2، ص606-607؛ ''شرائع الاسلام کتاب الحدود ص167 ''الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص241'' ''عقائد'' از شیخ صادق ابوجعفر بابویہ قمی علیہ الرحمہ، ملا باقر مجلسی علیہ الرحمہ، ترجمہ مولانا عارف حسین لاہوری، ''کتاب الحدود و التعزیرات'' از آیت اللہ السید محمد شیرازی مدظلہ 248 تا 366' حصہ اول میں موجود ہے کہ جب کوئی بالغ عاقل مختار اور باخبر ہو اور پھر رسول ﷺ کو شتم کرے، قتل کیا جائے گا۔

آیت اللہ سید محمد شیرازی مدظلہ نے ''کتاب الحدود'' ص361 پر ''وسائل الشیعہ'' کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی انسان یہ گمان کرے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے کوئی آدمی حسب اور فضیلت کے لحاظ سے حضور ﷺ جیسا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔

آیت اللہ آقائے السید ابوالقاسم الخوئی مدظلہ نے تکملتہ المنہاج، ج1 'ص 264-265 میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضور پیغمبر ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کرنا سننے والے پر واجب ہے، بشرطیکہ اس کی جان، عزت اور مال خطیر کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ یہی فتویٰ آیت اللہ آقائے شریعت مدار مدظلہ اور دیگر علماء اعلام شیعہ کا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے صحابہ عموماً اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ خصوصاً

ہر طرح قابل احترام ہیں۔ انہیں جو عزت و عظمت رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور قربت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، وہ امت میں کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر اصحاب رضوان اللہ علیہم کا احترام ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو بہت بڑی زیادتی ہو گی۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کی بارگاہ عرش مقام کے ستون ہیں، اس لئے اجماعاً اصحاب النبی رضوان اللہ علیہم کو سب و شتم کرنے والوں کو کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی ہے۔

''رسائل الشیعہ'' ج18 'ص460 'کتاب الحدود از قلم آقائے شیرازی'' ص352)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے روایت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے آباء سے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی نبی کو گالی دے قتل کیا جائے گا اور جو نبی کے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ دوسری حدیث جامع الاخبار، فصل 521 قال رسول اللہ ﷺ

من سبنی فاقتلوہ و من سب اصحابی فاجلدوہ۔

''جو مجھے گالی دے اسے قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ''۔

اگر چہ کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ شاتم صحابہ کو کتنے کوڑے مارے جائیں لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ کا شاتم گستاخ مرتد ہے، اس لئے اسے مرتد کی سزا دی جائے گی اور صحابہ کبار پر سب و شتم کرنا دائرہ قذف میں آتا ہے اور قذف کی سزا 80 کوڑے ہیں۔

حضرت خاتم النبین صلی اللہ ﷺ پر سب و شتم اور آپ ﷺ کی شان میں توہین و گستاخی، آپ ﷺ کے افعال و اقوال پر نکتہ چینی، آپ ﷺ کی صداقت و عصمت میں شبہات پر بھی کسی طور کرنا ارتداد ہے اور ارتداد کی سزا قتل ہے۔

آقائے الشیخ جعفر شوستری جو اجل علماء امامیہ میں سے ہیں، اسباب ارتداد کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا قول یا فعل باعث ارتداد ہے، ان میں دلی اعتقاد کے باقی رہنے یا نہ رہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اسباب ارتداد کے مطلب دوم میں لکھتے ہیں کہ وہ ارتداد جو زبان سے واقع ہو، اس کی ایک قسم یہ بھی ہے کوئی شخص اللہ تعالی عزوجل یا رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرے، خواہ وہ کسی لفظ میں ہو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاتم نبی مسلم ہے یا غیر مسلم۔ تو فقہاء امامیہ نے مرتد کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

مرتد فطری و مرتد ملی

مرتد فطری وہ شخص ہے جو مسلمان والدین سے پیدا ہوا اور مسلمان بالغ ہوا اور وہ ارتداد اختیار کرے، تو وہ مرتد فطری ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا، چاہے توبہ کرے یا نہ کرے۔ اس کا جسم مثل کفار نجس ہے، اس پر اس کی زوجہ حرام ہے۔ تمام اموال، ملکیت سے خارج ہو جائیں گے اور مسلم ورثاء میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اس کے ہاتھ کا ذبیح مردار ہے۔ اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ اس کا نکاح زن مسلمہ و کافرہ دونوں سے باطل ہے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ خلاف شرع ہے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔

مرتد ملی وہ شخص ہے جو کافر والدین سے پیدا ہوا اور سن بلوغ تک کافر رہا۔ بعد میں مسلمان ہو گیا اور پھر کافر ہو گیا۔ اس کے متعلق تین حکم ہیں:

اول یہ کہ اسے توبہ کرنے کا حکم دینا چاہیے اگر توبہ کرے تو مقبول ہے۔ توبہ کے لئے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ حکم دوم: زوجہ کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ عورت کو چاہیے عدۂ طلاق رکھے، اگر زمانہ عدت میں توبہ کرے تو پھر زوجیت میں داخل ہو جائے گی۔ حکم سوم یہ کہ تمام مال اس کی ملکیت میں رہے گا لیکن تصرف سے روک دیا جائے گا، اگر توبہ کر لی تو فبہا ورنہ تمام مال اس کے مسلم ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر مرتد ملی نے تین دن کی مہلت میں توبہ کر لی، تو معاف کر دیا جائے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن مرتد فطری کی توبہ قبول نہیں ہے، اسے فوری قتل کر دیا جائے گا۔ یہی مسئلہ شرع اور شرائع الاسلام کے کتاب ارتداد میں درج ہے۔

فقہ جعفریہ کی روایات گستاخ رسول کے بارے میں

روایات امامیہ

"امام جعفرؒ صادق کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ایک جلیل القدر دانشور ہشام ابن عالم امام علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سے سوال کیا گیا کہ رسولؐ خدا کو دشنام دینے والے کا کیا حکم ہے؟ حضرتؓ نے فرمایا: اس سے پہلے کہ یہ خبر امام تک پہنچائی جائے نزدیک ترین افراد (جو اس تک رسائی حاصل کر سکیں) اسے قتل کر دیں۔"

2۔ "عَنْ اَمِیرِ المؤمنین (ع) اَنَّهُ كَتَبَ اِلیٰ رِفَاعَة: مَنْ تَنَقَّصَ نَبِيًّا فَلا تناظِرْهُ" (3)

"حضرت امیر المؤمنین علیؓ نے رفاعہ کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ جو شخص کسی پیغمبر میں عیب نکالے یا ان پر اعتراض کرے اسے (زندہ رہنے کی) مہلت نہ دو۔"

یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ یہ حدیث پیغمبر اکرم حضرت محمدؐ کے علاوہ کسی بھی پیغمبر پر سب وشتم کرنے والے کو واجب القتل جانتی ہے۔

1۔ تحریر الوسیلہ (ج) (ص ۱۱۸) جواہر الکلام (ج/۴۱/ص ۶۰۰۔ شرح عقائد نسفی/ص ۲۴۸ الفقہ علی المذاہب الاربعہ/ج/۵/ص ۴۲۲

2۔ وسائل الشیعہ/ج/۱۸/ص ۵۵۴

3۔ مستدرک الوسائل/ج/۳/ص ۲۳۳

رسول رحمت ﷺ اور سزائے توہین رسالت

مولانا محمد صادق لالہ صحرائی

مولانا محمد صادق المعروف بہ لالہ صحرائی اس دور کے ان عاشقان رسول سے ہیں جنہوں نے اپنے قلب وروح اور زبان وقلم کو مدحت وخدمت پیغمبر ﷺ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ لالہ صحرائی صاحب نے شاتم رسول کعب بن اشرف کے قلعہ کے وہ آثار بھی دیکھے ہیں جہاں اسے قتل کیا گیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں: ''سیرت نبوی ﷺ کی کتابوں کے مطالعہ سے جو نظائر سزائے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آتے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

پہلے واقعہ کا تعلق سنہ 2ھ سے ہے، جو بدر سے فتح مندانہ مدینہ منورہ کو لوٹتے ہوئے پیش آیا۔ جب حضور ﷺ اثنائے سفر میں وادی صفرا کے درے سے باہر نکلے تو آپ ﷺ کو لشکر اسلامی کے ہمراہ آنے والے مشرک اسیران جنگ میں ایک شخص نضر بن حارث نظر آیا، جو حضور ﷺ کو ان کی مکی زندگی کے دوران توہین وایذا رسانی کا نشانہ بنایا کرتا تھا، حضور ﷺ کے حکم پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شخص کو فوراً قتل کر دیا۔ اس کے بعد اسی سفر کے دوران آپ ﷺ جب عرق الظبیہ پہنچے، تو حضور ﷺ نے انہی اسیران جنگ میں ایک اور شخص عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا، جس نے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضور ﷺ پر بحالت نماز میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی تھی، نیز ایک اور مرتبہ حرم کعبہ میں حضور ﷺ کی گردن مبارک کے گرد کپڑا کس کر ایذا پہنچائی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کے تعمیل میں اس شخص کی بھی گردن ماردی۔

اس سے اگلے سال یعنی سنہ 3ھ میں توہین رسالت کے چار مجرموں کو یکے بعد دیگرے قتل کی سزا دی گئی، عصما نامی ایک یہودی شاعرہ جو حضور ﷺ کی شان مبارک میں ہجویہ شعر کہا کرتی تھی، ایک نابینا صحابی عمیر بن عدیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئی، جنہیں بعد میں حضور ﷺ نے بطور تحسین ''بینا'' اور ''بصیر'' کا خطاب دیا۔ ابو عفک نامی ایک اور شاعر جو حضور ﷺ کے بارے میں دریدہ دہنی سے کام لیتا تھا، حضور ﷺ ہی کے حکم سے ایک بدری سالم بن عمرؓ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا۔

قتل کی سزا کا اگلا ہدف کعب بن اشرف بنا جو شاعر ہونے کے علاوہ بڑا مال دار یہودی تھا اور اطراف مدینہ میں ایک مضبوط اور شاندار قلعہ کا مالک تھا۔ اپنی دولت مندی اور خاندانی وجاہت

پر گھمنڈ کے باعث وہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں نہایت جارحانہ بدزبانی کیا کرتا تھا، اسے آنحضور ﷺ کے ایک خصوصی حکم کے تحت ایک صحابی حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ اس کے قلعہ میں جا کر قتل کیا۔

اسلام دشمنی اور حضور ﷺ کی توہین میں کعب بن اشرف کا مددگار ایک اور نہایت امیر تاجر ابورافع بھی تھا، جو خیبر میں واقع اپنی گڑھی میں رہتا تھا، یہ بھی حضور ﷺ کے ایما سے ایک صحابی حضرت عبداللہ ؓ کے ہاتھوں اپنی خوابگاہ میں موت سے ہمکنار ہوا۔

اسی سال غزوہ احد سے واپسی کے سفر کے دوران حضور ﷺ کی نظروں میں ایک شخص ابو عزہ آیا، جو اپنے اشعار کے ذریعہ نبی ﷺ کے خلاف کفار کے جذبات برانگیختہ کیا کرتا تھا، گرفتاری کے بعد آنحضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت عاصم بن ثابت ؓ نے اس کو تہ تیغ کر دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب حضور ﷺ نے کفار و مشرکین کے لئے عفو عام کا اعلان کیا تو اس کے ساتھ ہی چند اشخاص کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ عفو عام سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا یہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ غلاف کعبہ ہی سے لپٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ ان واجب القتل افراد میں ابن خطل اور اس کی دو ہجو گو لونڈیاں ارتب اور ام سعد، نیز مشہور ہجو گو شاعر حارث بن طلال بھی تھا، جسے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔

مولانا ریاض الحسن نوری کا نقطۂ نظر

مولانا ریاض الحسن نوری مرحوم ملک کے معروف ریسرچ اسکالر تھے، جن کے مقالات بین الاقوامی فورم میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مولانا فیڈرل شریعت کورٹ کے مشیر بھی رہے ہیں۔ مولانا نوری نے شاتت رسول کا حقوق انسانی کے نقطۂ نظر سے بھی جائزہ لیا ہے۔

کیا توبہ سے جرم توہین رسالت ساقط ہو جاتا ہے؟

''جو لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے مجرم کی توبہ کے قائل ہیں، وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ توبہ اور رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد (حقوق انسانی) میں فرق ہے''۔ رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں ھدایہ کا یہ فقرہ قابل غور ہے:

ومن اقر بالقذف ثم رجع لم يقبل رجوعه.

''یعنی جو قذف کا اقرار کر لے اور اس کے بعد اقرار سے پھر جائے تو اس کا رجوع مقبول نہ ہوگا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے''۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گناہ تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے لیکن بندہ کا گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ اسی شخص سے معاف کرانا پڑتا ہے جس کا گناہ کیا ہو۔ شہید کے سب گناہ جو حق اللہ سے متعلق ہیں، وہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ اس لئے قرضہ بھی معاف نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والا تو اللہ کا بھی گنہگار ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا بھی گنہگار ہے۔ بلکہ ان تمام مسلمانوں کا گنہگار بھی ہے۔ جو اس وقت زندہ ہوں۔

دیکھئے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر یا کسی پر زنا، چوری، رشوت کا کوئی بھی الزام لگائے، تو ہمیں اس پر غصہ ضرور آئے گا لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ لیکن اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو کوئی برا کہے گا، تو ہم اس کے قتل پر آمادہ ہو جائیں گے اس بات کو ابن عابدین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''مومن کے دل کی تشفی اس وقت تک نہیں ہوتی، جب تک کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے لعین کو عذاب دینے کے بعد قتل نہ کیا جائے'' (پس ثابت ہوا کہ قتل ضروری ہے۔ عمر قید سے کام نہیں چلے گا۔)

خاکسار کی رائے اگرچہ ابن حزم سے ملتی ہے کہ ''شبہ سے حد زائل ہو جاتی ہے'' والی

روایت ضعیف ہے۔ لیکن خاکسار کے سامنے دوسری حدیث موجود ہے جو بالکل صحیح ہے کہ "انما الا عمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ملزم کی نیت واقعی شتم یا سب کی تھی، محض شک کی وجہ سے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ الاعمال بالنیات والی حدیث قتل کی سزا کا راستہ روک دیتی ہے، جب تک نیت واضح نہ ہو۔ پس اس بات کا پورا اطمینان ضروری ہے کہ ملزم کی نیت یقینی طور پر حضور کو برا کہنے کی تھی۔ جیسا کہ ان ہندو خبیثوں کی نیت واقعی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے کی تھی جن کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ ان کی کتب اس پر یقینی ثبوت تھیں کوئی شک یا شبہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اب ہم بندے کے گناہ سے توبہ کی نامقبولیت کی طرف آتے ہیں۔ بندہ کا معاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ قذف کے جرم میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور بندہ کا حق بھی ہے، جس پر الزام لگایا جاتا ہے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قذف میں بندہ کے حق کی وجہ سے رجوع عن الاقرار نامقبول ہے۔ زنا کے اقرار سے توبہ کے بعد خلاصی ہو سکتی ہے لیکن قذف کے جرم میں توبہ کر کے بھی حد سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اس سلسلہ میں واقعہ افک کی مثال لیتے ہیں۔ قرآنی آیات نے حضرت عائشہؓ کی برأت کر دی۔ تینوں صحابہ کرام بھی مجسم تائب ہو گئے لیکن قذف کی سزا دو اصحاب اور ایک عورت کو دی گئی، جو سب کے سب سچے مسلمان اور صحابیؓ تھے۔ وہ عورت ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش تھیں۔ مسطح حضرت ابو بکرؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت حسان بن ثابت دربار نبوی ﷺ کے شاعر تھے اور کفار کے اشعار کا جواب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ حقوق العباد کا تھا، اس لئے تینوں کو اسی اسی کوڑے مارے گئے اور خاتون بھی اس سزا سے بچ نہ سکیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی فقیہ یہ کہتا ہے کہ عورت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہے تو عورت کو موت کی سزا نہیں دی جا سکتی، تو اس کی رائے قابل قبول نہ ہو گی۔ افک کے واقعہ میں عورت کو بھی وہی سزا دی گئی تھی جو باقی اصحاب کو دی گئی تھی۔ جنس کی بنا پر سزا میں تفریق نہیں کی جا سکتی جبکہ آج کل عورتیں برابری کا دعویٰ کر رہی ہیں۔

احناف میں محی الدینؒ کی رائے

"حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ ان کی نظر میں شاتم رسول مرتد کے علاوہ ہے"۔ شاتم کے متعلق فتاویٰ بزازیہ میں منقول ہے کہ جو شخص حضور یا انبیاء میں سے کسی نبی کو برا کہے، تو اسے بطور حد کے قتل کیا جائے گا اور فی الاصل اس کے لئے توبہ

نہیں ہے، چاہے وہ پکڑ کر لایا جائے اور اس کے خلاف شہادتیں پیش کی جائیں یا وہ خود بخود تائب ہو کر اپنے آپ کو پیش کرے۔ کیونکہ یہ حد ہے جو واجب ہو چکی، پس توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی اس کے خلاف رائے دے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جس کے ساتھ بندہ کا تعلق منتھی ہو چکا ہے، پس توبہ سے یہ حق زائل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ تمام حقوق العباد کا معاملہ ہے، جیسا کہ قذف کی حد کا معاملہ ہے جو کہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہ فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اسی کے مطابق روم کے علماء آج تک فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ آل عثمان سے قبل بھی یہی فتویٰ موجود تھا۔ اس فتویٰ کی علت یہ ہے کہ قتل کی وجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچانا ہے اور ان کو برا کہنے کی وجہ سے ان کی امت کو ایذا پہنچانا ہے۔ یہ آدمیوں کا حق ہے اور اس میں نظام کی حفاظت ہے اور ارتداد سے بھی روکنا ہے۔ یہی امام صاحب کے اصحاب کا مذہب ہے (یعنی حنفی اصول فقہ کے مطابق یہی فتویٰ ہے)۔

خالص اللہ تعالیٰ کا حق توبہ سے ٹل جاتا ہے لیکن بندہ کا حق اس بندہ کی زندگی میں معاف کرنے سے زائل ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائے اسلام میں بہت سے لوگوں کو معاف کیا لیکن آپ ﷺ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ کی معافی اور رضامندی کی کوئی یقینی دلیل ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد شاتم کو قتل کیا جائے گا۔"

(بحوالہ "المنار السبیل": ج 2، ص 409)

ابن عابدین لکھتے ہیں:

"جان لو کہ امام مالک رحمہ اللہ ان کے اصحاب اور سلف اور جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ شاتم الرسول کو حداً قتل کیا جائے گا۔ کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا چاہے وہ توبہ بھی کرے اسے قتل کیا جائے گا۔ پس ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی، نہ اسے اس بات سے کوئی فائدہ ہوگا کہ وہ خود اپنے کو قتل کے لئے پیش کرے۔ اس کا حکم زندیق کے مثل ہوگا، یعنی کہ یہ بات اس کے حق میں برابر ہوگی کہ وہ چاہے پکڑا ہوا لایا جائے اور اس کے خلاف شہادتیں پیش ہوں کہ اس نے شتم کیا ہے، یا وہ خود تائب ہو کر آئے۔ کیونکہ وہ تو حد ہے جو واجب ہو چکی (تیر کمان سے نکل چکا) اور توبہ سے وہ ساقط نہیں ہوگی۔ جیسا کہ دوسری حدود توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں۔"

قابسی کہتے ہیں کہ جب مجرم شتم کا اقرار کر لے مگر پھر اس سے توبہ کرے اور توبہ کا اظہار بھی

کرے، پھر بھی وہ قتل کیا جائے گا کہ وہ تو شتم یا توہین رسول کی حد ہے۔ محمد بن ابی زید نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ہاں جو معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہے تو اس میں اس کو توبہ کا فائدہ پہنچے گا۔

ابن سحنون کہتے ہیں کہ اگر کوئی موحد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو شتم کرے، پھر توبہ کرلے تو اس کی توبہ سے اس کے قتل کا حکم زائل نہیں ہوگا۔ زندیق کے خود تائب ہوکر آنے کے بعد اس کے یقینی قتل میں تو اختلاف کا تصور ہوسکتا ہے لیکن شاتم کی توبہ کے بعد یقینی طور پر قتل کیے جانے کے سلسلے میں اختلاف کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا حق ہے جو نبی ﷺ سے متعلق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی امت سے بھی متعلق ہے۔ اس وجہ سے شاتم رسول سے قتل کی سزا کا اسقاط نہیں ہوگا۔ جیسے کہ تمام حقوق العباد کا معاملہ ہے کہ توبہ سے حقوق العباد (مثلاً قذف، قصاص، قرض، زنا وغیرہ وغیرہ) ساقط نہیں ہوتے (بلکہ حقوق العباد تو شہید سے بھی ساقط نہیں ہوتے)۔

محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ توبہ سے شاتم کے قتل کا حکم زائل نہ ہوگا کیونکہ وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ اس نے تو ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا حداً قتل ہے۔ اس کی سزا میں کوئی معافی نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ بالا دلائل اور بحث کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے جو حداً ہے اور اس میں تخفیف نہیں ہوسکتی۔ شاتم رسول کی سزا زائل نہ ہونے اور حداً اس کی سزا قتل ہونے کے دلائل مسلمہ ہیں اور چند شاذ آراء کے علاوہ سلف سے خلف تک تمام علماء اسی کے قائل رہے ہیں۔ کہ شاتم رسول کی سزا ثبوت جرم کے صحیح طور پر ثابت ہونے کے بعد حداً قتل ہے اور خود تائب ہوکر آنے سے بھی اس کی سزا میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

شاتم رسول کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ

ڈاکٹر محمد محسن عثمانی پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ڈاکٹر محمد محسن عثمانی ہندوستان کے ان محققین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے بلند پایہ مقالہ میں علمی دیانت کے ساتھ تحقیق کا پورا پورا حق ادا کیا۔ لبرل ازم کے نام پر بیسیوں صدی میں جو فتنہ اٹھا ہے اس کے افکار و نظریات کا ناقدانہ جائزہ لے کر دانش قرآنی اور منطقی استدلال کے ساتھ جس انداز اور اسلوب میں جواب دیا ہے اسے عصر حاضر کا برہان قاطع کہا جا سکتا ہے۔ مقالہ کا اقتباس نذر قارئین ہے۔ (مصنف)

شاتم رسول کے لئے سزائے قتل کی مخالفت اور اہانت رسول پر احتجاج کو خلاف اسلام قرار دینا دراصل مزاج اسلام سے ناواقفیت کی دلیل اور اجماع امت کی مخالفت ہے گزشتہ چودہ سو سال میں یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے اور کسی نے بھی شاتم رسول کی سزائے قتل کا انکار نہیں کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے تو اس موضوع پر ایک مکمل کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کے نام سے لکھ دی ہے، حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اب شاتم رسول کی سزائے قتل سے انکار کی دعوت اٹھی ہے اور اس فکر کے داعی ہیں وحید الدین خاں صاحب اسلامی مرکز کے صدر، الرسالہ کے ایڈیٹر۔ انھیں بڑا اضطراب ہے اس بات پر کہ ساری دنیا کے مسلمان سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف احتجاج کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے قتل کا فتویٰ بھی صادر کر چکے ہیں۔ نہ صرف ایک سلمان رشدی بلکہ تاریخ کے تمام شاتمین رسول کو قتل سے بچانے میں انھوں نے وکیلانہ منطق اور غیر موزوں و غلط استدلال کی صلاحیتیں وقف کر رکھی ہیں۔ اس بارے میں ان کا موقف ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

''موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہو گیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے۔ اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لئے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے''۔

''امتحان کی اس دنیا میں جہاں ہر ایک کو آزادی ہے آپ کسی کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہی الفاظ بولے جو آپ چاہتے ہیں کہ بولے جائیں..... موجودہ زمانے میں آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے''

''رشدی کے خلاف مسلمانوں نے قتل کا فتوی دے کر جو ہنگامہ برپا کیا اس نے اسلام کے معاندین کو اس بات کا سنہری موقع دیا کہ وہ اس کو لے کر اسلام کو بدنام کریں۔ وہ تمام دنیا کو یہ تاثر دیں کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے وہ قتل وخون کا دین ہے۔''

''رسول ﷺ کے نام پر رسول کے طریقے کے خلاف ورزی کی اس سے زیادہ سنگین مثال شاید پوری اسلام کی تاریخ میں نہیں ملے گی''

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی علی الاطلاق طور پر مستوجب قتل جرم ہے۔ وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کے لیئے ان کے پاس قرآن وسنت کی کوئی دلیل موجود نہیں''

''سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے مجنونانہ ایجی ٹیشن کا فائدہ کچھ نہیں ہوا۔''

وحید الدین خاں نے ''رشدیات'' پر اپنے مضامین میں یہ چیلنج دیا ہے کہ شاتم رسول کی سزائے قتل قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ اب ہم ذیل میں اس چیلنج کا جواب پیش کریں گے۔ قرآن وسنت آسمانی کتابوں، دور صحابہؓ کے نظائر، فقہاء کے اقوال سے یہ شہادتیں پیش کریں گے کہ شاتم رسول کی سزا علی الاطلاق قتل ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے سبب کا پایا جانا ضروری نہیں۔

وجہ قتل: ایک مسلمان شاتم رسول دو سبب سے اپنی زندگی کا استحقاق کھوتا ہے۔

1۔ شتم رسول بذاتہ مستوجب قتل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہؓ نے کافر اور ذمی کو سب وشتم رسول کے جرم میں قتل کیا ہے۔

2۔ شاتم رسول اگر مسلمان تھا تو اس کے یہاں دو وجہ قتل جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک سب وشتم اور دوسرے ارتداد۔ یہ ارتداد کی نہایت سنگین قسم ہے۔ مسلمان پیغمبر پر سب وشتم سے مرتد اور کافر ہو جاتا ہے۔

شاتم رسول کو قتل سے بچانے والے وکیل کے لئے دو شکلیں رہ جاتی ہیں یا تو وہ یہ کہے کہ شتم رسول سے مسلمان مرتد نہیں ہوتا یا وہ یہ ثابت کرے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل نہیں۔ جہاں تک پہلی شکل کا تعلق ہے تو محمد بن سحنون کا قول یہاں تک ہے کہ شاتم رسول کے کفر اور عذاب میں جو شک کرے گا جو خود کافر ہو جائے گا۔

مسلمان شاتم رسول کے لئے دو وجہیں جو موجب قتل ہیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک شتم اور دوسرے ارتداد۔ اب ہم قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ سے وہ دلیلیں پیش کریں گے جن سے کہیں تو شتم کی وجہ سے سزائے قتل کا ثبوت ملے گا اور کہیں ارتداد کی وجہ سے قتل کی سزا ثابت ہوگی۔

قرآن سے استدلال

صاحب الفقہ المیسر نے مرتد کی سزائے قتل پر قرآن سے استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:-

''جس شخص کا ارتداد ثابت ہو جائے اس کا خون ھدر (رائیگاں) ہے۔ کیونکہ اس نے بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔'' تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور مرے کافر ہو کر تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے وہ دوزخ کے لوگ ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

مذکورہ آیت کی تشریح: مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

''تنبیہ مسلمانوں کو بھی کر دی گئی ہے کہ اگر ان کے ظلم وستم سے مرعوب ہو کر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور اسی حالت میں مر جائے گا اس کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو جائیں گے... اس آیت میں ایک خاص نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اعمال کے اکارت ہونے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ آخرت میں مرتد ہو جانے والوں کے اعمال کا اکارت ہونا تو واضح ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کے اعمال کے اکارت ہونے کی شکل کیا ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جاتا ہے وہ اسلامی ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ ریاست پر اس کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول پر اسلامی تعزیرات کا وہ قانون مبنی ہے جو مرتدوں کی سزا سے متعلق ہے۔''

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی **خطبت علیهم فی الدنیا** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

''پس ایسے شخص کے دنیا میں مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا خون اور مال محفوظ نہ رہے گا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔''

قرآن سے دوسرا استدلال: اگر کوئی ذمی کھل کر دین اسلام کے خلاف زبان درازی کرے تو اس کا قتل درست ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ معاہدہ اس بات پر تھا کہ وہ زبان درازی نہ کرے گا اور جب اس نے زبان درازی کی تو عہد ٹوٹ گیا اور اس کا ذمہ ساقط ہو گیا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ **ائمتہ الکفر** کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے ائمہ کی تصریح اہتمام وخصوصیت اور تاکید کے لئے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ **قاتلو اائمتہ الکفر** سے مراد ہے'' **قاتلو ا الکفار**

صاحب روح المعانی کہتے ہیں: -

ائمہ کفار کے ذکر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان کا قتل سب سے ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر ائمہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

احادیث سے استدلال

شاتم رسول جو جرم شتم سے پہلے مسلمان رہ چکا ہو مرتد ہو جاتا ہے اور شتم رسول کی بنا پر اور پھر ارتداد کی بنا پر وہ مستحق قتل ٹھہرتا ہے۔ ذیل میں وہ احادیث بھی درج کی گئی ہیں جن سے ارتداد کی وجہ سے سزائے قتل ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ حدیثیں بھی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شتم رسول کی بنا پر مجرم کو قتل کر دیا گیا۔

(1) مرتد کی سزائے قتل پر احادیث اور سیرت کی کتابیں شاہد ہیں۔

ارتداد کے بہت سے واقعات میں نفس ارتداد پر سزائے قتل دی گئی گو کہ کسی مخصوص بغاوت کی قیادت کا جرم ثابت نہیں ہوا کیونکہ نفس ارتداد خود ایک بغاوت ہے۔ اسی طرح سے شتم رسول بذات خود پیغمبر ﷺ اور شارع اسلام سے بغاوت ہے۔ الگ سے کسی باغیانہ تحریک کی قیادت کے جرم کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔

ابن عباسؓ کی ام ولد کے قتل والی حدیث سے واضح ہے کہ اس کو سب وشتم اور ارتداد کی وجہ سے نابینا صحابیؓ نے قتل کر دیا تھا جس کے خون کو حضور ﷺ نے رائیگاں قرار دیا۔

(2) بلوغ المرام فی احادیث الاحکام (صفحہ ۱۴۳) میں ہے کہ نابینا صحابی والی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کو برا کہنے والا شخص قتل کر دیا جائے گا اور مسلمان ہونے کی صورت میں وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور اس سے توبہ بھی طلب نہیں کی جائے گی۔

(3) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ابن خطل کو اس وجہ سے کہ وہ شاتم رسول تھا۔ حرم میں قتل کروا دیا۔ فتح الباری میں اس واقعہ کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ ابن خطل خانہ کعبہ کا کپڑا پکڑ کر لٹکا ہوا تھا ایک صحابی نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

(4) فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن مجرمین کا خون رائیگاں قرار دیا تھا، ان میں ان خطل کی دو لونڈیاں بھی تھیں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ان میں ایک کا نام قریبہ تھا جو قتل کر

دی گئی تھی۔

(5) مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابوعفک تھا رسول اللہ ﷺ نے جب حارث بن سوید بن صامتؓ کو قتل کرادیا تو اس نے منافقت کا رویہ اختیار کیا اور حضور ﷺ کی شان میں منظوم ہجو لکھی۔ حضور ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کوئی ہے جو اس کو قتل کر دے سالم عمیر اٹھے اور انھوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔

(6) بنو امیہ کی ایک عورت تھی جس کا نام عصماء بنت مروان تھا۔ یہ شاعرہ تھی۔ ابوعفک کے قتل سے اسے ناگواری ہوئی اور اس کا نفاق ظاہر ہوا۔ ذات رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن اور اہل اسلام کے خلاف اس نے اشعار میں ہرزہ سرائی کی۔ حسان بن ثابتؓ نے اس کے قصیدہ کا جواب دیا۔ دونوں کے قصیدوں کے اشعار سیرت بن ہشام میں بھی مذکور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ کیا کوئی شخص نہیں جو انتقام لے اور اس عورت کو جا کر قتل کر دے۔ عمیر بن عدل الخطمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور راور اس کے گھر جا کر اسے قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد وہ رسول ﷺ کے پاس آئے اور قتل کی اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا۔ نصرت الله رسوله باعمیر "عمیر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی۔"

صحابہ کے آثار ونظائر سے استدلال

درج ذیل واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذمی کو بھی شتم رسول کے جرم میں قتل کیا جائے گا۔ اور یہ قتل وہ شخص بھی کر سکتا ہے جو سب وشتم اپنے کان سے سنے۔

حضرت ابن علقمہ سے روایت ہے کہ غرفہ بن حارث الکندی ایک صحابی تھے جن کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو ذمی تھا۔ حضرت غرفہ نے اس ذمی کو اسلام کی دعوت دی اس نے جواب میں نبی ﷺ کو گالی دی۔ حضرت غرفہ نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا۔ انہیں یعنی ذمیوں کو) ہمارے عہد اور ذمہ کی وجہ سے اطمینان رہتا ہے۔ کہا گیا ہم نے انہیں عہد اور ذمہ اس بات کا نہیں دیا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں ہمیں ایذا پہنچائیں۔

وحید الدین خاں صاحب کی نظر سے مذکورہ بالا صحابی کا واقعہ نہیں گزرا۔ ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ "شتم رسول سے مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا تعزیرات اسلام کی کوئی دفعہ نہیں۔"

علماء اسلام اور ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ: شاتم رسول (مسلمان) مرتد ہے اور مرتد واجب القتل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شاتم رسول واجب القتل ہے۔

اب ذیل میں وہ آثار ونظائر پیش کیے جاتے ہیں جن سے ارتداد پر سزائے قتل کا ثبوت ملتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یمن اور نجد کے علاقے میں اردتاد کا فتنہ پھیل گیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مسیلمہ کذاب اور سجاح کی نبوت کو مان لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ فتنہ ارتداد ختم کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور سرکوبی کے لئے انہوں نے عکرمہ ؓ بن ابی جہل کو روانہ کیا اور یہ ہدایت دی۔ عمان سے حضرت موت اور یمن تک جو مرتدین ملیں انہیں قتل کر دو۔

(7) حضرت علیؓ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ عیسایت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ان سب لوگوں کو گرفتار کروایا اور انہیں بلا کر ان سے معاملہ دریافت کروایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم عیسائی تھے پھر ہم نے اپنے اختیار سے اسلام قبول کر لیا مگر اب ہماری رائے ہے کہ عیسائیت سے افضل کوئی دین نہیں۔ اس لئے ہم پھر سے عیسائی ہو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے حکم سے یہ سب لوگ قتل کر دیئے گئے۔

اجماع امت سے استدلال

کتاب وسنت اور سیرت وتاریخ کے واقعات اور ائمہ مجتہدین کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ شتم رسول اور ارداد کی سزا قتل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی امت نے گذشتہ چودہ سو سال میں کسی مسلمان شاتم رسول کو زندہ نہیں چھوڑا کیونکہ گستاخی رسول ارتداد کو مستلزم ہے۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

شاتم رسول، سلمان رشدی کے قضیئے میں ایک علمی بحث یہ اٹھی ہے کہ مرتد کو قتل کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔

اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ذمہ داری امام اور اولوالامر کی ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح ہے کہ ایک عام آدمی بھی مرتد کو اگر قتل کر دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ ارتداد کیوجہ سے وہ پہلے ہی مہدور الدم ہو چکا تھا۔

مذہب امامیہ میں ہے کہ جس شخص نے شاتم رسول کی زبان سے رسول کی شان میں گستاخی کی باتیں سنیں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خود اسے قتل کر دے۔ امام جعفر صادق ؒ سے روایت ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ سے سرکش ہو تو اس کا خون ہر اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کو سنے اور ایسا ہی حکم ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول

اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کی تو جائز ہے اس کے سننے والے کے لیے اسے قتل کر دے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے شتم رسول کے موضوع پر ایک مستقل کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" لکھی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک بدبخت عیسائی توہین رسالت کا مجرم ہوا انہوں نے مسلمانوں کو لے کر اس کے گھر کا محاصرہ کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو کچھ کیا اسے دورِ جدید کی اصطلاح میں ایجی ٹیشن کہتے ہیں۔ اب وحیدالدین خاں صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کوئی ایجی ٹیشن نہیں کرنا چاہیے تھا اور یہ سراسر مجنونانہ حرکت ہے۔

فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسیؒ نے شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی۔

عقلی دلیل

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح مجرد مذہب اور صرف رسوم وعبادات کا مجموعہ نہیں ہے اور نہ صرف انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ریاستی بین الاقوامی قوانین اور تعلقات سے بھی ہے۔ حدود کی تنفیذ اور تعزیرات کا اجراء اس کے دائرہ احکام کے اندر داخل ہے وہ مکمل شریعت اور ایک نظام زندگی ہے۔ کیا ایسے دین کے اندر اس بات کی ذرہ برابر بھی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایک شخص پہلے تو اس دین کے لانے والے رسول کی وفاداری اختیار کرے وفاداری کا عہد کر لینے کے بعد وفاداری کا قلادہ اتار پھینکے اور رسول کو اپنی ہرزہ سرائی اور سب وشتم کا ہدف بنائے اور اپنے اس مکر وفریب کے رویہ سے اہل ایمان کے دلوں میں شکوک کا بیج بوئے اور پھر اپنے اس جرم کے باوجود قابل تعزیر نہ ہو۔ اسلام عبادت بھی ہے اور ریاست بھی دنیا میں کوئی ریاست اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرتی۔ پھر اسلامی ریاست سے یہ کیوں توقع کر لی جائے کہ وہ اس دینی ودینوی سربراہ اور خدا کے رسول کے خلاف سب وشتم کو معاف کر دے جس کی اطاعت ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہے اور جو ذات بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہے۔ اور خود خالق کائنات نے جس کی مدح وثنا کی ہے۔ آپ علیہ وسلم کی ذات مخلوقات میں اتنی ارفع ہے کہ جہاں ایک شخص اس دنیا میں کسی کا خون بہا کر قابل قصاص ہوتا ہے وہاں آپ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی اور توہین سے ہی قابل قصاص بن جاتا ہے۔

شیطانی آیات کے خلاف احتجاج

سلمان رشدی تاریخ کا سب سے بڑا شاتم رسول ہے۔ اس نے اپنی بدنام زمانہ کتاب

شیطانی آیات میں جو کچھ لکھا ہے وہ رکاکت وابتذال کا بدترین نمونہ ہے۔ نقل کفر اگرچہ کفر نہیں ہے۔ لیکن اسے دہرانے کی ہمت بھی آسانی سے نہیں ہوتی ہے۔ اس نے خدا کی شان میں بھی بے ادبی کی ہے۔ اس بدبخت نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے خلاف بھی دریدہ دہنی اور گستاخی کی باتیں لکھی ہیں۔ پھر اس نے ذات رسالت حضور ﷺ کو "ماہونڈ" لکھا ہے جسے پہلے قدیم مستشرقین اسم گرامی محمد ﷺ کی جگہ پر لکھتے آئے تھے۔ اس شیطان صفت انسان نے امہات المومنین کو نعوذ باللہ فحبہ کا پیشہ کرنیوالی عورتوں میں شامل کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت خالدؓ کے خلاف صریح بدزبانی کی ہے۔

ایسی کھلی ہوئی گستاخی رسول سے لبریز کتاب کے خلاف مسلمانوں کا وہی ردعمل ہوا جو اسلام کی چودہ سو سالہ روایت کے مطابق ہے۔ احادیث اور آثار صحابہؓ سے جس کی تصدیق اور اجماع امت سے جس کی توثیق ہوئی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہد میں ایک نصرانی حاکم نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہے تھے۔ سلطان نے حطین کی جنگ کے بعد جب اس کو گرفتار کیا تو یہ کہتے ہوئے اسے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ "میں آج رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انتقام لے رہا ہوں۔"

کتاب ''شتم رسول کا مسئلہ'' ۔ مصنف کا تنقیدی محاکمہ

بھارت کے ایک خودرو مولانا وحید الدین خان نے ''شتم رسول کا مسئلہ'' کے عنوان سے مضامین لکھے جن کو سال 1996ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جس میں ''رواداری'' ''آزادی'' ''آزادی اظہار خیال'' اور ''آزادی افکار'' کی فریب کارانہ اصطلاحات کا سہارا لے کر گستاخان رسول اور شیطان رشدی کی بھرپور وکالت کی گئی ہے کتاب کا مقصدِ وحید یہ بتلانا ہے کہ توہین رسالت سرے سے کوئی جرم ہی نہیں اور اہانت رسول پر احتجاج اور ایجی ٹیشن ان کے اپنے الفاظ میں ''احمقانہ مہم'' ہے۔ اپنی کتاب کے باب ''دور آزادی'' میں موصوف فرماتے ہیں: 'قدیم زمانہ میں ''اظہار خیال کی آزادی'' کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ جدید انقلاب تمام تر اسی تصور آزادی کی دین ہے جس کا ذکر ایڈورڈ ٹیمر (ایک برطانوی صحافی) نے اپنے مضمون رشدی کے بارے میں کیا ہے۔'' رشدی کے خلاف احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے صحافی مذکور لکھتا ہے:

''یہ احتجاج ہمارے مذہب پر حملہ ہے۔ مذہب سے مراد ایسا مذہب نہیں جو ایران کا ہے۔ برطانیہ اور آزاد دنیا کا مذہب اپنے وسیع تر معنی میں ''آزادی'' ہے جس کی بنیاد 'لوک'، 'والٹیر'، 'برک' اور 'امریکی دستور' کے مصنفین وغیرہ نے رکھی ہے۔''

اس مضمون جس کا اقتباس ہم نے قوسین میں دیا ہے حوالہ دے کر خان مذکور لکھتے ہیں:

''اس آزادی نے تاریخ میں پہلی بار ہر ایک کے لئے اپنے فکر و خیال کے اظہار کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ آزادی فکر آج ایسا مسلمہ حق بن چکا ہے جس سے انکار نہ کیا جا سکے۔''

فکر و خیال کی اسی آزادی کے حق کو رشدی نے اپنی کتاب ''شیطانی آیات'' میں استعمال کیا ہے۔ شیطان ہر دور میں ایسی نت نئی تراکیب اور اصطلاحات وضع کرتا رہتا ہے جو بظاہر نہایت پرکشش اور دلفریب نظر آتی ہیں لیکن یہ انسان کی ہلاکت اور تباہی کے لئے مہلک ترین حربے ثابت ہوئے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں شیطان نے ''آرٹ برائے آرٹ'' کے نام سے عریانی اور فحاشی کے لئے جواز فراہم کیا۔ جب یہ اصطلاح پرانی اور فرسودہ ہونے لگی تو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اسی کا نام ''آرٹ'' رکھ دیا اور اس کی سرپرستی میں ہر قسم کی بے راہ روی اور عریانی کی نمائش ہوتی رہی۔ اس سے بھی جب شیطان کے عزائم اور مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آئے تو اس نے ایک اور لفظ ''آزادی افکار'' ایجاد کیا۔ جس نے انسان کے خیالات و افکار کو بے لگام کر

کے اسے تمام اخلاقی شعور سے بیگانہ کر دیا۔ اقبال کی ایمانی بصیرت نے شروع ہی میں دیکھ لیا تھا کہ یہ فتنہ کہاں سے سر اٹھا رہا ہے۔ اس لئے اس نے ایشیاء والوں کو خبردار کیا تھا ''آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد'' یہ آزادی افکار، دین و مذہب و اخلاق و شرافت کے خلاف شیطان کی کھلی جنگ ہے۔ اس کے لئے ابلیس اپنے سورماؤں کو تازہ دم کمک بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے ہراول دستہ سے رشدی نے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ مسلمانوں کے مرکز قلب و روح حضور اکرم ﷺ کی جناب میں گستاخی کی جسارت کی ہے۔ اس کی حمایت صرف ایک خود ساختہ مولانا نے کی ہے جن کا پیدائشی نام وحید الدین خان ہے۔ مداہنت اور چاپلوسی کو انہوں نے ''رواداری'' اور ذہنی غلامی کو آزادی کا نام دے رکھا ہے۔ برطانوی صحافی کا ٹائمز آف انڈیا میں مذکورالصدر مضمون دیکھنے کے بعد ''لوک'' ''روسو'' اور دانشوران مغرب کو موصوف اپنا پیشوا سمجھنے لگے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں وہی آزادی کے اولیں علم بردار ہیں۔ مگر ان حضرات کے کرم خوردہ ذہن کی رسائی حقیقت کبریٰ کی ان بلندیوں تک نہیں ہوسکی جہاں سے آزادی کے اولیں چارٹر کا اعلان حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں کرتے ہوئے رنگ و نسل زبان اور ملک و نسب کے سارے امتیازات مٹا دیئے اور توحید کے کلمہ گیتی نورد سے عالم انسانی کی وحدت کو استوار کیا۔ اس طرح انسان کو ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی غلامی سے آزادی کر دیا۔ سوئس نژاد فرانسیسی مفکر روسو جسے انقلاب فرانس کا بانی سمجھا جاتا ہے اس کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اس نے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد عیسائی مذہب کے عقائد، رسوم اور توہمات جنہوں نے انسان کو ناروا پابندوں کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ جس کی پاداش میں اسے مرتد قرار دے کر فرانس بدر کر دیا گیا تھا۔ اس کی کتاب معاہدہ عمرانی (Due Contract Social) کو انقلاب فرانس کی انجیل کہا جاتا ہے۔ اس میں اسلامی عقائد اور افکار کی گہری چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ خاص طور پر اس کا وہ مقبول عام جملہ ''انسان تو آزاد پیدا ہوا تھا مگر ہر جگہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے'' اسلام ہی سے مستعار لیا ہوا ہے۔

ژاں ژاک روسو اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھی انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ رہا ہے لیکن اس سے بارہ سو سال قبل خدا کے پیغمبر اولیں اور آخریں ﷺ نے انسان کو غلامی کی ساری جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا تھا جس کی خود قرآن گواہی دے رہا ہے۔

''ویضع عنهم اصرهم والا غلال كانت عليهم''

اور وہ (پیغمبر ﷺ) ان سے (ناروا) بوجھ جوان پر لدے ہوئے تھے اور ان زنجیروں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے آزاد کرتا ہے۔"

آزادی کے لئے یہ پیغمبرانہ طریق کار، کسی خاص گروہ، نسل یا قوم کے لئے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لئے برپا کیا گیا تھا۔ یہ تھا آزادی کا وہ دریائے بے کراں ہے جس کی تند و تیز لہریں صحرائے عرب سے اٹھ کر افریقہ اور یورپ تک پہنچی۔ قرآن کے اسی اعلان کی روشنی میں خلیفہ وقت سیدنا عمر فاروقؓ نے گورنر مصر عمرو بن العاص کو سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا:

"عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

اسلامی ریاست میں یہی وہ آزادی تھی جس نے افریقہ کے ایک قبطی اور مصر کے عربی گورنر کے بیٹے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ حضرت عمرؓ کا یہی وہ جملہ تھا جو یورپ نے روسو کی زبان سے اٹھارہویں صدی میں سنا۔ پھر بھی وہ اس معنویت کو ادا نہ کرسکا جو فرمانِ پیغمبر ﷺ اور قولِ عمرؓ کے اندر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ روسو اور اس کے ہم عصر اس اخلاقی اور روحانی قدر کو نہ دیکھ سکے جو آزادی کے اندر اسلام کی بدولت کارفرما تھی جس کا مظاہرہ ایک بدوی سفیر عرب صحابیؓ نے ایران کے سپہ سالار اعظم رستم کے دربار میں اس کے استفسار پر کہ "تم کیا چاہتے ہو؟ کہا تھا: "انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور بس"۔ نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی کلیسا اور شہنشاہیت کی ظالمانہ جکڑ بندیوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کیلئے روسو اور اس کے ہم عصر سیاستدانوں نے مطلق اور بے قید آزادی کا نعرہ لگایا جو عوام تک پہنچ کر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اس وقت وہ اس کے خطرناک نتائج اور انجام سے بے خبر تھے جو اب انسانیت کے لئے وبالِ جان بن گیا ہے۔ جب تک افکار و عمل کی آزادی پر اسلام کی اخلاقی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں اس وقت تک انسانیت بغیر کسی اخلاقی نصب العین کے ہلاکت اور تباہی کی مہیب وادیوں میں بھٹکتی پھرے گی اور انسانی ارتقاء کا عمل نامکمل رہے گا۔ وحیدالدین دو صدی قبل کے مغربی مفکرین کے رومانی تصور کو آزادی کی نیلم پری سمجھ بیٹھے ہیں۔ جس کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ یورپ میں خونی انقلاب کی شورشیں ختم ہونے کے بعد وہاں بھی آزادی کے غیر منطقی اور منفی تصور میں کافی مثبت تبدیلیاں آچکی ہیں۔ کیونکہ دنیا کو بالآخر پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فرمان اور اسی قولِ سیدنا عمرؓ سے رجوع کرنا پڑا جس نے آزادی کے حدود کو متعین کرکے اس کو اخلاقی شعور سے سرفراز کیا تھا۔ جس کے بغیر انسان کی آزادی کی تکمیل ممکن نہ

تھی اور نہ ہی اسے ضمیر کی آزادی نصیب ہوتی۔ اس مسلمہ حقیقت کو خان موصوف یکسر فراموش کر چکے ہیں کہ یہ اخلاق ہی کی قوت ہے جو انسان کو حیوانیت کی پست سطح سے اٹھا کر انسانیت کے بلند مقام تک پہنچا دیتی ہے۔

وحیدالدین خان کی کی کتاب ''مسئلہ شتم رسول'' کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر یقین میں بدل جاتا ہے کہ موصوف پولیٹیکل سائنس و قانون اور اصول فقہ (Science of Jurisprudence) کی مبادیات سے بھی واقف نہیں۔ ورنہ وہ ایسی احمقانہ غلطی نہ کرتے۔ روسو کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اس نے کن حالات میں آزادی مطلق کا نعرہ لگایا تھا لیکن اسی کے ہم عصر ''برک'' (Burke) نے دولت مشترکہ کے آئین کو اخلاقی قدر پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا اور آزادی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس نے دارلعوام House of Commons میں کہا تھا۔ آزادی پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حدود کو متعین کیا جائے۔ ان کا ماخذ بھی دراصل عین اسلامی اصول ہیں ہم یہاں علی وجہ البصیرت بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی آئین یا دستور خواہ وہ تحریری ہو یا غیر تحریری ایسا نہیں جس کی اساس ان ہی اسلامی اصولوں پر استوار نہ ہوئی ہو جو آزادی کے حدود اور قیود متعین کرتے ہیں اور جس میں اخلاقی پابندی کو شامل نہ کیا گیا ہو۔

ہم یہاں صرف چند معروف دستوروں کا حوالہ دیں گے جو سیکولرازم کے دعوئ دار ہیں لیکن ان میں بھی مطلق آزادی کا حق نہیں دیا گیا، سب سے پہلے فرانس کے آئین کو دیکھئے۔ اس کے آرٹیکل نمبر 1 میں کہا گیا ہے:

''انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا۔ اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفاد عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا۔''

اسی آئین کے آرٹیکل نمبر 4 میں کہا گیا ہے:

''آزادی کا حق اسی حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعہ کیا جائے گا۔''

اسی طرح جمہوریہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر 1 کی رو سے تکریم انسانی (Dignity of Man) ''ولقد کرمنا بنی آدم (القرآن:70:71) کو ناقابل تنسیخ حق قرار دیا گیا ہے۔ اس آئین کے آرٹیکل نمبر 5 میں کہا گیا ہے:

ہر شخص کو تحریر، تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی آرٹیکل نمبر 5 کی ذیلی آرٹیکل نمبر 2 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ حقوق، قانون عام، قواعد وضوابط اور شخصی عزت وتکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کئے جا سکیں گے۔

امریکہ میں آزادی تحریر وتقریر وہاں کے دستور میں پہلی ترمیم کے بعد حاصل ہوئے لیکن اس میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں امریکن سپریم کورٹ کے فیصلوں کے مطابق دستور بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص بھی ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریر یا تقریر کرے جو عوام میں اشتعال انگیزی کا باعث ہو اس لئے ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قاہرانہ طاقت استعمال کر کے ایسی آزادی کو سلب کر لے جو امن عامہ میں خلل انداز ہو یا اس کی وجہ سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہو۔ ملاحظہ ہو (286 US 652) امریکہ کی سپریم کورٹ نے آزادی مذہب کے بارے میں اپنے ایک معرکتہ الارا فیصلہ میں لکھا ہے کہ آزادی مذہب کے نام پر توہین مسیحؑ کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس سے پیروان مسیحؑ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کا اقتباس ہم نے اسی کتاب کے باب ''قانون توہین رسالت عالمی تناظر'' میں دیا ہوا ہے۔

برطانیہ میں اگرچہ تحریری دستور موجود نہیں لیکن وہاں کے غیر تحریری آئین میں بھی کسی کو آزادی تحریر وتقریر اور آزادی اظہار خیال کے حق کی بناء پر ایسا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے کہ وہ برٹش لاء کے خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زبان یا قلم کو استعمال کرے۔ اس بارے میں یورپ کے مسلمہ مفکر آئین وقانون ڈائیسی نے لکھا ہے:

ایسا بیان جو شخصی توہین یا توہین مسیحؑ کی زد میں آئے۔ اس کا اظہار خواہ کسی خط یا کارڈ ہی کے ذریعہ کیوں نہ کیا جائے اس کی حیثیت کسی کتاب یا اخبار میں شائع شدہ بیان ہی کی طرح مقصود ہو گی اس لئے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہو گا کہ برطانیہ میں پریس مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔'' (آئینی قانون۔ اے۔ وی۔ ڈائیسی ص 247)

البتہ برطانیہ میں آزادی تقریر کے لئے کچھ اہتمام کیا گیا ہے وہاں ہائیڈ پارک میں ایک چھوٹا سا گوشہ مختص ہے جو اسپیکر کارنر کے نام سے مشہور ہے اس مختصر سی جگہ میں مختص اوقات کے اندر ہر شخص کو جو جی میں آئے کہنے یا بکنے کی چھوٹ دی گئی ہے لیکن یہاں بھی کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ یا برطانیہ کہ ملکہ معظمہ کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی کرے۔

خود انڈیا جہاں کے وحید الدین باشندے ہیں اپنے آئین کے متعلقہ دفعات

(Articles) کو پڑھ لیتے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے تو آزادی اظہار خیال کے بارے میں اسی طرح کی نامعقول باتیں شاید نہ کرتے۔ انڈین کانسٹی ٹیوشن کا آرٹیکل نمبر 19 آزادی اظہار خیال اور آزادی تحریر وتقریر اور دیگر حقوق سے متعلق ہے۔ آرٹیکل نمبر 19 کی ذیلی دفعہ (2) میں کہا گیا ہے کہ آزادی تحریر وتقریر اور اظہار خیال کے حق سے موجود قوانین متاثر نہیں ہوں گے بالفاظ دیگر یہ آزادانہ حقوق ان قوانین کے حدود سے تجاوز نہیں کرسکیں گے جو انڈیا میں نافذ العمل ہیں یا ہوں گے۔ ریاست کو ان آزادانہ حقوق پر معقول پابندیاں عائد کرنے کی قانون سازی کا حق حاصل ہوگا جو انڈیا کی بالا دستی اور اس کے تحفظ سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق ملک کے نظم وضبط شخصی عزت، تہذیب وشائستگی اور اخلاقی اقدار سے وابستہ ہو۔ شائستگی (Decency) کا لفظ دوسرے دستاویز میں واضح طور پر موجود نہیں جس طرح کہ انڈیا کے دستور میں اسے بطور خاص استعمال کیا گیا ہے۔

ہم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کا ذکر اس لئے مناسب خیال نہیں کیا کہ کہیں موصوف اس کے نام ہی سے بدک نہ جائیں کیونکہ یہ لادینی (Seculer) آئین نہیں ہے۔ آزادی تحریر وتقریر اور آزادی خیال پر آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل نمبر 19 ہی کے تحت وہی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا ذکر انڈیا کے دستور کے متعلقہ آرٹیکل کے تحت آچکا ہے۔ اس میں بھی تہذیب وشائستگی نظم وضبط اور اخلاق کی پابندی کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ عظمتِ اسلام (Glory of Islam) کے منافی ان آزادنہ حقوق کے استعمال کی کسی صورت اجازت نہیں دی جائے گی۔

چونکہ وحید الدین خان کی ذہنی ساخت سیکولر ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ گلوری آف اسلام کے الفاظ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترسکیں گے اس لئے ہم ان کی مزید وضاحت نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ یہ بات ان حضرت کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آزادی تحریر وتقریر اور اظہار خیال کی آزادی دنیا کو سب سے پہلے اسلام نے دی تھی مگر اس کو اخلاقی اقدار، شرافت اور شائستگی اور معقول پابندیوں کے ساتھ مشروط بھی اسلام ہی نے کیا تھا جس کو ساری دنیا نے بعد میں تسلیم کرلیا اور اس کو اپنے آئین اور قانون کا جزو لاینفک بنالیا۔ وگرنہ ان پابندیوں کے بغیر معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوجاتا اور ان کے بغیر کوئی ریاست، کوئی حکومت اپنا وجود ہی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس کم علمی کی وجہ سے جو جہالت سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے وحید الدین خان

آزادی کے مکمل مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون، کوئی آئین کسی کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اخلاقی حدود کو پھلانگتے ہوئے اور شرافت اور شائستگی کی اونچی سطح سے اتر کر آزادی کے نام پر دشنام طرازی اور دل آزادی کرے اور اسے آزادی تقریر کا حق سمجھ لے۔ خان صاحب موصوف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ وہ لال قلعہ کی چھت پر کھڑے ہو کر گاندھی جی، اندرا گاندھی، جواہر لال نہرو یا اپنے راشٹر پتی کو مغلظات سنائیں۔ پھر انہیں پولیس اظہار خیال کی آزادی اور آزادی تقریر کا مفہوم اچھی طرح سمجھا دے گی اور انہیں اس مقام پر پہنچا دے گی جہاں مرفوع القلم (Lunatic) حضرات کو بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو رواداری کا سبق دینے والے اور انہیں رشدی جیسے دریدہ دہن شخص کی گندی گالیوں پر صبر کی تلقین کرنے والے ان حضرت میں کیا یہ حوصلہ ہے کہ وہ اس شخص کو برداشت کر لیں گے جو ان کی ماں، بہن، بیٹی، بہو اور بزرگوں کو وہی ننگی گالیاں دیتا پھرے جو شیطان رشدی نے اپنی کتاب ابلیسی خرافات میں جا بجا دی ہوئی ہیں۔

وحید الدین خان کی یہ کتاب پاکستان میں ہماری تحریک ناموس رسول جس کے نتیجہ میں یہاں قانون توہین رسالت نافذ ہوا کے بعد کی پیداوار ہے اس بندہ عاجز نے اپنی اس کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں ان تمام طاغوتی خیالات کو جو خان صاحب اور موصوف کے مدحین کے دماغ میں کلبلا رہے تھے پہلے ہی جواب دے دیا تھا۔ اب ہم اس کتاب کو مزید تاریخی آئینی اور قانونی اضافوں کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی شائع کر رہے ہیں۔

مولانا نے رشدی کے جوش حمایت میں قلابازیوں کے ایسے ایسے کرتب دکھائے ہیں ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہیے۔ مولانا کا ہدف بیچارہ "اردو خوان" طبقہ ہے خواہ وہ یورپ میں ہو یا امریکہ میں، ہندوستان پاکستان میں ہو، بنگلہ دیش یا دنیا کے کسی حصہ میں ہو ساری شرارت اور کارستانی اسی طبقہ کی ہے جس کی وجہ سے بقول مولانا یہ "لغو ایجی ٹیشن اور ہنگامہ دار و گیر رشدی کے خلاف دنیا میں جگہ جگہ برپا ہوا۔ اسی لئے مغربی دنیا سلمان رشدی کو اپنا معاملہ بنا کر مسلم دنیا کے خلاف کمربستہ ہے۔ مغربی دنیا کی طرف سے سلمان رشدی کی حمایت کا سبب اسلام دشمنی نہیں ہے۔ جیسا کہ مسلم رہنما سطحی طور پر اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ان کے اپنے مذہب کا دفاع ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح مسلمان اپنے مذہب کے دفاع میں متحرک ہیں۔ اس طرح یہ لڑائی مسلمان بمقابلہ رشدی نہیں رہی بلکہ مسلمان بمقابلہ مغرب بن گئی ہے۔"

مولانا چالیس سال سے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور یہ مہم چلا رہے ہیں کہ یہ کم نصیب ''اردو خواں'' طبقہ راہ راست پر آ جائے۔ بھاری بھرکم کتابوں سے اپنی تحریروں، تقریروں اور لٹریچر کے انبار سے اس ''طبقہ'' کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ اپنے دین و مذہب پر اس طرح حملہ سے مشتعل نہ ہوں اسلام اور مرکز اسلام کی اہانت، توہین اور دشنام طرازیوں پر غم و غصہ کا اظہار اور ایجی ٹیشن لغو اور بہت بری بات ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ رسول رحمت ہیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں مگر مولانا سے کوئی یہ پوچھے کہ حضرت! اللہ میاں بھی تو ارحم الراحمین ہیں لیکن وہ بھی اپنے منکرین اور نافرمان بندوں کو، اپنے رسولوں کے منکرین اور ان کی اطاعت سے انکار کرنے والوں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سخت سزا اور عذاب شدید کی وعید سنا رہے ہیں۔ معلوم نہیں خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح سلوک کے بارے میں مولانا کا کیا خیال ہے؟

مولانا جن کا شمار بھارت کا دین و مذہب سے نا آشنا طبقہ چوٹی کے فضلاء میں کرتا ہے ۔ملت کے لئے اتنے پاپڑ بیلے ہیں اس کے باوجود اس ناسمجھ ''اردو خواں طبقہ'' پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ ''سوچنے کی بات'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں ''اس کام میں اگرچہ مجھے ''ملت'' کا مطلوبہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔'' جس کی وہ اتنے عرصہ دراز سے آس لگائے بیٹھے تھے اور اسی سوچ اور فکر میں غلطاں اور پیچاں رہے مگر داد دیجئے ان کی ہمت پر کہ اس نامرادی کے باوجود وہ اس شوق فضول سے باز نہیں آئے۔ فرماتے ہیں ''تاہم میں نے اپنی پوری طاقت اس کام میں لگا رکھی ہے۔''

سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ رشدی نے اپنی ابلیسی کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے۔ ''اردو خواں'' طبقہ نے اس کو کیسے پڑھ لیا۔ اگر پڑھ بھی لیا تو اسے کیسے سمجھ لیا؟ جب کہ وہ مولانا کی اردو میں لکھی ہوئی چالیس سالہ تحریروں کو بھی نہیں سمجھ پائے! ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ مولانا کی ''مادری زبان'' کیا ہے؟ مولانا اردو جیسی کم مایہ زبان کی بجائے رشدی کی طرح انگریزی کو آزادی اظہار کا ذریعہ بناتے تو شاید انگریزی داں طبقہ پر رشدی کی کتاب اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہم نے لفظ شاید اس لئے لکھا ہے کہ انگریزی داں طبقہ نے رشدی کی کتاب اور اس کے اظہار خیال پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ برطانیہ کے انگریزی زبان کے معروف نقاد ابروں واف (Auberon Waugh) نے تو یہ مطالبہ کیا ہے کہ رشدی کو خراب انگلش لکھنے پر سزا دینا

چاہیے۔خود بھارت کے دانشور خشونت سنگھ نے رشدی کی اس کتاب کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ بطور ناول بھی یہ کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ۔ یہ باتیں مولانا کے علم میں ہیں۔فیض احمد فیض کا جو انگریزی کے بہت بڑے رائٹر تھے رشدی کی انگریزی کے بارے میں یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدنصیبی ہو سکتی ہے کہ رشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ وہ ''اردو داں'' تھے۔مولانا کے ترکش کا کوئی تیر ایسا نہیں جس کی زد میں آ کر کوئی بچ سکا ہو۔ ''ملت'' تو خیر شروع ہی سے ان کے زیر عتاب رہی ہے۔شاتم رسول رشدی کے خلاف مسلمانوں کے ''شور و غل'' پر مولانا خوب گرجے برسے ہیں مگر اس کو انہوں نے کافی نہیں سمجھا اور ملت کو معاف نہیں کیا بلکہ وہ اس کو سخت سزا دینے کے لئے پوری قوت مجتمع کیے رہے۔فرماتے ہیں ''ایجی ٹیشن'' ناجائز ہے اس لئے انہوں نے ملت اور ملت کے رہنماؤں پر فرد جرم عائد کر دی ہے۔ ''مسلم رہنماؤں کی یہ غلطی صحیح لفظ سرکشی ہے بلاشبہ آخری حد تک ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ جرم (ایجی ٹیشن شور و غل) یقیناً سلمان رشدی کے جرم سے بھی زیادہ سنگین تر ہے۔سلمان رشدی کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش میں مسلمان رہنماؤں نے خود اپنے آپ کو شدید تر قسم کے مجرمانہ کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔'' اس طرح جرم کو ناقابل معافی قرار دے کر سنگین ترین سزا یعنی اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ مولانا نے سنا دیا اور دوسری طرف رشدی کو تمام جرائم سے نہ صرف بری کر دیا بلکہ اسے ادبی ہیرو بنا دیا۔فرماتے ہیں ''مسلمانوں کے اس احمقانہ اقدام کے آخری نتیجہ میں سلمان رشدی ہیرو بن کر برطانیہ کی شاہی حفاظت میں بیٹھا ہوا ہے۔''

''توہینِ رسالت'' اور ''توہینِ ریاست'' مولانا کو چونکہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے اس لئے برطانیہ کے قوانین توہین رسالت (Blasphemy) اور توہین ریاست (Contempt of State) کے فرق کی وضاحت بھی ناگریز مجبوری تھی۔اس سلسلے میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

''برطانیہ میں سترھویں صدی سے ایک قانون موجود ہے جو مسیحیت کے خلاف کفریہ کلمات (Blasphemy) کو قابل سزا جرم قرار دیتا ہے مگر اس تعزیری قانون کے ہوتے ہوئے برطانیہ میں ایک فلم بنائی گئی جو سراسر قانون کے منشاء کے خلاف ہے اس فلم کا نام ہے : The Last Temptation of Christ اس فلم میں نعوذ باللہ مسیح کی جنسی زندگی کے مناظر دکھلائے گئے ہیں یہ فلم برطانیہ میں کھلے طور پر دکھائی جا رہی تھی مگر مذکورہ قانون ہونے کے باوجود اس فلم پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی نہ اس کے بنانے والوں کو کوئی سزا دی گئی۔اسی طرح

برطانیہ کی ایک برعکس مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''پیٹر رائٹ'' (Peter Wright) ایک انگریز ہے جو ریٹائرڈ ہونے کے بعد آسٹریلیا میں رہتا ہے وہ برطانیہ کے محکمہ انٹیلی جنس میں اعلیٰ آفسر تھا۔ اس نے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی یاداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام ''اسپائی کیچر'' (Spy Catcher) ہے۔ اس کتاب میں برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کے راز بتائے گئے ہیں۔ پیٹر رائٹ نے اپنی یہ کتاب لندن کے ایک پبلیشر کے ہاتھ فروخت کی مگر اس کی اشاعت سے پہلے ہی حکومت برطانیہ کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً یہ کہہ کر اس پر پابندی لگا دی کہ یہ کتاب سرکاری رازوں کی پردہ داری کے خلاف ہے۔ مصنف اور پبلیشر کی تمام کوششوں کے باوجود یہ کتاب چھپ نہ سکی۔ 1988ء میں یہ کتاب ایک بیرونی ملک میں چھاپی گئی تاہم برطانوی حدود میں اس کتاب کا داخلہ ممنوع ہے۔ تقابلی مثال پر غور کیجئے ایک ہی ملک ہے۔ وہاں ''توہین مسیح'' کا واقعہ ہوتا ہے مگر قاعدہ قانون کے ہوتے ہوئے اس پر پابندی نہیں لگائی جاتی دوسری طرف اسی ملک میں توہین ریاست کا واقعہ ہوتا ہے تو حکومت اس کے خلاف فوراً سرگرام ہو جاتی ہے اور پورا ملک اس کو اپنے اندر جگہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس فرق کی مولانا توجیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ برطانیہ ''توہین ریاست'' کی اہمیت سے واقف ہے مگر ''توہین مسیح'' کی اہمیت کا اسے احساس نہیں۔''

توہین نبوت کے بارے میں وہ یہی ''بے حسی'' مسلمانوں، مسلمان رہنماؤں اور مسلمان ریاستوں کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ توہین نبوت جس پر ان کے ایمان اور اعتقاد کا دارومدار ہے اسے قطعی کوئی اہمیت نہ دیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی جس ''ریاست'' میں ہوں انہیں صرف اسی ریاست کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے اور وہ ریاست کو پوجمان شے (Fetish) تسلیم کرلیں۔ لیکن مولانا کو غالباً معلوم نہیں کہ مسلمان امن پسند شہری ہیں وہ جہاں بھی ہوں قانون کے ذریعہ اپنا حق منوانا چاہتے ہیں۔

ایسی لغویات قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے صریح انکار ہے۔ جہاں تک قرآن اور حدیث کی تفسیر اور تعبیر کا تعلق ہے اس بارے میں مسلمہ علمائے دین کے مقابلہ میں ایک خود ساختہ مولوی وحیدالدین کے پراگندہ خیالات کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے ہم اس پر کوئی تبصرہ کر کے اپنا اور قارئین کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔

جہاں تک ان کی قانونی معلومات کا تعلق ہے اس بارے میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی ابجد سے بھی واقف نہیں جس کا ثبوت خود آئین اور قانون کی زبان میں پہلے بھی کر دیا گیا ہے اور آئندہ بھی جہاں ضرورت ہو پیش کر دیا جائے گا۔

تاریخ اور عالم اسلام کے قائدین پر وحید الدین خان کا مجرمانہ حملہ:

تاریخی استقراء اور فلسفہ تاریخ تو بہت اونچی چیز ہے جو موصوف کے نابالغ ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔ لیکن انہوں نے تاریخ اور واقعات کو مسخ کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

حضرت مسیح کی پاکیزہ زندگی پر ایک سیکسی فلم (Last Temptation of Christ) کو اسلامی نظریہ حاکمیت الہٰی (Sovereignty of Allah) کے برخلاف اپنے سیکولر نظریہ اقتدار ریاست (Sovereignty of State) کی تائید میں پیش کیا ہے اس بارے میں ان حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا گیا ہے۔ جس سے ان کے سیکولر نظریہ ریاست اور اس الزام کی تردید ہوتی ہے جو انہوں نے مسلمانوں پر لگایا ہے۔ وہ مبینہ الزام ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:

"شتم (توہین پیغمبر) کے معاملہ میں موجودہ زمانہ کا مسلمان ایک عجیب تضاد میں مبتلا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ جب مسئلہ بیان کرنا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر پر سب و شتم کرنا یکساں طور پر جرم ہے۔ وہ ہر طرح ایسے شاتم کو واجب القتل قرار دے دیتا ہے۔ مگر عملی اعتبار سے ان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اپنے پیغمبر کے سب و شتم پر بھڑکتے ہیں جہاں تک دوسرے پیغمبروں کا تعلق ہے ان کے خلاف خواہ کسی قسم کی بھی گستاخی کی جائے ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔"

یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے۔ جن دنوں، متذکرہ بالا فلم مسیح کی آخری ترغیب جنسی لندن کے سینما ہال میں دکھلائی جانے والی تھی یہ خاکسار لندن میں موجود تھا۔ ہم نے اس فلم کی نمائش کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی۔ 22 ستمبر 1988ء سینما ہال کے سامنے پکٹنگ شروع ہوئی۔ جس میں عیسائی اور یہودیوں کا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس نے برٹش فلمز، انسٹیٹیوٹ کو باقاعدہ نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش روک دی جائے ورنہ فلمساز، سینما کے مالکان اور برٹش فلمز انسٹیٹیوٹ کے خلاف بلاس فیمی (Blasphemy) قانون کے تحت کاروائی کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں اس فلم کے خلاف ہمارے انٹرویو کے علاوہ مضامین

بھی لندن کے اخبارات میں شائع ہوئے جس کے نتیجہ میں لندن کے زیر زمین اسٹیشنوں سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ بازار حسن کی طوائف کے قد آدم پوسٹر ہٹائے گئے اور فلم بری طرح فلاپ ہو گئی۔ اس لئے معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ فلم کا پروڈیوسر برطانوی باشندہ نہ تھا بلکہ ایک امریکن یہودی تھا۔

مسلمان خود کو حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ اور عیسیٰؑ اور تمام انبیاء کرام کا وارث سمجھتے ہیں۔ قرآن کے فرمان کے مطابق ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے البتہ فضیلت کا معاملہ اور ہے۔ اس لئے وہ کسی بھی پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کر سکتے اور جو کچھ بھی ان کے بس میں ہو وہ کر گزرتے ہیں۔ برطانیہ کے مسیحی شہریوں کے نوٹس کے بعد فلم کی نمائش ختم ہو گئی۔

مولانا کو غالباً یہ علم نہیں کہ لندن کے ایک رسالہ گے نیوز (Gay News) کے ایڈیٹر لے مون کے خلاف توہین مسیحؑ کے جرم میں 1977ء میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں اس ایڈیٹر کو 1979ء میں سزا دی گئی۔ اس کے خلاف لے مون نے اپیل کی جو خارج ہوئی۔ بالآخر برطانیہ کی سب سے بڑی عدالت ہاؤس آف لارڈز نے بھی اس کی سزا کو بحال رکھا اور اپیل مسترد کر دی گئی۔ اس کے ایک جج لارڈ ڈپلوک تھے جو مولوی تمیز الدین خاں کیس میں گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے بطور کونسل پیش ہوئے تھے۔

برطانیہ میں کسی ایسی فلم کی نمائش کی بھی اجازت نہیں جس میں جناب مسیحؑ کی عقیدت مند راہبہ سینٹ ٹریسی کے خلاف بھی جنسی مناظر دکھلائے گئے ہوں۔ برطانیہ کے اس فیصلہ کو سال 1996ء میں یورپی یونین کی سب سے بڑی ہیومن رائٹس کی عدالت نے برقرار رکھا ہے اور بلاس فیمی لاء کو جائز قرار دیا ہے۔ اس فیصلہ کا اقتباس کتاب میں شامل ہے۔

مندرجہ بالا الزام کی بنیاد وہ عجیب و غریب تضاد بتلاتے ہیں جس میں یہ مسلمان قوم مبتلا ہے۔ حالانکہ خود حضرت کی ذات اور ان کی کتاب میں تضاد۔ کے ایسے ایسے نوادرات ملتے ہیں جو اور کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکتے ایک طرف تو مسلمانوں پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ وہ پیغمبر ﷺ کے سوا کسی اور پیغمبر کی اہانت پر خاموش تماشائی بن جاتے ہیں لیکن اگر مسلمانوں نے ایسی کوئی حرکت کی تو اس پر بھی سخت ناراض ہو جاتے ہیں اور اس واقعہ کو ''تخریب کاری'' کے الزام کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پاکستان کے انگریزی اخبار فرنٹیئر پوسٹ میں کسی مغربی پرچہ سے ایک مضمون نقل کیا گیا۔ اس کے ساتھ آدم اور حوا کی ایک تصویر بھی تھی وہ بھی فرنٹیئر

پوسٹ میں چھپ گئی۔اس کے بعد ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں بپھرے ہوئے مسلمانوں نے اخبار کی وسیع عمارت کو گھیر لیا اور اس کو ساز و سامان سمیت جلا کر خاکستر کر دیا۔اس قسم کے واقعات ایک یا دوسری شکل میں ہو رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو عمل کی آزادی حاصل ہے۔مسلمان اپنی اسی ملی ہوئی آزادی کو ''تخریب کاری'' میں استعمال کر رہے ہیں یہ سرکشی اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔پھر خود ہی مصنف بن کر اس جرم کی سزا میں مسلمانوں کے خلاف اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ بھی صادر کر دیا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔مگر اس فیصلہ پر عملدرآمد ان کے یا ان کے سرپرست طاقتوں کے کے بس کی بات نہیں اس لئے وہ حضرت ناصح کے بہروپ میں ناسمجھ مسلمان قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ رشدی کی گالیاں کا، اس کی خرافات کا کوئی جواب نہ دیں اور اسے کھل کھیلنے کا موقع دیں۔مگر ناصح مشفق خود ''اردوداں'' طبقہ یعنی مسلمان قوم، مسلمان رہنماؤں، اس کے شہیدوں اور ملت کی برگزیدہ شخصیتوں کے خلاف نہ صرف تہذیب اور شائستگی سے گری ہوئی زبان استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے خلاف گالیوں کا آزادانہ استعمال کو جائز بلکہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔اس لئے مسلمانوں کی طرف تو بے محابا ''احمق، نالائق، نادان، بے عقل'' کے سنگ دشنام پھینکتے ہیں اور ان کے قانونی احتجاج کو ''لغو، فضول، شوروغل، چیخ و پکار'' کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔اس احتجاج کی وجہ سے اسلام بھی ان کی نظر میں ''وحشت اور بربریت کا مذہب بن چکا ہے'' اس لئے انہیں یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ اس کی وجہ سے روئے زمین پر شاتمین کی قبروں کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دے گا۔اسلام کی بزرگزیدہ ہستیوں، مسلمانوں کی محبوب شخصیتوں اور ان کے قائدین کے بارے میں انہوں نے جس طرح اظہار خیال کیا ہے اس کے چند نادر نمونے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

امام ابن تیمیہ

شیخ الاسلام مجدد دین امام ابن تیمیہؒ کو تفہیم قرآن وحدیث، تفقہ فی الدین، فلسفہ منطق اور تمام علوم متداولہ میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ ان کے بدترین مخالف بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔پھر میدان جہاد میں ان کے کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذات میں اتنے صفات عالیہ جمع کر کے انہیں مجتہد اور مجدد کے بلند مقام کے لئے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی ایک ایسا مرد مجاہد بھی بنا دیا جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار کا جوش اور جذبہ سرایت کئے ہوئے تھا علامہ شبلیؒ جیسے بلند پایہ عالم اور اسلامی مورخ نے امام ابوحنیفہؒ، امام غزالیؒ امام رازی شاہ

ولی اللہؒ جیسی ہمہ مقتدر دینی شخصیتوں میں سے صرف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کو ہی مجدد دین و ملت کے منفرد اور ممتاز مقام پر فائز دیکھا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسی نابغہ روزگار شخصیت بھی صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی ذات کو امامت اور مجددیت کا سزاوار سمجھتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ساتھ صدیوں کے گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر پیدا نہیں ہوا۔ مگر اس دور کا ایک قلم کار وحیدالدین خان امام ابن تیمیہ کی ذات گرامی اور ان کی گراں قدر تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" جو توہین رسالت کے موضوع پر قرآن کی آیات مبینات، احادیث رسول، ائمہ فقہ کے متفقہ استنباط کی روشنی میں اور خود اپنی عالمانہ بصیرت اور براہین قاطع اور زور استدلال سے "شتم رسول" کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے مستند ترین کتاب ہے۔ تمام اسلامی مکاتب فکر اس کتاب کو بطور سند پیش کرتے ہیں مگر ابن تیمیہ کی کتابوں کے بارے میں ایک طفل مکتب وحیدالدین خاں کی جسارت ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے: ابن تیمیہ کی کتابیں تجربہ اور استدلال کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی نہیں ہوتیں۔ "الصارم المسلول" بھی اس اعتبار سے کوئی معیاری کتاب نہیں۔ ان میں انہوں نے طفلانہ باتیں کہی ہیں اور ان کی توجیہ مضحکہ خیز حد تک بے معنی ہے "ابن تیمیہ کی دلیل دھاندلی ہے۔"

خدا کی شان تو دیکھو کہ گل چڑی گنجی — حضور بلبل بستاں کرے سخن سنجی

ابن قیم جیسے بلند پایہ مفکر اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں: "ابن قیم چونکہ امام ابن تیمیہ کے ہم خیال لوگوں میں سے ہیں اس لئے ابن قیم نے شتم رسول کے مسئلہ کو حرمت رسول کا مسئلہ بنا دیا ہے اس طرح اس کو حقوق العباد کے تحت لائے ہیں" مگر (وحیدالدین خاں) اسے ان حضرات کی ذاتی توجیہہ کہہ کر رد کرتے ہیں۔

امام خمینی اور ابوالحسن ندوی

ایران اور ہندوستان کی ان دو بزرگ شخصیتوں کے بارے میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ انہیں اسلامی قانون کی توہین کا مرتکب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: "ایران کے آیت اللہ خمینی نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ شیطانی آیات کے مصنف سلمان رشدی کو قتل کر دیں اسی کے ساتھ ایرانی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ قاتل کو اس کے معاوضہ میں ایک بڑا انعام دے گی۔"

مولانا ابوالحسن ندوی نے امام خمینی کی تائید کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امام خمینی اس اعلان میں حق بجانب ہیں۔ اسلام میں پیغمبر اسلام کی توہین کے مجرم کی سزا یہی ہے کہ اس کو قتل کیا

جائے۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سلمان رشدی نے اگر پیغمبر اسلام کی توہین کی تھی تو میرے نزدیک امام خمینی اور مولانا ندوی جیسے لوگ اسلامی قانون کی توہین کر رہے ہیں۔کیونکہ اسی طرح کسی کو قتل کروانا ہرگز اسلام کا واقعہ نہیں مگر ساری دنیا کا مسلم پریس بہ یک زبان خمینی کی طرفداری میں کھڑا ہوگیا ہے۔'' ''ایران میں نام نہاد اسلامی انقلاب کے بعد انقلابیوں کے ہاتھوں پیش آنے والے وحشیانہ واقعات نے ساری دنیا میں لوگوں کو اسلام سے بیزار کر دیا۔'' ''ایران کا انقلاب صرف اینٹی شاہ انقلاب تھا نہ کہ کوئی اسلامی انقلاب جسے خلاف واقعہ طور پر اسلامی انقلاب کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بدنام ہو کر رہ گیا۔''

مولانا محمود الحسن:

پاک و ہند کی بہت بڑی دینی درسگاہ کے بانی اور آزادی ہند کے مجاہد رہنما شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر بھی ان کے ایک شعر کا حوالہ دے کر توہین مسیحؑ کا الزام عائد کر دیا اور حیران ہیں کہ توہین رسالت کو جرم سمجھنے والی قوم نے انہیں زندہ کیسے اور کیوں چھوڑ دیا۔اس سلسلہ میں ان کی نعت کا ایک شعر انہوں نے نقل کیا ہے:

''مردوں کو کیا زندہ، زندوں کو دیا نہ مرنے   یہ مسیحائی تو دیکھیں ذرا ابن مریم

معلوم نہیں تھا کہ خاں صاحب شعر و ادب کے معاملہ میں اتنے کور ذوق واقع ہوئے ہیں کہ وہ ایک سادہ سے شعر کے معنی و مفہوم کو بھی نہ سمجھ سکے خاں صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر اقبال پر بھی حملہ کر دیا۔

علامہ اقبالؒ

علامہ اقبال بھی اپنے اشعار کی وجہ سے خاں صاحب کی نظر میں کافر و زندیق اور مشرک ہیں۔اقبال کی اپنی زندگی ہی میں ان کی ایک نظم ''آفتاب'' پر لاہور کے ایک مولوی دیدار علی نے ان کے خلاف کفر کا فتوی دے دیا تھا۔اقبال اپنے دور کے مولوی اور ملا حضرات سے گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی   اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے بعد آنے والے دور کا ایک ''ماڈرن ملا'' وحیدالدین ان سے بازی لے جائے گا۔ان حضرت ملا نے علامہ کے بارے میں لکھا ہے اور لکھتے وقت علامہ کا یہ ''مشرکانہ'' شعر بھی ان کے پیش نظر ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر   ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

اس شعر کی تشریح وہ یوں فرماتے ہیں:

''یہ مسلمان جن کو ان کے نام نہاد رہنماؤں (اقبال اور جناح) نے ''محتسب کائنات'' کے منصب بلند پر بٹھا رکھا ہے۔ ان کے احتساب کا اگلا شاید وہ آسمانی اقدام ہو گا جس کو ان کے محبوب شاعر نے ان شاندار الفاظ میں بیان کیا ہے'':

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے   یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال کا یہ شعر خاں صاحب کے فتویٰ کے مطابق سراسر ''کافرانہ'' اور ''مشرکانہ'' ہے اس پر اس کے سوا اور کہا جا سکتا ہے۔   سخن فہم نہ ای دلبرا خطا ایں جاست

قائداعظم محمد علی جناحؒ

''اردوں داں طبقہ'' کے شاعر اقبال کے بعد خاں موصوف نے اسلامیان ہند کے قائد محمد علی جناح جو ''انگریزی داں'' تھے ان کو بھی ہدف تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ مسلمانوں کی آزاد مملکت کے لئے ان کی بے مثال قربانیوں کو بہ یک جنبش قلم مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''موجودہ پاکستان محمد علی جناح کی دین نہیں بلکہ حقیقتاً وہ محمد بن قاسم ثقفی کی دین ہے۔''

قائداعظم نے موصوف کی مضمون نویسی سے بہت پہلے ہی یہ کہا تھا کہ پاکستان اسی وقت بن گیا جب کہ سرزمین ہند پر پہلے مسلمان نے قدم رکھا تھا۔ اپنی وفات سے ایک دن قبل انہوں نے اپنے معالج خصوصی ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا: ''تم جانتے ہو جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہ کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسول خدا کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا اب پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔''

(روزنامہ جنگ کراچی 11 ستمبر 1988ء)

مسلمانوں کے قائد نے اپنی وفات سے قبل یہ اعلان حق کیا تھا کہ زمین پر بادشاہت دینے والی ذات خدا کی ہے۔ مگر اقبال کو ان کے ایک شعر کے حوالہ سے ''کافر'' اور ''مشرک'' کہنے والا شخص پاکستان کو اللہ کا دین کہنے کی بجائے محمد بن قاسم کا دین کہہ رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر کفر و شرک اور کیا ہو سکتا ہے؟ محمد بن قاسم کے اعلیٰ ترین مجاہدانہ کردار سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس

بھارتی باسی کو اس کی سیادت کسی اور وجہ سے پسند ہے اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے: ''جب وہ (محمد بن قاسم) ہندوستان سے واپس ہو کر دمشق گیا تو اہل ہند نے اس کے لئے اس کا مجسمہ بنا کر اس کی تعظیم اور تقدیس کی۔''

عبدالقادر عودہ شہید

عبدالقادر عودہ شہید مصر کی سپریم کورٹ کے عہدہ جلیلہ سے اس لئے مستعفی ہوئے تھے کہ ایک مسلمان جج غیر اسلامی قانون نافذ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ اخوان کے نائب مرشد عام ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسلامی قانون کو برپا کرنے کے لئے وقف کر دی۔ اسلامی قانون اور موجودہ بین الاقوامی قانون پر ان کی کتابیں مستند (Authorotative) تسلیم کی جاتی ہیں۔ عبدالقادر عودہ جیسی گراں، مایہ شخصیت کو فراعنہ مصر کی اولاد جمال ناصر نے اپنے خلاف بغاوت کے الزام میں شہید کروا دیا تھا۔ ان کے متعلق بھی وحیدالدین اپنی نیش زنی سے باز نہیں رہ سکے۔ عودہ شہید نے اپنی بلند پایہ تصنیف ''التشریع الجنائی فی الاسلام'' میں بین الاقوامی قانون کے اسلامی نقطہ نظر کو پیش کیا ہے کہ ہم مسلمان بین الاقوامیت پر یقین رکھتے ہیں جو ان کی نظر میں خلاف اسلام ہے۔

غازی علم الدین شہید

اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں: ''1922ء میں ایک مسلمان نوجوان نے سوامی شردھانند کو قتل کیا جس نے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس کیخلاف زبردست احتجاج کیا۔ اس کی بیوہ ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوشی خوشی اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ ناموس رسول کی حفاظت کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ پر قربان ہو جائے مگر ہوا یہ کہ ملک کی تاریخ میں اس (شردھانند) کو شہید کا مقام دیا گیا۔ حقیقت میں اس قسم کے کسی عمل کو ناموس رسول کے نام پر بے فائدہ جان دینا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو ناموس رسول کی حفاظت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ قربانی نہیں نادانی ہے جس کا تعلق نہ عقل سے ہے نہ اسلام سے۔''

قدرت اللہ شہاب

قدرت اللہ شہاب حکومت پاکستان کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں پاکستان کے ممتاز ادیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی سوانح عمری شہاب نامہ کو پاک و ہند کے ادبی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے انہوں نے شہاب نامہ میں اپنے بچپن کے ایک واقعہ کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی نفسیات کا تجزیہ

کیا ہے:

''رسول خدا ﷺ کے متعلق اگر کوئی بدزبانی کرے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسول پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم وفضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عام مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد عقیدہ سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔''

مولوی صاحب موصوف نے قدرت اللہ شہاب کے مسلمانوں کی قومی نفسیات سے متعلق بیان کو درست کہا ہے اور ساتھ ہی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کا اس قسم کا جذبہ اور عقیدت گمراہی ہے۔ پھر یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ قدرت اللہ شہاب اور یہ مسلمان ''بے دین لوگ'' ہیں: ''جو لوگ اس خوش عقیدگی میں جی رہے ہیں وہ قیامت کا انتظار کریں اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک نیا دین تھا جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔'' مگر حضرت کی اس خبر کے بعد تو قیامت سے پہلے ہی مسلمان قوم کو اپنا انجام معلوم ہو گیا۔ اب قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت رہی، خود قیامت اس ''گمراہ'' ''بے دین'' قوم کے سامنے حضرت کی شبیہہ مبارک کی صورت میں موجود ہے۔ بقول بیدل

وجہ تشویش چہ معنی دارد ... ایں قدر ریش چہ معنی دارد

احمد دیدات اور بال ٹھاکرے

احمد دیدات ہماری تنظیم ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کے لائف ممبر اور بین الاقوامی مسلمان شخصیت تھے۔ انہوں نے مذاہب عالم کا گہرا تقابلی مطالعہ کیا تھا اور بلند پایہ خطیب بھی تھے۔ اسلام کے مقابلہ میں انہوں نے دنیا کے تمام مذاہب کو چیلنج کیا۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں ایک جملہ ''اسلام کی موجودگی میں دوسرے ادیان کی ضرورت باقی نہیں اور زور خطابت میں کہہ دیا کہ ان سب کو بل ڈوز کر دو۔'' (Bulldoze them all) اس پر مسلمان سامعین نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا جس پر مولوی وحید خاں اپنا غصہ ضبط نہ کر سکے اور چیخ اٹھے اور احمد دیدات کا مقابلہ فرقہ پرست بھارتی لیڈر سے کرتے ہوئے لکھا ہے: ''احمد دیدات یا دوسرے مقرروں کو اس قسم کے الفاظ مسلمانوں کو بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ ان پر تالیاں بجاتے ہیں۔ اگر

یہی الفاظ دوسرا شخص بولے تو وہ غصہ ہو جائیں گے۔ مثلاً ہندوستان میں بال ٹھاکرے اگر یہ کہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بل ڈوز کر دو تو تمام مسلمان مشتعل ہو کر ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔ اسی قسم کا دو طرفہ معیار موجودہ امتحان کی دنیا میں ہرگز چلنے والا نہیں۔"

رشدی اور لیڈی ڈیانا

وحید الدین خاں اس دوہرے معیار کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے جو برطانیہ اور وہاں کے آزاد پریس کے رویہ سے شہزادی ڈیانا کی حادثاتی موت پر رشدی کے ریمارکس کی وجہ سے دنیا کے سامنے آیا ہے۔ سارا برطانوی پریس رشدی کی اس بات پر کہ "بے قابو جنسی خواہشات نے لیڈی ڈیانا کو مار ڈالا" سخت غیض وغضب کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ برطانیہ کے کثیر الاشاعت روزنامہ "ٹائمز" نے رشدی کے آرٹیکل کو "شیطانی خیالات" قرار دیا ہے۔ اس پر وہیں کے ایک ہفت روزہ رسالہ آؤٹ لک (Outlook) نے بڑا صحیح تبصرہ کیا ہے: "رشدی نے جب برطانوی عوام کی محبوب شہزادی کے خلاف کوئی بات لکھی تو اس کے خلاف سخت غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ جب اس کی تحریر کردہ کتاب میں ان کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے تھے اس وقت یہی برطانوی عوام (اور ان کے ایک ذہنی غلام وحید الدین خاں) اور پریس آزادی تحریر اور آزادی اظہار خیال کے چیمپئن بنے بیٹھے تھے۔ مگر اب برطانوی عوام اور پریس کو معلوم ہوا ہے کہ رشدی واقعی شیطان ہے۔"

تاریخی شخصیت کون؟

مولانا کو خبر نہ تھی کہ برطانوی عوام اور برطانیہ کا آزاد پریس اتنی جلد رشدی کے بارے میں پینترا بدلے گا جب کوئی ان کی پسندیدہ شخصیت پرنس ڈیانا کے متعلق سیکس (Sex) کے حوالہ سے کوئی ایسی بات کرے جو انہیں ناپسند ہو تو وہ اسے ہیرو سے شیطان بنا دیں گے۔ حالانکہ مولانا نے رشدی کے لئے برٹش لاء اور بین الاقوامی قوانین کا تحفظ فراہم کرنے اور اسے دنیائے ادب کا ہیرو بنانے کے بعد اس کو تاریخ کی بڑی "نامور شخصیتوں" اور "شہیدان حق" کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے لکھا ہے: "تاریخ میں بہت سے سچے اور بڑے لوگ گزرے ہیں جن کو وقت کے ظالموں نے قتل کیا ہے۔ اس تاریخی پس منظر میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مقتول کا رشتہ ان گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اس کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کے ہاتھوں سے قتل ہونا اس کو "شہیدان حق" کی فہرست میں شامل کر دیتا ہے۔" آگے چل کر مولانا فرماتے

ہیں: ''یہ کوئی فرضی بات نہیں سلمان رشدی کے اعلان قتل کے بعد عملاً یہی بات پیش آئی ہے چنانچہ انہوں نے اس کی تائید میں ٹائمز آف انڈیا کا ایک مضمون ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس مضمون میں رشدی کو تاریخ کی ان ہستیوں اور شخصیتوں کے ہم پایہ قرار دیا ہے جن کو ان کے مخالفوں نے قتل کر دیا تھا یا قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مثلاً سقراط، مسیح، گلیلیو، مارٹن لوتھر وغیرہ۔ حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلامؐ (نعوذ باللہ) جن کو مکہ کے لوگوں نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ گلیلیو کو اپنی آخر عمر تک اپنے گھر کے اندر نظر بند کر دیا گیا تھا۔ یہی مقدر رشدی کا آج ایک نئی صورت میں ہو سکتا ہے۔'' ایسی بے ہودہ، احمقانہ اور شر انگیز باتیں وہی شخص کہہ سکتا اور لکھ سکتا اور اس کی تائید کر سکتا ہے جس میں خیر اور شر کی تمیز باقی نہ رہی ہو۔

خیر اعلیٰ اور وحیدالدین خاں۔۔۔۔۔ یاللعجب!

''آزادی فکر'' اور ''اظہار رائے کی آزادی'' کو اس زمانہ کی سب سے بڑی قدر اور خیر اعلیٰ کا درجہ دے کر رشدی اور تمام گستاخان نبوت کے لئے ایسی کمین گاہیں تیار کی جا رہی ہیں جہاں سے وہ آزادی کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ اور انبیائے کرام شان میں بے محابا دشنام طرازی کریں تاکہ دین و ایمان کی بنیادیں منہدم اور مسمار ہو کر رہ جائیں۔ ''آزادی فکر'' اور ''آزادی اظہار رائے'' کے بارے میں ہم وحیدالدین ہی کے مغربی پیشوا اور رہنماؤں کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اور واضح کیا ہے کہ جس چیز کو وہ ''آزادی فکر'' اور ''آزادی اظہار رائے'' سمجھ رہے ہیں وہ اصل میں ذہنی انتشار اور نظم و ضبط سے عاری افکار ہیں جنہیں کوئی جماعت اور کوئی ریاست اپنے آئین اور قانون میں جگہ دینے اور انہیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ''آزادی افکار'' اور ''آزادی اظہار رائے'' کی طرح انہوں نے ''خیر اعلیٰ'' کو بھی غلط معنی پہنائے ہیں۔ اسلام میں انسان کو اپنی جبلت کے رجحانوں اور اپنے فکر و عمل پر قابو پانے اور ان کو احکام الٰہی کے تابع نظم و ضبط کا پابند کرنے کا نام ''خیر اعلیٰ'' ہے۔ یہی زمانہ کی ہی نہیں بلکہ زندگی کی وہ سب سے بڑی قدر جو اللہ کے رسول ﷺ کی بدولت انسانیت کو نصیب ہوئی اس لئے وہ کائنات کی ایسی محبوب ترین ہستی ہیں جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی ہر عزیز اور محبوب چیز کو قربان کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے نزدیک ان کی ذات گرامی ہی اصل دین اور عین ایمان ہے۔ کفر و دین کی اس حقیقت کو اقبال نے بڑے ہی بلیغ پیرایہ اظہار کے ذریعہ اپنے اس شعر میں نمایاں کیا ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

فرزند اقبال کی مسند ارشاد

اقبال کے نامور فرزند سینیٹر ڈاکٹر جاوید اقبال سے راقم الحروف کے اس وقت سے نیاز مندانہ تعلقات چلے آ رہے ہیں جبکہ وہ ابھی ہائی کورٹ کے جج بھی نہیں بنے تھے اور پیشہ قانون ہی سے وابستہ تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی علامہ سے براہ راست نسبت اور میری علامہ سے گہری عقیدت ہے۔ اس کے باوجود مجھے ان کے افکار و خیالات سے اکثر اختلاف رہا ہے کیونکہ وہ لبرل ازم یعنی آزادی افکار کے قائل ہیں جسے علامہ نے ابلیس کی ایجاد کہا ہے۔

آزدی افکار ہے ابلیس کی ایجاد (اقبال)

قانون توہین رسالت کے بارے میں ان کا ارشاد ہے کہ غیر مسلموں پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے لیے وہ فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ ڈھونڈ لائے ہیں اور ایک ماڈرن مفسر قرآن جسٹس ایم بی احمد کی کتاب ''بھارت میں انصاف کی عمل داری'' کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں آیت قرآنی ''لکم دینکم ولی دین'' کی تفسیر دل پذیر بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مغل دور اور اس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں نے لبرل اسلامی ریاستیں یعنی سیکولر ریاستیں قائم کی تھیں اور ایسی ہی ریاست کا قیام علامہ اقبال اور قائداعظم کے پیش نظر تھا۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ان اسلامی ریاستوں میں سوروں کی فروخت کھلے عام ہوتی تھی اور ان کا گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کا یہ بیان پڑھ کر سخت حیرت اس لیے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے جو تاریخ کے طالب علم ہیں،' پوری تحقیق اور تصدیق کے بغیر ایسی باتیں کہیں ہیں جو اصل واقعہ کی غلط تعبیر اور تاریخی صداقت کے یکسر خلاف ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب ''انکار'' اور ''دشنام'' کے واضح فرق سے بھی ناواقف ہیں۔ غیر مسلم تو پیغمبر اسلامؐ کی نبوت سے انکار کی وجہ سے غیر مسلم کہلاتے ہیں، اس لیے اسلامی ریاست میں معاہد کی حیثیت سے رہنے کے حق سے کسی نے انہیں محروم نہیں کیا۔ لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب کو چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم کبھی کسی اسلامی حکومت نے معاف نہیں کیا اور جہاں اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت نہ رہی ہو وہاں مسلمان سرفروشوں نے شاتم رسول کو کیفر کردار تک پہنچا کر خود دار و رسن کو چوم لیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس کی سینکڑوں تابندہ مثالیں موجود ہیں۔ زندہ دلوں کے اسی شہر لاہور میں غازی علم الدین شہید نے جب گستاخ رسول راج پال کو ہلاک کر دیا تھا

تو اس کی طرف سے قائد اعظم نے اسی لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کی تھی اور اس کی پھانسی کی سزا پر ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ''ترکھانہ دا منڈا اساڈے کولوں بازی لے گیا''۔ غازی شہید کے والد نے اپنے لخت جگر کی نماز جنازہ کی امامت کا حق بھی علامہ کو تفویض کیا تھا جو جنازگاہ میں بچشم تر موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال جنکی فقہ اسلامی پر گہری نظر تھی۔ غیر مسلم شاتم رسول کو بھی اسلامی قانونی کی رو سے واجب القتل سمجھتے تھے اور غازی علم الدین کے اس اقدام کو انہوں نے خراج تحسین پیش کیا تھا۔

گستاخ رسول کے لیے سزائے موت بطور حد قانون بنانے کا فیصلہ فیڈرل شریعت کورٹ نے راقم الحروف کی شریعت پٹیشن پر صادر کیا تھا جو میں نے جنرل ضیاء الحق اور حکومت پاکستان کیخلاف دائر کی تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں مجھے قرآن وسنت، تمام فقہی لٹریچر، یورپ اور امریکہ کے قوانین کے مطالعہ کے بعد انہیں عدالت میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا اور جہاں اسلامی مکاتب فکر کے تمام علماء بھی پیش ہوئے تھے۔ اس لیے میں علی وجہ البصیرت پوری علمی دیانت داری سے بلاخوف تردید یہ کہتا ہوں کہ مجھے کہیں بھی کسی فقہ کا یہ فتویٰ دستیاب نہ ہوسکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی اہانت توہین اور گالیاں دینے والے غیر مسلموں کے لیے اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں۔ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا، سزائے موت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کے حکم سے یہودیوں اور غیر مسلموں کی سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ نہ صرف عہد خلفائے راشدین میں اور دور بنی امیہ اور بنو عباس کے دور میں بلکہ اسپین اور جہاں جہاں بھی مسلمان حکومتیں موجود تھیں۔ وہاں توہین رسالت کی یہی سزا برقرار رہی۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف دو تاریخی واقعات کا حوالہ دینے پر اکتفا کروں گا۔ ایک واقعہ تو مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت کا ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب کا پسندیدہ سیکولر دور حکومت ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایوانی کی زبانی موجود ہے جو اکبر کے نورتنوں میں شمار ہوتا تھا اور خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ بھی ہے۔ یہ واقعہ اس دور کا ہے، جب اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا اور سارا کاروبار حکومت دین الٰہی کے نام سے لادینی خطوط پر چل رہا تھا۔ ملا بدایونی کی شہادت درج ذیل ہے:

''عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (قاضی القضاۃ شیخ عبدالغنی جن کا امام ابوحنیفہ کے خانوادے سے تعلق تھا) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں مسلمان ایک

مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز و سامان اٹھوا لیا اور اس سے ایک صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کاروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی بھی اس نے توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا کہ وہ اسے لے آئیں۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا، آ کر بیان کر دیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اس نے گالیاں بکی تھیں۔ اس کی سزا کے خلاف علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ دوسرا اس کے خلاف تعزیری سزا اور جرمانے پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملہ پر بحث طول پکڑ گئی۔ شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے، ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لیے سفارشیں کرتی رہیں لیکن باشادہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس لیے اس کی رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لیے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم پہلے ہی تم سے کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب سمجھو، وہ کرو جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی" (ملاحظہ ہو منتخب التواریخ المولف ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز صفحہ 606-607)

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت کا ہے جو اسی لاہور سے متعلق ہے جبکہ زکریا خان (1707 تا 1759) گورنر پنجاب تھا جس کا ذکر ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب "پنجاب آخری مغل دور حکومت میں" میں کیا ہے، جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اور تنقیدی جائزہ ہم نے اپنی اسی کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں لیا ہے:

"حقیقت رائے باگھ مل پوری سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ نامی سکھ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو ایک اسکول میں داخل کیا گیا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ حقیقت رائے نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام ﷺ اور بی بی فاطمہؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے جس پر حقیقت

رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کاروائی کے لیے بھیجا گیا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خان گورنر پنجاب کے پاس سفارش کے لیے پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہیں سنی (کاروائی مقدمہ کے بعد) اس کو سزائے موت دی گئی۔

اس کے علاوہ اسپین میں جب وہاں اسلامی حکومت قائم تھی، گستاخان رسول کو وہاں کی عدالتوں سے یہی سزا دی جاتی رہی ہے جن کا ذکر قاضی ابوالفضل عیاض نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں کیا ہے اور یورپین مورخین لین پول وغیرہ نے ان فیصلوں کا ہندو مورخ ڈاکٹر نجار کی طرح متعصبانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ جزیرہ العرب، ہندوستان کے علاوہ ترکی، سمرقند اور بخارا، افغانستان اور تمام اسلامی ملکوں میں اس قانون کا ذکر علامہ آلوسی اور ابواللیث سمرقندی کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ تمام ... فقہ گستاخ رسول کو مستحق سزائے موت قرار دیتے ہیں۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ فقہ جعفریہ کی رو سے تو گستاخ رسول موقع واردات پر ہی واجب القتل ہے۔ ''فتاویٰ بزازیہ'' اور ''تنبیہ الولاۃ'' جو فقہ حنفی کی مستند اور معروف کتابیں ہیں، ان کی رو سے بھی شاتم رسول سزائے موت کا مستحق ہے۔ یورپ کے قانون توہین مسیح سے ڈاکٹر صاحب خود واقف ہوں گے۔ اس لیے ہم نے اس کا یہاں تذکرہ نہیں کیا جس کے تحت بھی گستاخان مسیح کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ اور اب بھی انگلستان، آئر لینڈ اور امریکہ کی ریاستوں میں اس کی سزا عمر قید موجود ہے۔ اس مضمون میں ہم نے اسلامی قانون کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اس پر اجماع امت ہے کہ گستاخ رسول کی سزا بطور حد سزائے موت ہے جس پر فیڈرل شریعت کورٹ کا تاریخی فیصلہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان پی ایل ڈی 1991ء میں رپورٹ ہوا ہے۔ جس کے خلاف حکومت کی اپیل بھی سپریم کورٹ سے 1992ء میں بوجہ دستبرداری خارج ہو چکی ہے اور اب سال 2005ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو تمام عدالتوں پر لاگو قرار دیا گیا ہے جس کے بعد یہ فیصلہ حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اسی فیصلہ کو ملاحظہ کر لیتے تو شاید انہیں یہ اشکال پیش نہ آتا۔ تمام فقہاء اسلام نے توہین رسول کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ غالباً مشہور فقیہہ اسلام ابن سحنون کا فتویٰ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزرا جو حسب ذیل ہے۔

''تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے اور جو شخص اس بارے میں یا اس کی سزا کے بارے میں شک کرے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کا ''رواداری'' سے کیا مطلب ہے۔ حضور رسالت

مآب ﷺ کی شان رفعت اور علو مرتبت کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ہمارے محبوب رہنماؤں، قائداعظم اور علامہ اقبال کو گالی دے تو ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی ان غیر منطقی موشگافیوں سے غیر مسلموں کو حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گالیاں دینے کا کھلا لائسنس نہیں مل جائے گا۔

میری محترم ڈاکٹر صاحب سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ ایسے انتہائی نازک اور حساس مسائل پر بغیر تحقیق گفتگو سے احتراز فرمائیں تو ملت اسلامیہ پر احسان ہوگا۔ خود ان کے بقول علامہ اقبال نے ان کی بے احتیاطی پر خواب میں آ کر انہیں ٹوکا بھی تھا اور ان سے ناراض بھی ہوئے ہیں جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف ''زندہ رود'' میں کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی نفسیاتی تحلیل

ڈاکٹر حمید اللہ

ڈاکٹر حمید اللہ نام ہے ذہانت اور اسلامی صداقت کا۔ڈاکٹر صاحب نے مشرق اور دیارِ مغرب میں علم وتحقیق کی جو شمعیں روشن کی ہیں وہ ہمیشہ فروزاں رہیں گی۔ڈاکٹر صاحب سے میری جامعہ عثمانیہ اور استاد محترم مولانا مناظر احسن گیلانی کے واسطے سے قلبی نسبت ہے اسی وجہ سے خاکسار راقم جب بھی یورپ گیا ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا جہاں فکر ونظر کے افق روشن ہو جاتے۔اگر چہ کہ وہ اب ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن ان کی آباد علمی دنیا میں ملاقات ہوتی رہتی ہے۔نفسیات کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون منفرد نوعیت کا ہے۔(مولف)

نفسیاتی تحلیل ایک نیا علم ہے۔جس میں اس کا تو ذکر نہیں ہوتا کہ بیج سے کس طرح درخت نکل کر پھلتا پھولتا ہے، بلکہ اس کے برعکس کسی تناور اور بار آور درخت کو دیکھ کر یہ پتہ چلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہوگا۔دوسرے الفاظ میں انسان کی کسی روش، کسی خلاف توقع طرز عمل کے اسباب معلوم کرنے کی سعی ہوتی ہے، خاص کر وہ اسباب جن کو شاید متعلقہ شخص خود بھی بھول چکا ہوتا ہے کم از کم اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کے اعمال کا باعث وہ واقعہ ہو گا۔ظاہر ہے کہ اس تحقیق میں جو معلوم سے نامعلوم کی طرف جانے پر مشتمل ہوتی ہے، بہت کچھ مفروضات سے کام لینا پڑتا ہے اور نتیجے میں ریاضیاتی صحت ہو نہیں سکتی، لیکن اس کی اہمیت اور اس پر اعتماد اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ شاید ہی کوئی بڑا طبیب ہوگا جو اب تشخیص میں اس سے مدد نہ لیتا ہو۔

مجھے اس علم سے کوئی خصوصی واقفیت نہیں۔حال میں قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ نیز سیرت النبی ﷺ پر فرانسیسی میں دو جلدوں میں ایک تالیف مرتب اور شائع کرنے کا موقع ملا بعض کردار بے اختیار اپنی طرف توجہ منعطف کراتے رہے اور سوچنا پڑا کہ یہ کیا بوالعجبی ہے؟ کچھ چیزیں معلوم ہوئیں۔شاید وہی ان "خاردار درختوں" کے بیج ہوں۔یہاں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ ماہرین نفسیات ان سے مستفید ہو کر ادروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

بادشاہت تلاش کرنے والے کسی شخص کے لئے قدم قدم پر دشمنوں سے سابقہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے۔وہ کیوں بادشاہ بنے، میں کیوں نہیں؟ حسد فطری چیز ہے اور انسان جتنا زیادہ فطری یعنی حیوانی اساس سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ اس برائی پر قابو کم پا سکے گا لیکن کسی نبی، کسی مصلح سے

دشمنی کا سبب اتنا آسان نہیں کیونکہ وہ نہ کوئی مالی معاوضہ چاہتا ہے اور نہ اپنی بڑائی اور سرداری جتاتا ہے۔ وہ تو بے غرضانہ دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھتا ہے۔ انبیاء سلف پر بھی وہی گزرا ہوگا جو نبی عربی ﷺ پر شدت کے ساتھ گزرا ہے۔ فی الحال رسول اکرم ﷺ کے بعض ہم عصر دشمنوں کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

ابولہب: یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا ہے۔ عرب میں ہم قبیلہ شخص کا ساتھ دینے میں ظالم و مظلوم کا بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اپنی مرنجان مرنج طبعیت، بزرگوں کے ادب، چھوٹوں پر رحم محتاجوں سے حسن سلوک کے لئے بچپن سے امتیاز رکھتے تھے، پھر ان میں کیوں نہ بھی؟ عمومی تبلیغ سے بھی قبل جب آنحضرت ﷺ نے صرف اپنی قریبی رشتہ داروں کو جمع فرمایا اور وانذر عشیرتک الاقربین سے اپنی ربانی مہم کا آغاز کیا تو واحد شخص جس نے مخالفت کی اور کھنڈت ڈالی وہ یہی ابولہب تھا۔ اس کی دشمنی مرتے دم تک باقی رہی بلکہ روز افزوں ہی ہوتی چلی گئی۔ کیا وجہ وہ سکتی ہے؟

شاید ذیل کا واقعہ جو انساب الاشراف للبلاذری مطبوعہ قاہرہ 1959ء جلد اول صفحہ 130 تا 131 میں درج ہے اس پر کچھ روشنی ڈالے:

ایک دن ابولہب اور ابو طالب میں کسی سلسلے میں بات بڑھ گئی۔ ابو طالب کو پچھاڑ کر ابو لہب سینے پر چڑھ بیٹھا اور طمانچے مارنے لگا۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو رک نہ سکے اور ابولہب کو پہلوؤں سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ اب ابو طالب نے اس کے سینے پر بیٹھ کر طمانچے لگانے شروع کئے۔ اس پر ابولہب نے آنحضرت ﷺ سے کہا: ''وہ تیرا چچا ہے تو میں بھی تیرا چچا ہوں۔ تو نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ اللہ کی قسم میرا دل تجھ سے کبھی محبت نہ کرے گا۔''

ابوجہل: اس کا اصلی نام ابوالحکم عمرو تھا۔ یہ مکے کے ایک ممتاز گھرانے کا فرد تھا۔ وہاں بلدیہ (دارالندوہ) میں ہر شہری چالیس سال کی عمر میں رکن بن سکتا تھا لیکن ''لجودرایہ'' (اپنی عمدہ رائے اور معاملہ فہمی کے باعث) اسے تیس سال ہی کی عمر میں رکن بنا لیا گیا تھا (دیکھو الاشتقاق لابن درید، صفحہ 7) درج ذیل واقعہ قابل ذکر ہے۔

یہ واقعہ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ ﷺ صفحہ 257) اور بلاذری (انساب الاشراف جلد اول، صفحہ 128 تا 129) میں بیان کیا گیا ہے۔

''یمن کے قبیلہ اراش (یا اراشتہ) کا ایک فرد کچھ اونٹ لایا کہ مکے میں بیچے۔ ابو جہل نے خرید امگر قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کی۔ اس پر تاجر نے قریش کی ایک مجلس میں پہنچ کر کہا کہ میں ایک مسافر ہوں، ابوالحکم (ابو جہل) نے مجھ سے اونٹ تو مول لئے مگر رقم ادا نہیں کرتا، اس لئے میں رکا ہوا ہوں۔ یہ مجھ پر بار گزر رہا ہے۔ کیا کوئی اس سے میرا حق دلائے گا؟ قریش نے ٹھٹھول کرتے ہوئے اسے کہا: دیکھو وہ شخص جو کونے میں بیٹھا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ) اس کے پاس جاؤ، وہ تمہارا حق دلائے گا۔ جب اس نے حضور ﷺ کو اپنا دکھڑا سنایا تو آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو جہل کے گھر جا کر دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا: کون؟ آنحضرت ﷺ نے نام بتایا اور کہا: باہر آؤ۔ آنے پر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس کا حق فوراً ادا کرو، ادائی تک میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔'' اس نے فوراً رقم ادا کر دی۔ اراشی تاجر نے قریش کی مجلس میں آ کر کہا: خدا محمد ﷺ کا بھلا کرے، کس آسانی سے اس نے میرا حق دلا دیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ بعد ازاں جب ابو جہل وہاں آیا تو لوگوں نے حیرت سے کہا: ہم نے تو محمد ﷺ سے مذاق کرنا چاہا تھا۔ ابو جہل نے کہا چھوڑو بھی، جیسے ہی اس نے دستک دی۔ میرا دل دہل گیا۔ باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کے ساتھ خوفناک ڈیل ڈول کا ایک سانڈ اونٹ منہ پھاڑے کھڑا ہے اگر میں ذرا بھی انکار کرتا تو مجھے نوالا بنا لیتا۔ اس لئے میں نے رقم ادا کر دی۔''

ابو عامر راہب: مدینہ کے قبیلہ اوس کا فرد تھا۔ اس کے فرزند حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ مسلمان ہو گئے تھے اور نوجوانی میں شب زفاف میں بیوی کو چھوڑ کر فوج میں آشامل ہوئے اور صبح کہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ باپ مشرکین کی صف میں تھا۔ جنگ تھمی تو بیٹے کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا: اسی لئے تو میں تجھے اس شخص (آنحضرت ﷺ) سے روکا کرتا اور اس طرح مار پڑنے سے ڈرایا کرتا تھا۔ خدا کی قسم تو شریف اخلاق کا مالک اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کیا کرتا تھا۔ (بلاذری، انساب الاشراف، جلد اول صفحہ 329) بچوں کا اچھا کردار والدین کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور خاص کر آزادیِ رائے وہی پیدا کر سکتے ہیں جو خود بھی عمدہ کردار کے مالک ہوں سو گمان کرنا پڑتا ہے کہ خود ابو عامر بھی بھلا مانس ہی رہا ہوگا۔ یہ جویائے حق بھی تھا۔ مشرک گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود (بلاذری، ایضاً صفحہ 281 کے مطابق) اہل کتاب سے مناظرے کرتا اور عیسائی راہبوں کی طرف بہت مائل تھا اور اکثر شام و فلسطین جا کر ان سے ملتا، پھر

آپ ﷺ سے اس کی کیوں نہ نبھی ؟ اور راہب ہونے کے باوجود کیوں آنحضرت ﷺ کے خلاف تلوار کھینچ کر جنگ میں عملی حصہ لیتا رہا؟ اور کیوں مرتے دم تک یہ مخالفت جاری رہی؟

مورخ الہیثم بن عدی نے (جسے بلاذری نے صفحہ 282 پر نقل کیا ہے) لکھا ہے: ابو عامر چاہتا تھا کہ خود نبوت کا دعویٰ کرے مگر آنحضرت ﷺ کی دعوت شروع ہوئی اور ترقی کر گئی تو ابو عامر کو حسد ہو گیا۔ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ ﷺ، صفحہ 411 تا 412) نے اس کی مزید تفصیل دی ہے: جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ابو عامر مکہ بھاگنے سے قبل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں میں یوں گفتگو ہوئی۔

ابو عامر: یہ تو کیا دین لایا ہے؟

آپ ﷺ: حنفیت، حضرت ابراہیمؑ کا دین

ابو عامر: ''یہی تو میرا دین''

آپ ﷺ: ''نہیں یہ تیرا دین کہاں؟''

ابو عامر: ''اصل میں تو نے ہی اس میں وہ چیزیں داخل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں''

آپ ﷺ: ''ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اسے میل کچیل سے صاف کر کے نکھار لایا ہوں۔''

ابو عامر: ''خدا جھوٹے کو وطن سے دور تنہائی کی موت مارے''۔

آپ ﷺ: ''ضرور، خدا جھوٹے کے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔''

کازادنووا کی فرانسیسی تالیف (''محمد ﷺ اور اختتام کائنات۔'' صفحہ 28) کے مطابق عیسائیوں کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد پانچ سو برس ختم ہوں تو مسیح آئے گا (جس کا ذکر انجیل یوحنا، باب اول آیت 19 تا 28 میں بھی ہے) آنحضرت ﷺ کی بعثت 610 میں ہوئی۔ ان حالات میں الہیثم بن عدی کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

عبداللہ بن ابی بن سلول

مدینے کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں کئی نسلوں سے اس وخزرج کے رشتہ دار قبیلوں میں خانہ جنگیاں چلی آ رہی تھی ابن ہشام (سیرت رسول اللہ ﷺ صفحہ 411) نے لکھا ہے کہ ''اوس وخزرج نے عبداللہ بن ابی سے نہ پہلے اور نہ بعد کبھی کسی مشترکہ فرد کی اطاعت پر اتفاق کیا، بجز عبداللہ بن ابی کے۔ مگر تاریخ اسلام میں اسے رئیس المنافقین'' کا لقب دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت و بہتان کا آغاز بھی اسی سے ہوا تھا۔ ساری زندگی اس نے مسلمانوں میں

اندرونی فتنہ برپا کرنے میں صرف کی۔ وجہ؟
صحیح بخاری (کتاب 79، باب 20) تفسیر طبری (سورہ 63، آیت 8)، تاریخ طبری (سلسلہ اول صفحہ 1511) سیرت ابن ہشام (صفحہ 413-727) روض الانف للسہیلی (جلد دوم صفحہ 51) بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرما کر مدینہ آنے سے عین قبل یہ طے کیا گیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو اوس و خزرج کا مشترکہ بادشاہ بنایا جائے اور تخت نشینی کے لئے تاج بنانے کا کام زرگروں اور جوہریوں کے سپرد بھی کر دیا گیا تھا۔ پھر جب مدینے والے مسلمان ہو گئے تو پرانی تجویز منسوخ ہو گئی۔

کعب بن الاشرف

مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی النضیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ ﷺ، صفحہ 522) نے لکھا ہے کہ جس دن اسے قتل کیا گیا وہ تازہ بیاہا ہوا تھا۔ ''دوستوں'' نے رات کو گھر پہنچ کر آواز دی تو جلدی میں کپڑے پہننے کے بجائے لحاف ہی میں اپنے کو لپیٹ کر نیچے اترا۔ بیوی نے کہا: مجھے اس آواز میں شر بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ جواب دیا: ''لو یدعی الفتی الصعنته لاجاب'' (جواں مرد کو نیزہ بھونکنے کے لئے بلائیں تو وہ انکار نہیں کرتا)۔ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ ﷺ صفحہ 351) ہی کے مطابق اس کا باپ شمالی عرب کے قبیلہ طے کی شاخ نبہان کا فرد تھا اور ماں بنی النضیر کی۔ اس طرح نیم غیر ملکی ہونے کے باوجود قوم کا سردار خاص کر حاکم عدالت بننا اعلیٰ ذہنی قابلیتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ بگاڑ کی وجہ؟

مقاتل (فوت 150) مشہور مفسر (مخطوطہ کتب خانہ حمیدیہ، استنبول، صفحہ 96/الف، سورہ 5 آیت 44) میں لکھا ہے کہ مدینے میں بنی النضیر بڑی ذات کے اور بنی قینقاع نیچ ذات کے یہودی سمجھے جاتے تھے اور اگر کوئی نضیری کسی قینقاع کو قتل کرتا تو اس کے لئے آدھا خون بہا دیا کرتا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے آئے اور ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ نضیری قاتل قینقاعی مقتول کا سالم خون بہا ادا کرے۔ اس پر نضیرہ سردار کعب بن الاشرف چیخنے لگا: ''ہم تیرا فیصلہ نہیں مانتے اور نہ تیرا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے پرانے رسم و رواج پر عمل کریں گے۔''

یہ ہیں وہ چند واقعات جن سے دشمنان رسول کی نفسیات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

کتابیات باب سوم

1۔ ابواب متعلقہ توہین رسالت ، کتاب الشفاء، تصنیف ابوالفضل قاضی عیاض ، مترجم مولانا سید متین ہاشمی، تلخیص محمد اسماعیل قریشی (مصنف)، قسم رابع باب اول اور باب دوم، صفحات ۳۷۳ تا ۴۵۹

2۔ ابواب متعلقہ الصارم المسلول، تصنیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، ترجمہ: مولانا غلام احمد حریری، تلخیص ، محمد اسماعیل قریشی (مصنف)، شاتم رسول کی سزا کا خلاصہ، صفحات ۳۷۷ تا ۴۲۵

3۔ مقالات علمائے جدید، الہلال، ترجمان القرآن اور مقالات موصولہ، وفاقی شرعی عدالت پاکستان بمقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام جنرل محمد ضیاء الحق

باب چہارم

قانون توہین رسالت۔ عالمی اور ملکی تناظر میں

یورپ اور قانونِ توہین انبیاءؑ

قانونِ توہین انبیاء علیہم السلام دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں تھوڑی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا ہے۔ نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق اکثر مشرقی اور یورپی ملکوں میں بلاس فیمی لا کسی نہ کسی صورت قابل مواخذہ جرم رہا ہے، آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں وہاں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔(1)

تالمودی قانون

یہودیوں کے تالمودی قانون کی رو سے صرف پیغمبران بنی اسرائیل اور تورات کی بے حرمتی کی سزا موت ہے۔ عہد نامہ عتیق (Old-Testament) میں رسول کے نائبین کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر ہے ملاحظہ ہو استثنا باب 18:12 صفحہ 183

پاپائے روم یا چرچ کے اقتدار میں آنے سے قبل یورپ میں رومن لا (Roman Law) کی عمل داری تھی۔ چونکہ انجیل میں کوئی قانونی احکام موجود نہ تھے لیکن کلیسا نے سٹیٹ (State) پر غلبہ واقتدار حاصل کر لیا تو پوپ کے منہ سے نکلے ہوئے حکم کو قانون پر بالادستی حاصل ہوگئی۔ توراۃ کے برعکس انجیل صرف پند ونصائح کا مجموعہ ہے اس لئے یورپ اور ایشیا میں جہاں جہاں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں، وہاں کاروبار حکومت چلانے کے لئے اہل کلیسا کو رومی قانون اور یہودیوں کے تالمودی قانون ہی پر انحصار کرنا پڑا۔ اس لئے چرچ نے توہین مسیحؑ کے لئے اسی سزا کا حکم دیا جو بنی اسرائیل کے پیغمبر کی اہانت کے لئے مقرر تھی۔

رومن لا

رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل 528 تا 565 صدی عیسوی پر محیط ہے۔ رومن لا کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل وانصاف (Justice) کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جب دین مسیحی قبول کر لیا تو قانون موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کی بجائے صرف یسوع مسیحؑ کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا بھی سزائے موت مقرر کی۔ اس کے دور سے قانون توہین مسیح رہا ہے

یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور اسکاٹ لینڈ میں بھی اٹھارہویں صدی تک اس جرم کی سزا، سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ (2)

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کمیونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نئے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کر دیا۔ اس کے بعد یہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن اہانت مسیحؑ کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیحؑ کی جگہ اشتراکی امپریلزم کے بانی سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو رشین امپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا، اس کی اہانت تو بڑی بات تھی، اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی ممالک محروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ ایسے سرپھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیئے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھی ٹراٹسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے، جو اپنی جان بچانے کی خاطر روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبیریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ایسی اذیت ناک سزاؤں نے زار روس کے سیاہ دور کے عقوبت خانوں کو بھی بھلا دیا۔

قانونِ توہین رسالت ۔ یورپ اور امریکہ کی دورخی پالیسی

یورپ اور امریکہ اور دیگر سیکولر ریاستوں میں قانون توہین مسیح (بلاس فیمی لا) موجود ہے۔ ان قوانین اور اس بارے میں اعلیٰ ترین عدالتوں کے فیصلوں کا تفصیلی ذکر ہم نے کتاب کے اسی باب یورپ اور قانون توہین انبیاء میں کیا ہے۔

توہین پیغمبر اسلام کا قانون پاکستان کی اسلامی ریاست میں نافذ ہو گیا ہے تو اس پر امریکہ اور یورپ کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ جبکہ خود ان کے اپنے ملکوں میں یسوع مسیح کی توہین کی سزا عمر قید ہے۔ اس کا جواب یا اس کی منطقی توجیہہ تو کوئی ہے نہیں اس لئے اسے دوسروں کے مذہبی عقائد اور معاملات میں مداخلت بے جا اور دورخی پالیسی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

امریکن نیوکونز (نیو کنزرویٹو) گورنمنٹ

جب سے امریکہ میں نئی قدامت پرست عیسائی (Neo -Cons) حکومت برسر اقتدار آئی ہے، صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش نے ساری دنیا کے انسانی حقوق کا علم بردار اور نگران (Watch dog) ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس بات کا جائزہ تو خیر ہم بعد میں لیں گے کہ موصوف خود حقوق انسانی کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ حقوق انسانی کے متعلقہ آرٹیکلز کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ سال 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے منشور کا اعلان کیا تھا کہ ہر انسان کو آزادی اور اس کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہوگا اور کسی پر ظلم و تشدد کو روا نہیں رکھا جا سکے گا اور نہ اس کی عزت نفس کو مجروح کیا جائے گا اور نہ کسی کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کی جا سکے گی۔

تاریخ انسانی کی یہ زندہ شہادت موجود ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرایا۔ اسے تحفظ جان و مال کی ضمانت عطا کی اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے پیشتر اپنے الوداعی خطاب میں آزادی اور یکساں حقوق انسانیت کا وہ ہمہ گیر چارٹر عطا کیا جو آج ساری دنیا میں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ اس تاریخی حقیقت سے کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔(3)

مسلم ملکوں کی سٹیٹ پالیسی

مشرق ہو یا مغرب جب کبھی اور جہاں کہیں مسلمانوں نے حکمرانی کی ہے انہوں نے اس ہمہ گیر حقوق انسانی کے چارٹر کی نہ صرف سٹیٹ پالیسی کے طور پر بلکہ اسے اپنے دین و ایمان کا

بنیادی عقیدہ سمجھتے ہوئے اس کی پاسداری کی ہے۔ اسلام کے اس عالمی منشور کی بات تو بہت دور کی بات ہے یورپ اور امریکہ کے ان نام نہاد علم برداروں نے حقوق انسانی کو جس بری طرح سے پامال کیا ہے اس نے چنگیز خان کی ہلاکت آفرینیوں اور اسپین کی رسوائے زمانہ کلیسائی عدالتوں (Inquisitive Tribunals) کی مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ انسانیت سوز مظالم کی خونچکاں داستانوں کو اور بھی داغ دار کیا ہے۔ اسلامیان افغانستان جب تک امریکہ کی مدِ مقابل سپر پاور روس کے ساتھ برسر پیکار رہے اس وقت تک امریکہ انہیں مجاہدین کے نام سے پکارتا رہا۔ روس کی شکست کے بعد جب وہ اسلام کی قوت بن کر ابھرے اور اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق اسلامی ریاست قائم کر لی۔ تو وہاں رہزنی، چوری ڈکیتی، قتل وغارت گری سے پاک معاشرہ وجود میں آیا۔ افیون کی کاشت بند کر دی گئی ہیروین کی اسمگلنگ کا کاروبار ختم ہو گیا۔ عورتوں کی تجارتی اور کاروباری نمائش بھی باقی نہیں رہی۔ عورت کو خاتون خانہ کا مقام دیا گیا، اور ان کی تعلیم کے لئے درس گاہیں کھول دی گئیں۔ افغانستان کی اس آزادی کو امریکہ نے اپنی تہذیب، اپنے مذہب اور اپنے مفادات کے لئے خطرے کا محاذ سمجھ لیا۔ اس کو ختم کرنے کے لئے تو اس نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی کہ اسی اثنا میں 9 ستمبر سال 2001ء کی سہل انگاری اس کے ہاتھ آ گئی۔

کروسیڈ۔ امریکہ کے عزائم اور جنگی جرائم

اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے صدر امریکہ جارج بش نے صلیبی جنگ (Crusade) کا اعلان کر دیا اس کی حلفاً تصدیق 9/11 کمیشن کے سامنے کولن پاول اور امریکی وزیر دفاع نے کی ہے۔ کروسیڈ کا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، آکسفورڈ ڈکشنری اور ویبسٹر انسائیکلو پیڈیا ٹک ڈکشنری کی رو سے مطلب یورپ کے عیسائیوں کی گیارہویں سے تیرہویں صدی تک مسلمانوں کے خلاف خون آشام صلیبی جنگ ہے، اس کار خیر میں تحریص اور تخویف سے دنیا کی چھوٹی بڑی ریاستوں کو ساتھ لے کر امریکہ اپنے لاؤ لشکر اور جدید ترین ہلاکت خیز ہتھیاروں کے ساتھ ایک چھوٹے سے ملک افغانستان پر چڑھ دوڑا اور وہاں پندرہ پندرہ ہزار ٹن وزنی بم گرا دیئے۔ خوفناک ڈیزی کٹر بموں اور آتش و آہن کی بارش سے افغانیوں کی نسل کو اس بربریت کے ساتھ ہلاک کیا گیا کہ یورپ اور امریکہ کے حقوق انسانی کے تصور ہی سے آدمی خوف زدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ ڈیوڈ روز نے صحیح لکھا ہے کہ یہ امریکہ کا ہیومن رائٹس کے خلاف محاذ جنگ ہے۔ (4)

گوانتاناموبے کے عقوبت خانے

اس بے محابا قتل وغارت گری کے بعد جو بچے، بوڑھے، جوان بچ گئے انہیں نہایت اذیت ناک طریقے سے گوانتاناموبے کے عقوبت خانوں کے پنجروں کے اندر قید تنہائی اور پھانسی کی سزا پانے والے مجرموں کی طرح بند کر دیا گیا جہاں صرف کھڑے ہونے کی گنجائش ہے۔ ان بے گناہوں کو یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ ان کا جرم کیا ہے۔ صفائی کا حق تو کجا، ان غریبوں کو حقوق انسانی کے ظالم محافظوں کے سامنے فریاد کرنے کا موقع تک نہیں دیا گیا۔(5)

برطانوی جج کے امریکن کالے قانون پر ریمارکس

ان مظلوم قیدیوں کے بارے میں برطانیہ کی اعلیٰ ترین عدالت کے منصف مزاج جج لارڈ جان واں زیل سٹے یان (Lord Johan Van Zyal steyan) نے نہایت بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے کہ جو وارداتیں امریکہ نے سال 2003 کے دوران گوانتاناموبے کے قیدیوں کے ساتھ کی ہیں (جو ابھی تک جاری ہیں) بلاشبہ انٹرنیشنل بار اس بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرے گی کہ زندانیوں کی صفائی میں ٹھوس شہادت کے باوجود انہیں جیل میں نہایت اذیت ناک تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں۔ امریکہ کی عدالتوں نے ان غریبوں کی بات تک سننے سے انکار کر دیا اور جو نوجوان اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کرنا چاہتے تھے کہ اس لڑائی سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ کبھی اُس میں شریک ہوئے انہیں بھی عدالتوں میں پیش ہونے سے محروم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ صدر امریکہ کے کالے قانون نے ان کے سارے حقوق سلب کر لئے ہیں۔ میں جو امریکہ کی جمہوریت کا معترف رہا ہوں ایسے غیر جمہوری اور لاقانونی واقعات کے منظر عام پر آنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ ناانصافی کا انتہائی ہیبت ناک چہرہ ہے جو دنیا کے سامنے پیش ہوا ہے" (6)

طالبان حکومت کا زیر حراست انگریز جاسوس خاتون ایون ریڈلے کے ساتھ حسن سلوک

ایسے میں ذرا اس مبینہ "غیر مہذب" مسلمان طالبان حکومت کے طرز عمل کو بھی دیکھئے جو انہوں نے عیسائی انگریز جرنلسٹ خاتون ایون ریڈلے (Yuonn Ridley) کے ساتھ روا رکھا جبکہ وہ 9/11 کو امریکن ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر نامعلوم ہوائی حملہ کے بعد 28 ستمبر 2001ء افغانستان میں داخل ہونے کے بعد ڈرامائی طور پر طالبان حکومت کے زیر حراست آ گئی تھیں۔ اس

وقت یورپ کے سارے میڈیا نے شورِ محشر برپا کر دیا اور اس کے بارے میں ظلم وستم کی ایسی داستانیں اور رپورٹس شائع اور نشر کرتا رہا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو نہایت دردناک طریقہ سے مار دیا جائے گا۔ لیکن جب ایون طالبان کی حراست سے باہر آ گئی اور حراست کے دوران جو واقعات پیش آئے انہیں اس نے اپنے مضامین، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نیٹ ورک کے ذریعہ پیش کر کے حقائق سے پردہ اٹھا دیا تو وہ اس مہذب دنیا کے لئے سخت حیران کن تھے۔ اس نے بتلایا کہ اس کے ساتھ علیحدہ کمروں میں عیسائی پادری بھی قید تھے، ان سب کے لئے رہائش کی تمام سہولتیں فراہم تھیں۔ ان کے لئے پورک (لحم خنزیر) اور شراب کے سوا ہر قسم کے حسب پسند کھانوں کا انتظام بھی کر دیا گیا تھا جبکہ طالبان خود روکھی سوکھی روٹی پر گزارہ کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر ان قیدیوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی آزادی تھی۔ پادریوں کو بھی ایون سے ملنے کی اجازت دی گئی تھی، جو اسے اپنے مذہب کی تلقین کرتے رہے جس پر وہ سختی سے قائم تھی۔ اس کی حفاظت کے لئے جو افغانی جوان متعین تھے ان کا سلوک ایسا شریفانہ تھا جو ایک بھائی کا اپنی بہن کے لئے ہوتا ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ چند جوان سفید لباس میں عمامہ باندھے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے سمجھا کہ وہ اس کا آخری دن ہے۔ یہ لوگ قاضی یا جج معلوم ہوتے تھے جو اسے سنگسار کرنے کا آرڈر سنانے کے لئے آ گئے ہیں لیکن ان کا لب ولہجہ بدلا ہوا تھا۔ انہوں نے ایون سے کھانے پینے اور رہائش کے بارے میں دریافت کیا اور پوچھا کہ اسے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ اس نے ان کے انتظام کی تعریف کی، پھر انہوں نے اس سے مذہب اسلام کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بے باکی سے جواب دیا: ''اس وقت میں تمہاری قید میں ہوں اس لئے جو بھی جواب ہوگا وہ آزادانہ بیان نہیں ہو سکتا اور پھر میں نے اسلام کا اچھی طرح مطالعہ بھی نہیں کیا ہے اس لئے میں صحیح جواب دینے سے قاصر ہوں۔'' طالبان حکومت کی ایما پر ایون ریڈلے کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیا گیا۔ یہاں آ کر اس نے یہ سارے حالات تفصیل سے بیان کئے اور کہا کہ وہ ابھی اپنے مسیحی مذہب پر قائم ہے لیکن دین اسلام بھی اس کے زیر مطالعہ ہے اور وقت آنے پر وہ اس کی بابت اعلان کرے گی۔ یورپ اور امریکہ کے لئے ایون ریڈلے کے یہ بیانات اور مضامین سخت حیرت کا باعث تھے کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا، لیکن چشم دید حقیقت کو جھٹلایا تو نہیں جا سکتا اس لئے انہوں نے اور خاص طور پر وہاں کے مذہبی طبقہ نے اس بارے میں تاویلات شروع کر دیں جس نے معاملہ کو اور بھی صاف کر دیا۔ بالآخر اس جرنلسٹ عیسائی خاتون ایوان

نے اسلام کے غیر جانبدارنہ مطالعہ کے بعد اور طالبان کے اسلامی رویہ ''لا اکراہ فی الدین'' دین کے لئے کوئی جبر جائز نہیں اور دورانِ حراست، ان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب وہ آزاد خیال انگریز خاتون اسلامی حجاب کے ساتھ ساری دنیا میں اسلام کے علم و دانش کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہے۔ یکم جون 2004ء کو بی بی سی نے برطانوی نو مسلم خاندانوں کی جو فلم ٹیلی کاسٹ کی ہے اس میں چودہ ہزار نو مسلم دانشوروں کے منتخب افراد جس میں اکثریت خواتین کی تھی کے انٹرویو نشر کئے۔ انگریز خاتون ایون ریڈلے کا جمہوری اور انسانی اقدار کے حوالہ سے قرآن پاک کے بارے میں انٹرویو ایک انقلاب آفریں پیغام ہے۔ حق تو یہ ہے کہ سارے انٹرویو ہی نہایت فکر انگیز اور یورپ کے لئے اور ہمارے مقلدین یورپ کے لئے بھی سبق آموز ہیں۔ طالبان کی غیر مہذب حکومت کے اخلاق و کردار کی بلندی جو ایون رڈلے کے چشم دید بیانات سے سامنے آتی ہے اس کے مقابل میں امریکہ اور اس کی حلیف حکومتوں کی اخلاق باختہ تہذیب کو دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یورپی اور امریکی نام نہاد تہذیب انتہائی پستی اور تباہی کے بھیانک غار میں اپنے سر کے بل جا گری ہے۔ افغانستان کے بعد عراق میں جو کچھ ہوا ہے اس نے بابل اور نینوا کی بستیوں کو جو تہذیب و تمدن، علم و فن کا اولین گہوارہ ہیں اور جو حرمین کے بعد مسلمانوں کی مقدس ترین سرزمین ہے، ان جیتی جاگتی بستیوں کو شب و روز کی ہولناک آتش فشاں بمباری سے قبرستان کے کھنڈروں میں تبدیل کر دیا ہے۔

عراق میں ابوغریب جیل کے اندوہ ناک واقعات، بے بس قیدیوں کو مادرزاد برہنہ کر کے ان کے جسم کے انگ انگ کو بجلی کی ننگی تاروں کے ذریعہ اذیت ناک تکلیفیں پہنچا کر امریکی اور برطانوی فوجی مرد اور عورتیں فاتحانہ خوشی سے سرشار نظر آتی ہیں، قیدیوں کو ٹوائلٹ کے اندر کا غلاظت بھرا کھانا بھی کھلایا جاتا رہا۔ واشنگٹن پوسٹ (21 مئی 2004ء) کی رپورٹ کے مطابق ان قیدیوں کو پورک (خنزیر کا گوشت) کھانے پر مجبور کیا گیا۔ زدوکوب کر کے جن قیدیوں کی ٹانگیں توڑ دی گئی تھیں ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اسلام پر لعنت بھیجیں اُسے گندی گالیاں دیں اور عیسائی مذہب قبول کر لیں۔ قیدیوں پر تعذیب کے نت نئے تجربے کئے گئے۔ محبوس مرد اور عورتوں کے ساتھ شرم ناک جنسی تشدد کیا جاتا رہا۔ ان قیدی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر اور مردوں کے ساتھ جبر اُ صدومی (Sodomy) جیسی ذلیل حرکتوں سے انہوں نے شرافت کے دامن کو تار تار کر دیا۔ ہاتھ پاؤں بندھے قیدیوں پر خونخوار کتوں (Hounds) کو چھوڑ کر ان کا تماشہ دیکھتے

رہے۔ پھر مرنے والے قیدیوں کو رسّی سے باندھ کر انہیں جیل کے اندر گھسیٹتے رہے ہیں۔ ابوغریب جیل اور دوسرے عقوبت خانوں میں ایسے وحشیانہ اور ناقابل بیان مظالم کرتے ہوئے امریکہ اور اس کی حاشیہ بردار حکومتوں نے انسانی حقوق کا گلا گھونٹ دیا۔

قانون توہین رسالت کے خلاف امریکی ہیومن رائٹس رپورٹ کا تنقیدی جائزہ

توہین رسالت کے متعلق امریکن ہیومن رائٹس رپورٹ میں اسلامی ملکوں اور خاص طور پر پاکستان کے خلاف امریکہ کے سٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے ڈیموکریسی اور ہیومن رائٹس (حقوق انسانی) بیورو کے حوالہ سے سال 2003ء میں ایک رپورٹ تیار کی جو سال 2004ء میں منظر عام پر آئی ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں توہین رسالت کے قانون اور حدود آرڈیننس کی وجہ سے یہاں کی اقلیتیں غیر محفوظ ہوگئی ہیں اور ان قوانین کی وجہ سے حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اب ایسی سر پھری حکومتوں کا کیا علاج جو خود تو طاقت کے نشہ میں بدمست ہو کر انسانی حقوق بلکہ ساری انسانیت کو اپنے رسوائے زمانہ بے لگام فوجیوں کے ذریعہ کچلتی ہوئی چلی جا رہی ہیں، جن کے خلاف خود ان کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امن پسند شہریوں نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور جس کی ان نام نہاد جمہوریت نواز حکومتوں کو ذرا بھی پروا نہیں۔ لیکن ان کو پاکستان کے قانون توہین رسالت اور حدود آرڈیننس کی وجہ سے بڑی فکر اور تشویش لاحق ہوگئی ہے حالانکہ قانون توہین رسالت کو پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی اور سینیٹ نے منظور کیا ہے مگر پاکستان کے لئے وہ ایسا کوئی جمہوری حق دینے کے لئے تیار نہیں جو ان کی مرضی کے خلاف ہو۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ ان کی سیکولر گورنمنٹس میں بلاس فیمی لا صرف توہین مسیح کی حد تک محدود اور موجود ہے اور ان کی اعلیٰ عدالتوں نے پیروان مسیح کی اکثریت کی بنیاد پر اسے آئینی اور قانونی طور پر جائز قرار دیا ہے۔ برطانیہ کی اعلیٰ ترین عدالت نے اپنے ایک فیصلہ میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مسیحؑ اور مذہب مسیحؑ کے علاوہ کسی دوسرے مذہب، جیسا کہ اسلام ہے، پر حملہ یا اس کی اہانت بلاس فیمی کی تعریف میں نہیں آتے اور نہ ہی یہ کوئی جرم ہے۔ حالانکہ برطانیہ میں پیروان مسیحؑ کے بعد وہاں مسلمان شہریوں کی اکثریت ہے۔ کیا ان کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے پر کوئی گرفت نہیں؟ سلمان رشدی جیسے دریدہ دہن کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی اہانت کی کھلی آزادی ہے۔ امریکہ کی ہیومن رائٹس بیورو کی نظر میں حقوق انسانی کی یہ کوئی خلاف ورزی نہیں۔ امریکہ میں سلمان رشدی کی حیثیت شاہی مہمان سے کچھ کم نہیں، اس کی آمد پر اس کی سیکورٹی کا اہتمام صدر امریکہ کی طرح ہوتا ہے۔ پاکستان کی

پچانوے فی صد۔ 15 کروڑ کی مسلمان اکثریت بلکہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں سب اسلام کے قانون توہین رسالت کے حق میں ہیں، جس کا مظاہرہ مشرق ومغرب کی ساری حکومتوں نے رشدی اور اس کی شرانگیز کتاب آیات شیطانی (Satanic verses) کے خلاف احتجاج کی صورت میں دیکھ لیا ہے کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے نبی ﷺ کی شان میں کسی قسم کی اہانت ان کے لئے نا قابل برداشت ہے۔ موجودہ روشن خیال حکومت کے وزیر مذہبی امور میاں اعجاز الحق نے 9 جولائی 2004ء کو ہمارے ساتھ ایک ٹیلی وژن انٹرویو میں یہ تک کہہ دیا ہے کہ وہ رشدی کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں ہماری آئینی تحریک پر قانونِ توہین رسالت کو فیڈرل شریعت کورٹ، اور یہاں کی پارلیمنٹ نے نافذ العمل قرار دیا ہے۔ یہ قانون توہین رسالت موسوی قانون کی طرح صرف پیغمبران بنی اسرائیل یا عیسوی قانون کی طرح صرف یسوع مسیحؑ کی اہانت تک محدود نہیں بلکہ یہ قانون تمام پیغمبران الٰہی کے احترام کو واجب قرار دیتا ہے ان کی توہین کی بھی وہی سزا ہے جو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی اہانت کے لئے مقرر ہے۔

امریکہ کی رپورٹ میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ سال 1991ء سے لے کر آج تک اقلیتی فرقہ یا پاکستان کے کسی شہری کو توہین رسالت کے قانون کے تحت سزا نہیں دی گئی البتہ اس میں یہ ذکر کہیں موجود نہیں کہ جن دو چار مسیحی ملزموں کو عدالت نے بری کر دیا تھا ان کی امریکہ اور یورپ کے سارے ملکوں میں بڑی مانگ (Demand) ہے۔ جرمنی کی حکومت نے انہیں معزز شہریوں (VIP) کی حیثیت سے اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا ہوا ہے۔ اسلامی قانون توہین رسالت کی وجہ سے مدعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ورنہ برٹش راج میں جب پاک وہندوستان میں یہ قانون ختم کر دیا گیا تھا، مسلمان قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر گستاخانِ رسول کو ہلاک کرتے رہے ہیں۔ جس کی فہرست بہت طویل ہے۔ کیا امریکی حکومت اسلامی قانون توہین رسالت کو منسوخ کروا کر قانون اور عدالت کے دروازے بند کرنا چاہتی ہے اور ملزموں کو یہ آزادی دلانا چاہتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی شان میں علانیہ گستاخی کرتے پھریں اور مسلمان خاموش تماشائی کی طرح یہ شیطانی کھیل دیکھتے رہیں، ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ یہ قانون تو ہر بے گناہ شخص یا ملزم کے بھی جان ومال کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور آدمی کو احترام آدمیت سکھلاتا ہے جو حقوق انسانی کی بنیاد ہیں۔ اس لئے امریکی یا یورپ کی حکومتیں اگر اپنے آپ کو حقوق انسانی کا پابند نہیں سمجھتیں تو اس کا خمیازہ وہ آپ بھگت لیں گی لیکن پاکستان یا دوسرے اسلامی ملکوں کی حکومتوں کو اپنی قہرمانی

قوت کے زور پر مجبور نہ کریں کہ وہ قرآن وسنت کو، جسے وہ سپریم لا سمجھتے ہیں، دست بردار ہو جائیں اس کے عواقب ونتائج انتہائی خطرناک ہوں گے، اس سے نفرتوں کا جو طوفان اٹھے گا اس پر وہ قابو نہیں پاسکیں گے بلکہ امریکہ اور یورپ کا یہ طرز فکر وعمل ساری دنیا کی امن وسلامتی کی تباہی کا باعث ہوگا۔

برطانیہ کا موجودہ بلاس فیمی لا (قانون توہینِ مسیح)

برطانیہ میں پہلے اٹھارویں صدی تک توہین مسیحؑ کی سزا سزائے موت ہی تھی لیکن اس کے بعد چونکہ وہاں سزائے موت ختم کر دی گئی۔اس لئے موجودہ اکیسویں صدی میں برطانیہ کے کامن لاء (Common Law) جو وہاں کا آئین بھی ہے، کی رو سے توہین مسیحؑ کی سزا عمر قید کر دی گئی ہے۔

توہین مسیح (بلاس فیمی) کی تعریف

کامن لاء کی رو سے توہین مسیحؑ کی تعریف یہ ہے: "کسی ایسی بات کی اشاعت جو تحریری یا تقریری طور سے توہین کے زمرے میں آئے اور جو اہانت آمیز طریقہ سے یسوع مسیحؑ مذہب مسیحؑ یا کتاب مقدس انجیل کی سچائی سے انکار کر دے یا ان کے لئے ایسے نازیبا اور فحش الفاظ استعمال کئے جائیں جو پیروانِ مسیحؑ کے لئے جارحانہ اور اشتعال انگیز ہوں بلاس فیمی تصور ہوگی۔"

اجزائے جرم (Elements of offence)

"ایسے الفاظ جو جانتے ہوئے یا غیر ارادی ہوں مگر تحریری یا تقریری طور پر توہین مسیحؑ کی تعریف میں آتے ہوں اجزائے جرم میں شامل ہوں گے"

طریقۂ کار (Procedure)

توہین مسیحؑ تحریری ہو یا تقریری دونوں صورتوں میں ملزم پر فرد جرم عائد کرنے کے بعد مقدمہ کی سماعت شروع ہوگی۔

شہادت (Evidence)

اگر بیان تحریری ہو تو شائع شدہ تحریر اور اگر بیان جلسہ عام میں یا پبلک کے سامنے دیا گیا ہو تو پبلک سے دو معتبر گواہ جنہوں نے وہ تقریر سنی ہو جرم کے ثبوت میں عدالت کے روبرو پیش کرنا ہوں گے۔

بلاس فیمی لا اور پریس

بلاس فیمی کے مواد شائع کرنے والے اخبار پر بھی بلاس فیمی قانون لاگو ہو سکتا ہے۔

سزا (Sentence)

بلاس فیمی (توہین مسیحؑ) کی سزا بھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے وہی ہے جیسی کہ تخت یا تاج برطانیہ یا حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے جرم کی سزا عمر قید ہے۔(7)

توہین مسیح۔یورپ اور امریکہ کی اعلیٰ عدلیہ کے فیصلے

نظائیر: برطانیہ کی اعلیٰ عدالتوں کے نظائر

عام طور پر ماڈرن اور تہذیب یورپ کے متاثرین بین الاقوامی قوانین سے ناواقفیت کی بنا پر یہ فرماتے ہیں کہ برطانیہ، امریکہ یا یورپ میں بلاس فیمی لا کی کوئی سزا مقرر نہیں اور اگر ہو بھی تو کوئی شخص اس جرم میں ماخوذ ہو کر سزایاب نہیں ہوا لیکن یہ سراسر غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔اس لئے ہم وہاں کی اعلیٰ عدلیہ اور سپریم کورٹ کے فیصلے پیش کر رہے ہیں۔

فیصلہ مقدمہ لی مون (برطانیہ)

ڈینس لی مون(Denis Lemon) ایڈیٹر گے نیوز(Gay News) کے خلاف سال 1978ء میں توہین مسیح کے الزام میں برطانیہ کی عدالت میں کیس دائر ہوا۔الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ پر ایک مزاحیہ نظم لکھی ہے۔جس میں اس نے ان کو ہم جنس پرستی کی طرف مائل دکھلایا تھا۔اس مقدمہ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صفائی کے وکلاء نے ملزم کی طرف سے دفاع میں یہ نکتہ اٹھایا کہ ملزم نے بلاس فیمی کا ارتکاب قصداً(wilfully) نہیں کیا تھا۔یہ بات اس نے بطور تفریح طبع کہی ہے جس سے اہانت یا توہین مقصود نہیں۔یہ وہی عذر ہے جو گستاخان رسالت شروع سے کرتے چلے آئے ہیں۔جس کا ذکر کلام الٰہی میں آج سے چودہ سو سال قبل ہی کر دیا گیا تھا اور انہیں یہ بھی جتلا دیا تھا کہ یہ حیلہ سازی ہے۔دیکھئے قرآن حکیم کا یہ ارشاد:

قل اباللہ و آیاتہ ورسولہ کنتم تستھزء ون لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (التوبہ66:65)

''کیا تم اللہ کے ساتھ۔اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزا (ہنسی مذاق) کرتے ہو۔بہانے مت بناؤ۔بلاشبہ تم نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔''

لی مون(Lemon) کے مقدمہ میں صفائی کے وکلاء کا تمام تر زور اسی نکتہ پر تھا کہ گے نیوز (Gay News) میں ملزم نے مسیحؑ کے بارے میں ایسی بات تفریحاً یا دل لگی کے طور پر کی ہے جس میں اس کی نیت یا ارادہ کا کوئی دخل نہیں اور نہ ہی یہ بات بدنیتی سے کہی گئی ہے لیکن جیوری نے متفقہ طور پر ملزم کے اس عذر کو مسترد کر دیا اور یہ قرار دیا کہ بلاس فیمی یا توہین مسیح کے کیس میں ''نیت'' یا

''ارادہ'' غیر متعلق (Irrelevant) ہیں کیونکہ جو بات جناب مسیحؑ کے بارے میں کہی گئی ہے اس کا براہ راست تعلق ایک واضح حقیقت (Facts) سے ہے جس کی وجہ سے پیروان مسیحؑ کے جذبات مشتعل ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ چیز جو خدا، یسوع مسیحؑ اور بائبل کی تضحیک، استہزا، توہین اور تنقیص کا باعث ہو وہ بلاس فیمی یا قانون توہین مسیح کے تحت لائق تعزیر جرم ہے۔ اس لئے لی مون کو بلاس فیمی لا کے تحت جیوری نے سزا سنائی۔ فیصلہ میں مزید کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں قانون تو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مذہب کا انکار کر دیا جائے وہ قابل گرفت جرم نہیں لیکن مذہب کے خلاف ناشائستہ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

فیصلہ کا اقتباس جو (Blasphemy and Bigotry) کے عنوان سے لندن کے کثیرالاشاعت روزنامہ THE TIMES میں 27 اگست 1988ء کو ڈیوڈ ہالو وائی (David Hollow Y.) نے رپورٹ کیا ہے جو ضمیمہ (Appendix میں شامل ہے۔

اس فیصلہ کے خلاف لی مون نے اپیل دائر کی۔ جو بلاس فیمی لا کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد خارج کر دی گئی۔ (8)

ایک مشہور مگر حیرت انگیز مقدمہ میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ بلاس فیمی میں یہ خدشہ موجود ہوتا ہے کہ جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں خواہ ملزم ان کے ردِّ عمل سے واقف نہ ہو، لیکن وہ مذہب یا مذہبی فرقہ کے لئے باعث رسوائی ہوں تو یہ قانون وہاں لاگو ہوگا۔ فیصلہ میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ مذہب سے مراد عیسائی مذہب اور فرقہ سے مراد کوئی بھی عیسائی فرقہ ہے۔ مزید وضاحت یہ ضروری سمجھی گئی کہ دوسرے مذاہب جیسا کہ اسلام ہے، کے خلاف جارحانہ حملہ یا اہانت بلاس فیمی (توہین رسالت) کی زد میں نہیں آتے۔ برطانیہ کی اعلیٰ ترین عدالت نے بھی سال 1990 میں اس فیصلہ کی توثیق کر دی ہے۔ اس فیصلہ سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برطانیہ کی عدلیہ کے ذہنی تحفظات کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ (9)

لے مون (Laymoon) نے اپنے فیصلہ کے خلاف برطانیہ کی عدالت عظمیٰ (House of Lords) میں اپیل دائر کی۔

فاضل عدالت نے کیس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد اپیل کو خارج کر دیا اور اپنے فیصلہ میں انہوں نے یہ وضاحت کر دی کہ عدالت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ ملزم نے ارادے سے یا یہ جانتے ہوئے بلاس فیمی لاء کی خلاف ورزی کی ہے یا اس

کے تحریری یا تقریری الفاظ سے توہین مسیحؑ ہو گی یا پیروان مسیحؑ ان الفاظ کو اہانت مسیحؑ سمجھیں گے جبکہ تحریر سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جائے۔

یہ فیصلہ عدالت عظمیٰ کے نو رکنی لارجر بینچ نے کیا تھا جس میں سے سات جج صاحبان کی اکثریت نے لے مون کے خلاف فیصلہ دیا جبکہ صرف دو جج حضرات نے ملزم کے دلائل سے اتفاق کیا، اس لئے اس کی اپیل اکثریتی فیصلہ سے مسترد کر دی گئی۔

اس فیصلہ میں بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک فاضل جج لارڈ اسکار مین (Lord Scarman) نے جو ایک آزاد خیال (لبرل) جج کی حیثیت سے دنیا میں جانے پہنچانے جاتے ہیں، اپنے فیصلہ میں جہاں تک برطانیہ کے بلاس فیمی لاء کا تعلق ہے اس کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے:

''میں اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ قانون بلاس فیمی جو ہمارے کامن لاء کا حصہ ہے، کوئی مفید اور کارآمد قانون نہیں ہے۔ اس کے برخلاف میں یہ سمجھتا ہوں کہ بلاس فیمی (توہین مسیحؑ) کا فوجداری قانون برطانیہ کی اپنی سالمیت اور امن عامہ کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے خاص طور پر موجودہ ماڈرن برطانیہ میں جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہریوں کا ملک بن چکا ہے اور جس میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے میری رائے میں موجود توہین مسیح کے قانون میں مزید توسیع ہونی چاہیے جس کی رو سے دوسرے مذاہب کی عزت اور تعظیم مجروح نہ ہونے پائے اور مذہبی اختلافات کی بناء پر کسی بھی مذہب کی توہین، تضحیک اور فحش کلامی جیسی گھٹیا حرکتوں کو ممنوع قرار دیا جائے۔'' (10)

لے مون کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کوئینز یونیورسٹی (Queen's University) بلفاسٹ کے صدر شعبہ اصولِ قانون پروفیسر سیمن لی کہتے ہیں:

''فاضل عدالت کے جج حضرات کے سامنے یہ ایشو فیصلہ طلب تھا کہ کیا ملزم کو اہانت مسیحؑ کے جرم کی سزا کے لیے عیسائیوں کے احساسات کو مجروح کرنے کے ارادہ کو دخل تھا یا اس کا مقصد جناب مسیحؑ کے خلاف مزاحیہ نظم شائع کرنے سے پیروان مسیحؑ کے جذبات مجروح کرنے کا تھا۔ اس بارے میں عدالت کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ ملزم کا ارادہ یا مقصد یہ نہ بھی ہو مگر اس سے مسیحی کمیونٹی کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو بلاس فیمی کا تعزیری قانون اس پر لاگو ہو گا۔ (11)

ہمارے ملک پاکستان کے حکمرانوں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ برطانیہ کے معروف لبرل

جج اسکارمین تو بلاس فیمی لاء کو برطانیہ کی سالمیت کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں اور اس قانون میں دوسرے مذاہب کی تعظیم اور توقیر کا اضافہ چاہتے ہیں جبکہ ایسا ہی قانون توہین رسالت پاکستان میں موجود ہے جس کو یہاں کی حکومت غیر موثر بنانے کے لیے غیر ضروری اقدامات کر رہی ہے۔

برطانیہ کے مسلمان شہریوں نے لے مون کے فیصلہ کے پیش نظر آیات شیطانی (Satanic Verses) کے مصنف سلمان رشدی اور اس کے پبلیشر کے خلاف بلاس فیمی لاء کے تحت کاروائی کرنے اور ان کو عدالت میں طلب کرنے کے لیے چیف میٹروپولیٹن مجسٹریٹ کی کورٹ میں درخواست دائر کی۔ جس کو مجسٹریٹ موصوف نے ابتدائی سماعت کے بعد مسترد کر دیا۔ اس کے خلاف عدالت اپیل میں جوڈیشل نظر ثانی (Judicial Review) کے لئے درخواست پیش کی گئی، لیکن یہ درخواست بھی خارج کر دی گئی فیصلہ میں فاضل جج لارڈ ویٹکنز (Lord Watkins) نے قرار دیا کہ بلاس فیمی لاء کا تعلق جناب مسیحؑ، بائبل اور چرچ آف انگلینڈ کی توہین اور ان کے خلاف بدکلامی سے ہے جس سے عیسائی شہریوں کے مشتعل ہونے کا خطرہ ہو۔ اس بلاس فیمی قانون میں مذہب سے مراد مسیحی مذہب ہے اور فرقہ سے مراد عیسائیوں کا کوئی بھی فرقہ ہے لیکن دوسرے مذہب جیسا کہ اسلام ہے کے خلاف جارحانہ حملہ یا اس کی اہانت بلاس فیمی لاء کی تعریف میں نہیں آتے۔ جج موصوف نے مزید یہ وضاحت بھی کر دی کہ اگر ہمیں کسی دوسرے مذہب جیسا کہ اسلام ہے اس کی اہانت اور توہین کے خلاف کاروائی کرنیکا حق حاصل بھی ہوتا تو بھی ہم اس حق کو استعمال کرنے سے گریز کرتے کیونکہ ہمیں فیصلہ کرنے کے لئے یہ ممکن نہ ہوتا کہ ہم اسلامی قانون توہین مذہب کے حدود متعین کر سکیں۔ یہ فیصلہ Chief Metropolitan Stipendiary مجسٹریٹ کے حکم کے خلاف برطانیہ کے ایک مسلمان شہری کی اپیل کو خارج کرتے ہوئے سال 1990ء میں صادر کیا گیا جو اسی سال کے آل انگلینڈ لاء رپورٹ میں شائع ہوا ہے۔ متذکرہ بالا مقدمات کے علاوہ ایک اور اہم بلاس فیمی کیس کا ذکر بھی ضروری ہے جس سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ ماڈرن برطانیہ عظمی کی ریاست اور حکومت اپنے مذہب اور مذہبی شخصیتوں کا کس قدر احترام کرتی ہیں اور کسی کو اپنی مسیحی روایات مسخ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

بلاس فیمی کا یہ معرکتہ الارا مقدمہ ونگرو کیس کے عنوان سے مشہور ہے۔ اس کیس کی کاروائی سال 1989ء میں شروع ہوئی۔ برطانیہ کے اپیل ٹریبونل کے فیصلہ کے بعد یہ مقدمہ وہاں کی سب سے بڑی عدالت (House of Lords) نے اپیلٹ ٹریبونل کے فیصلہ میں مداخلت سے

انکار کر دیا اور قانون توہین مسیح کو جائز قرار دیا۔ اپنے فیصلہ میں اس کے لئے تفصیلی دلائل دیئے ہیں۔ برطانیہ کے مسلمان شہریوں کی درخواست کہ توہین مذہب میں اسلام کو بھی شامل کیا جائے خارج کر دی گئی۔ مسٹر ونگرو نے اپنے بارے میں ہاؤس آف لارڈز کے فیصلہ کے خلاف یورپی بین الاقوامی عدالت حقوق انسانی میں کنونشن کے آرٹیکل 10 کے تحت برطانیہ (U.K) کے خلاف درخواست اپیل دائر کی جہاں اس کا حتمی فیصلہ سال 1996 میں صادر ہوا۔

یورپی یونین کی حقوق انسانی کی عدالت عظمیٰ نے ونگرو کی درخواست اپیل کو مسترد کر دیا۔ دوران سماعت سلمان رشدی کی شر انگیز کتاب "Satanic Verses" کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا جسے لائق سماعت نہیں سمجھا گیا۔ یہ فیصلہ یورپ کی تاریخ کا ایک نہایت اہم فیصلہ ہے۔ یورپ کے تمام 25 ممبر ممالک اس فیصلہ کے پابند ہیں۔ اس فیصلہ سے یورپ کے مذہب کے بارے میں مذہبی احساسات، دیرینہ روایات اور ان کی پاسداری کے لیے حقوق انسانی (Human Rights) کی یکطرفہ تشریحات واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ اس مقدمہ کی روئیداد بہت طویل ہے لیکن اس کے فیصلہ کا متعلقہ اقتباس اگلے صفحات میں پیش ہے۔

توہین مسیح کیس۔ یورپین عدالت ہیومن رائٹس کا فیصلہ 1996

نیگل ونگرو بنام مملکت برطانیہ

قانونی توہین مسیحؑ (Law of Blasphemy) کے بارے میں یورپی یونین حقوق انسانی (Human Rights) کی سب سے بڑی اور آخری عدالت نے مملکت برطانیہ کے حق میں 25 نومبر 1996ء کو جو حتمی فیصلہ دیا ہے وہ اسلامی ملکوں اور بالخصوص ملک عزیز پاکستان اور سیکولرازم کے حامیوں کیلئے نہ صرف چشم کشا بلکہ حیرت انگیز بھی ہے۔

مختصر واقعات مقدمہ یہ ہیں کہ برطانوی شہری مسٹر نیگل ونگرو فلم ڈائریکٹر نے سولہویں صدی کی ایک راہبہ سینٹ ٹریسا (St. Teresa) کو حضرت مسیحؑ کی تصوراتی شبیہ کے سامنے عشق و سرمستی میں اپنا گریباں چاک کر کے خوں میں ڈوبی ہوئی عریاں پستانوں کے ساتھ رقص کرتے ہوئے دکھلا کر ایک رومانی فلم (Vision o f E cstacy) تیار کی اور اس کی فروخت اور نمائش کی اجازت کے لئے ایک درخواست برٹس بورڈ آف فلم کلاسیفکیشن کے سامنے پیش کی۔ بورڈ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہوئے اس کی درخواست اس بناء پر مسترد کر دی کہ یہ ہیجان انگیز مخرب اخلاق فلم حضرت مسیحؑ کے تقدس کو مجروح کرتی ہے اس لئے یہ ویڈیو فلم لے مون کیس کے حوالے سے فوجداری قانون بلاس فیمی لاء کے زمرے میں آتی ہے۔ اس لئے اس کی فروخت اور نمائش کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کے خلاف فلم ساز نے اپیل دائر کی جس میں کہا گیا کہ یہ ایک عسائی راہبہ سینٹ ٹریسا کی کہانی ہے جو اس کے وجدانی کیف و سرور کا مظہر ہے لیکن یہ خدا، حضرت مسیحؑ یا بائبل کی اہانت کی تعریف میں نہیں آتی اس اپیل کا بورڈ نے نہایت تفصیل کے ساتھ جواب دیا جس میں مزید بتلایا گیا کہ اس ویڈیو فلم میں ٹریسا کو ہم جنس پرست عورت (Lesbian) کا کردار کرتے ہوئے دکھلایا گیا اور موسیقی بھی نہایت ہیجان انگیز ہے۔ اس میں ٹریسا کے تاریخی اور نفسیاتی عوامل کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اس لئے اپیل کو خارج کیا جاتا ہے۔

اس فیصلہ کے خلاف ونگرو نے ہاؤس آف لارڈز (House of Lords) میں جوڈیشل ریویو کے لئے درخواست دائر کی جس میں بورڈ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس نے فلم کے آرٹ اور اس سے ہم آہنگ موسیقی کو جدید رجحانات کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور بورڈ پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے ماضی قریب میں ''لائف آف برین'' اور مسیحؑ کی آخری جنسی

ترغیب" "The Last Temptation of Christ" جیسی قابل اعتراض فلموں کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور نہ انکے خلاف بلاس فیمی لاء کے تحت کوئی کاروائی کی۔ اس کے علاوہ بلاس فیمی جو کامن لاء کا حصہ ہے اس میں بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

اعلیٰ عدالت اپیل نے فریقین کی تمام زبانی اور تحریری شہادت اور بیانات حلفی کا بغور مطالعہ کیا۔ کورٹ آف اپیل میں بھی لے مون (Laymoon) کیس کی جناب مسیح کے نام نظم (The Love that dares to speak its name) پیش کر کے لے مون کے خلاف توہین مسیح کے فیصلے کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس کورٹ کے معزز جج لارڈ اسکارمین نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ عدالت کو توہین مسیح کے بارے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا ایسے الفاظ اور ان کی تشریحات سے خدا، مسیح بائبل اور چرچ آف انگلینڈ کی تضحیک، توہین اور تمسخر سے ایک عیسائی شہری نقص امن پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ اس بارے میں یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ لفظ ''قیاس'' یا ''گمان'' کو اس کے عام لغوی معنی میں لیا جائے گا جس سے اشتعال انگیزی کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے ملزم کے ''قصد'' اور ''ارادے'' کو جزو جرم نہیں سمجھا جائے۔ یہاں یہ ذکر بھی قابل ذکر ہے کہ لارڈ ڈپلوک (Lord Diplock) جو مولوی تمیز الدین خان اپیل کیس میں گورنر جنرل پاکستان غلام محمد کی جانب سے سپریم کورٹ میں بطور کونسل پیش ہوئے تھے۔ انگلینڈ میں لے مون اپیل کیس کی عدالت کے فاضل رکن تھے۔ انہوں نے بھی توہین مسیح کے لئے ایسے مواد کو اشتعال کے لئے کافی قرار دیا جس سے اشتعال کے امکانات پیدا ہوں۔ یہ اشتعال انگیزی ایسی ہی ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ یا گوتم بدھ کے لئے ہو مگر برطانیہ میں ایسی اشتعال انگیزی صرف اہانت بائبل خدا مسیح اور چرچ آف انگلینڈ کی حد تک محدود ہے۔ ہاؤس آف لارڈز نے ونگرو کے اس استدلال کو لائق توجہ نہیں سمجھا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اس فلم میں مسیح سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں جس میں ان کی اہانت کا پہلو موجود ہو یہ صرف ایک عیسائی راہبہ سینٹ ٹریسا کا تصوراتی یا نیم خوابی تخیل ہے جس پر بلاس فیمی قانون لاگو نہیں ہوسکتا۔ فاضل عدالت بالآخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ ویڈیو فلم عیسائی رہبانیت کی والہانہ عقیدت و محبت کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ اس سے جنسی کج روی اور شہوت انگیزی کے شرمناک مناظر سامنے آتے ہیں۔ جو نہ کسی سن سے کسی صدی میں ہوئے ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ کہ ٹریسا کے بارے میں کچھ معمولی جنسی روایات ہیں جو موہوم اور نا قابل التفات ہیں۔ ان تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ عدالت اس ویڈیو فلم کو نہایت ناشائستہ سمجھتے

ہوئے اس کی فروخت یا نمائش پر پابندی کو جائز اور درست قرار دیتی ہے کیونکہ ایسی ویڈیو فلم کو دیکھ کر ایک عیسائی شہری کے جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں جو بلاس فیمی قانون کی خلاف ورزی ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے یہ اپیل خارج کی جاتی ہے۔ اس اپیل کے دوران رشدی کی بدنام زمانہ کتاب ''شیطانی آیات'' بھی زیر بحث آئی کہ اس پر بھی مذہب اسلام کے پیغمبر علیہ السلام کی اہانت کا بلاس فیمی لاء لاگو ہونا چاہیے جس پر عدالت اپیل نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ معاملہ ہمارے دائرہ کار میں نہیں آتا کیونکہ اس کا تعلق حکومت کی پالیسی ساز حکمت عملی سے ہے۔ اس سلسلہ میں اس وقت برطانیہ کے وزیر امور داخلہ نے سال 1989ء میں مسلمان قائدین کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ حکومت کے لیے قابل قبول نہیں اور نہ بلاس فیمی لاء میں کسی قسم کی کوئی ترمیم کی جا سکتی ہے۔ اس بارے میں آنریبل کورٹ کے ایک فاضل جج لارڈ ویٹکنز نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر بلاس فیمی لاء میں دوسرے دین و مذہب جیسا کہ اسلام ہے کی توہین کو بھی شامل کر دیا جائے تو ہم اپنے اختیار کو استعمال کرنے سے گریز کریں گے کیونکہ ہمارے لئے یہ متعین کرنا ممکن نہیں کہ اسلام میں اس جرم کے حدود کیا ہیں۔

مسٹر ونگرو اپنی ضد کا پکا آدمی تھا اس لئے برطانیہ کی آخری عدالت کے فیصلہ کے خلاف اس نے یورپی یونین کی سب سے بڑی عدالت حقوق انسانی میں پٹیشن دائر کر دی۔ اس پٹیشن میں منجملہ دیگر نکات کے یہ اہم نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ مملکت برطانیہ میں انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ پٹیشنر جو برطانیہ کا شہری ہے اس کا عیسائی مذہب یا اس مذہب کی مقدس شخصیتوں کے بارے میں اپنے عقیدہ اور اپنے خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کا حق سلب کر لیا گیا ہے۔ جو یورپی یونین کے کنونشن کے آرٹیکل 10 کے صریح خلاف ورزی ہے۔ اس ملک کی مقتدر حکومت نے سینٹ ٹریسا پر اس کی تیار کی ہوئی فلم کو نمائش کے لیے پیش کرنے اور اسے فروخت کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر کے اس کو اس کے آئینی حق سے بھی محروم کر دیا ہے۔ اس کیس میں سماعت کے لئے یورپین عدالت حقوق انسانی کے نو رکنی بنچ کی تشکیل عمل میں آئی جہاں کیس کی سماعت کا آغاز ہوا۔ یہاں ہم یورپی کنونشن (آئین) کے آرٹیکل 10 کو پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ اسی آرٹیکل کی بناء پر مدعی نے برطانیہ کی آخری عدالت کے فیصلہ کو چیلنج کیا ہے۔

آرٹیکل 10:

(1) ''ہر کسی کو اظہار خیال کی آزادی حاصل ہوگی جس کی رو سے اس کو اپنے خیالات اور اپنی ذاتی رائے کو دوسروں تک پہنچانے کا حق حاصل ہوگا۔ یورپی یونین میں شامل کسی ملک کی گورنمنٹ یا پبلک اتھارٹی کو اس حق میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

آرٹیکل (2)10 اظہار خیال کی یہ آزادی ان تمام شرائط ضوابط اور قانون کی پابند ہوگی جو ایک جمہوری سوسائٹی میں ملکی، قومی اور سرحدی تحفظ کیلئے اور پبلک مفاد میں ضروری ہوں یا ایسی پابندی جو بدنظمی، جرائم، غیر اخلاقی چیزوں کو روکنے کے لئے لگائی جائے اور ایسی پابندی بھی جو دوسرے شہریوں کی شہرت اور حقوق کی حفاظت اور ہیئت مقتدرہ کو برقرار رکھنے یا عدالیہ کی غیر جانبداری کے تحفظ کیلئے عائد کی جائے جائز اور درست ہوگی۔''

حقوق انسانی کی یورپی عدالت کے سامنے مملکت برطانیہ کی جانب سے برٹش گورنمنٹ پیش ہوئی۔ برٹش گورنمنٹ نے برطانیہ کی آخری عدالت دارالامرا (House of Lords) کے فیصلہ کی حمایت کرتے ہوئے عدالت کو بتلایا کہ کامن لاء (آئین برطانیہ)، ملک کے قانون اور بلاس فیمی لاء کی رو سے گورنمنٹ کو مدعی کی ویڈیو فلم کی بندش کا اختیار حاصل ہے۔ جو اس نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ قانون کے مطابق استعمال کیا ہے اور یہ اختیارات یورپی کنونشن کے آرٹیکل (2)10 سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ اب عدالت کے سامنے حسب ذیل امور تصفیہ طلب تھے۔

(1) کیا برطانیہ کی گورنمنٹ یا اتھارٹی کا بلاس فیمی لاء کے تحت متنازعہ فلم کی نمائش اور اس کی فروخت کو اجازت دینے سے انکار کا فیصلہ درست اور جائز ہے؟ عدالت کے سامنے درخواست گزار کا موقف تھا کہ کس قسم کی اشاعت یا نمائش پر بلاس فیمی لاء کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے برٹش فلم بورڈ کی اتھارٹی کے لئے عملی طور پر یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی قیاسی مفروضہ کے نتائج کی پیش بینی کر سکے۔ مدعی کا استدلال یہ بھی تھا کہ اس کی ویڈیو فلم کی نمائش یا فروخت پر پابندی عیسائی شہریوں کے حقوق میں دراندازی کا مفروضہ غلط ہے اور نہ ایسی پابندی کے لئے آرٹیکل 10 میں مندرجہ ایسی کوئی ''سوشل ضرورت'' پیدا ہوئی ہے۔

فاضل عدالت نے متنازعہ فلم طلب کر کے اس کو دیکھا۔ کیس کے ریکارڈ فریقین کی شہادت کے ملاحظہ کے بعد دونوں کے دلائل سنے اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ فریق مقدمہ مسٹر ونگرو کو حکومت کے خلاف نظر ثانی (Judicial Review) کرنا چاہیے تھا لیکن کنونشن کے آرٹیکل

10 کی روشنی میں یہ عدالت اس امر کا جائزہ لینا ضروری سمجھتی ہے کہ کیا بلاس فیمی لاء کے تحت برطانیہ کی موجودہ حکومت کو مدعی کی متنازعہ ویڈیو فلم کے ذریعہ اظہار خیال کی آزادی میں مداخلت ایک ''ناگزیر سوشل ضرورت'' تھی۔

عدالت کی رائے میں مدعی کا یہ اعتراض درست نہیں کہ بلاس فیمی لاء بنیادی طور پر جائز قانون نہیں۔ یہ درست اس لئے نہیں کہ یہ قانون یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہے۔ بلاس فیمی لاء سے متعلق کچھ ملکوں کے بارے ہمارے فیصلوں کے فریق ثانی برٹش گورنمنٹ نے حوالے پیش کیے ہیں جن میں بلاس فیمی لاء کا وہاں کے حالات کے پیش نظر استعمال کرنا درست قرار دیا گیا ہے۔ ''قومی قانون'' سے برٹش گورنمنٹ کی مراد برطانیہ کا کامن لاء (آئین) اور پارلیمنٹ کا منظور شدہ قانون بھی ہے۔ اس لیے بلاس فیمی لاء دستوری اور پارلیمانی قانون (Statutory Law) بھی ہے۔ عدالت نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ کیا بلاس فیمی لاء کے استعمال سے اس رویہ اور ان رجحانات کو روکنا ہے جن سے عیسائیوں کی مقدس ہستیوں اور ان کے شعائر کی توہین ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری توجہ ایک ایسے ہی آسٹریا کے مقدمہ کی جانب مبذول کرائی گئی جس میں مملکت کے اس استحقاق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہبی ہستیوں اور مقدس شعائر کی توہین پر بلاس فیمی لاء کے تحت ریاست کی مداخلت کے لئے عدلیہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ عدالت نے اس بارے میں بھی غور کیا ہے کہ برطانیہ کی حکومت کو ایسی کیا ناگزیر ''سوشل ضرورت'' درپیش تھی جس کیلئے بلاس فیمی لاء کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہوئی۔ مدعی کی اس بات میں وزن نہیں ہے کہ اس فلم کو دیکھ کر عیسائی عقیدے کے لوگوں کے جذبات مشتعل ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ نہ اس میں جناب مسیحؑ کے بارے میں کوئی ناشائستہ بات موجود ہے۔ لیکن منظر یہ دکھلایا گیا ہے کہ مسیحؑ کے شبیہ کے سامنے سینٹ ٹریسا دوران رقص اپنی ہم زاد روح کے ساتھ جنسی میل ملاپ میں مشغول ہے۔ یہ جناب مسیحؑ سے عقیدت و محبت کا اظہار نہیں بلکہ اس سے جنسی محرکات میں ہیجان انگیزی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک طرح سے ہم جنس پرستی (Lesbianism) کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش ہے جس سے جناب مسیحؑ کا تقدس اور عیسائیوں کی ایک پاکباز شخصیت کا روحانی پہلو مجروح ہوتا ہے اور اس ویڈیو فلم سے عیسائیوں کے جذبات مشتعل ہونے کے قرائین موجود ہیں۔ ہم درخواست گزار کی اس بات سے بھی اتفاق نہیں کر سکتے کہ ویڈیو فلم عام پبلک کی نمائش کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ خواہش مند حضرات کا محدود طبقہ اسے خرید کر دیکھ سکے گا۔

یہ بات اس لئے درست نہیں کہ ویڈیو فلم ایک بار مارکیٹ میں آجائے تو وہ پبلک پراپرٹی بن جاتی ہے جس کو پبلک میں نمائش سے روکا نہیں جا سکتا جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ بلاس فیمی لاء (قانون توہین مسیح) صرف ملک کے عیسائی طبقہ کی حد تک محدود ہے مگر برطانیہ کے مسلمان شہریوں کے مذہب کی توہین پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے غیر اکثریتی شہریوں کو قانون کے یکساں حقوق حاصل نہیں جو یورپی کنونشن (آئین) سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس بارے میں یہ عدالت کوئی فیصلہ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس کے سامنے یہ معاملہ فیصلہ طلب نہیں ہے اور نہ سینٹ ٹریسا کی ویڈیو فلم جیسے تمام واقعات اور حقائق موجود ہیں علاوہ ازیں عدالت تجریدی (Abstract) یا اکیڈمی مباحث سے متعلق کیس پر غور نہیں کر سکتی۔

فاضل عدالت نے حقوق انسانی کی روشنی میں بلاس فیمی لاء کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ فریقین کی شہادت اور متنازعہ فلم کے تمام مناظر اور اسکے مجموعی تاثر پر غور کیا۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد 25 نومبر سال 1996ء اپنا مفصل فیصلہ سنا دیا جس کی رو سے فلم ساز ڈائریکٹر مسٹر ونگرو کی اپیل خارج کر دی گئی اور برطانیہ کے بلاس فیمی لاء کو جائز اور درست قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ قانون یورپی یونین کے کنونشن (آئین) کے منافی نہیں اور مملکت کی ''سوشل ضرورت'' کے لئے ناگزیر تھا۔ یورپی بین الاقوامی حقوق انسانی کا یہ فیصلہ یونین کے تمام رکن ملکوں کے لئے قانونی نظیر بن گیا ہے۔ (12)

اس کیس میں سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے توہین رسالت کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا جسے خارج از بحث قرار دیا گیا جو مسلمان ملکوں کے لئے لائق توجہ ہے۔ یہ فیصلہ سیکولر ذہن اور ہمارے روشن خیال دوستوں کے لئے بھی فکر انگیز ہے کہ یورپ اپنی ساری مادی ترقی کے باوجود مذہب کے معاملے میں کتنا قدامت پسند ہے۔

موکس توہین مسیح کیس۔ امریکن سپریم کورٹ کا فیصلہ

بمقدمہ: اسٹیٹ بنام موکس

یوں تو امریکی ریاست کے بلاس فیمی لا اور برطانیہ کے قانون توہین مسیحؑ میں کچھ زیادہ فرق نہیں لیکن قانونی نقطۂ نظر سے امریکی قانون میں بلاس فیمی وسیع تر معنی میں استعمال ہوا ہے اس لئے اسے یہاں درج کیا جا رہا ہے:

بلاس فیمی

جارحانہ طریقہ سے عیسائی مذہب پر حملہ یا اہانت مسیحؑ یا مقدس صحیفوں کا تمسخر بلاس فیمی کی تعریف میں آتا ہے۔ تحریری یا تقریری اہانت بلاس فیمی ہے۔ قانون میں جن باتوں یا مواد کو توہین مسیحؑ بتلایا گیا ہے ان میں سے کسی ایک چیز کا ارتکاب اہانت مسیحؑ یا بلاس فیمی کی زد میں آئے گا۔

امریکی اعلیٰ عدلیہ کے فیصلے

بلاس فیمی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کہیں کوئی منظور شدہ قانون (Statutory Law) موجود نہ بھی ہو تو توہین آمیز الفاظ خواہ وہ تحریری ہوں یا تقریری وہاں بھی بلاس فیمی قانون لاگو ہو گا۔ ملاحظہ ہو (20 PICK 206)۔ یو۔ ایس ویڈل کیس کے فیصلہ میں صاف طور پر یہ قرار دیا گیا ہے کہ عیسائیت ریاست کے کامن لا کا جزو لاینفک ہے اور اس کی بنیاد الہامی ہے اس لئے اس کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (13)

وضاحت

لیکن جہاں تک دوسرے مذاہب کا تعلق ہے ان کی اہانت اور تحقیر قابلِ مواخذہ جرم نہیں ملاحظہ ہو۔

''آزادئ صحافت: آزادئ پریس اور مذہبی رواداری اور آزادی ضمیر کی ہمارے آئین میں ضمانت دی گئی ہے لیکن یہ سب کچھ اس قانون سازی کی راہ میں رکاوٹ نہیں جہاں ایسے الفاظ کا استعمال ہو جو عیسائی مذہب یا جناب مسیحؑ کے بارے میں فحش اور ناشائستہ ہوں'' (14)

امریکہ کی سیکولر ریاستوں میں بھی قانون توہین مسیحؑ کو آئین کے منافی قرار نہیں دیا گیا جیسا کہ اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے بڑے دوررس فیصلے کئے ہیں جو ملک عزیز پاکستان کے معروضی حالات میں نہایت اہم ہیں۔

یہاں ہم موکس بنام اسٹیٹ کے معرکتہ الآرا فیصلہ (State Vs. Mokas) کا ضروری

اقتباس پیش کریں گے، جس میں آزادئ مذہب اور آزادئ پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے فاضل سپریم کورٹ امریکہ نے توہین مسیحؑ کے بارے میں جو متفقہ فیصلہ دیا ہے، اس کی تلخیص حسب ذیل ہے۔

''اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور سٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں لیکن اسلام، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں پیروان مسیحؑ کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر ورسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی غالب اکثریت کا مذہب ہے''۔

فاضل عدالت نے اپنے فیصلہ میں تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے ''اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب وتمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرز حکومت کی تشکیل میں دین ومذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے جو وہاں کی غالب اکثریت کے دینی شعائر سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے''۔

فاضل عدالت نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے ''صدر امریکہ کی تقریب حلف وفاداری، اس کے علاوہ کانگریس اور مقننہ کی افتتاحی تقاریب اور عدالتوں کی کارروائی کا آغاز انجیل مقدس پر حلف سے ہوتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مملکت کے تکون یعنی عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کا بھی مذہب سے یک گونہ بالواسطہ تعلق ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے حتمی طور پر یہ قرار دیا ہے کہ آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق، توہین مسیحؑ کے قانون اور اس کی بابت قانون سازی کی راہ میں قطعاً مزاحم نہیں ہیں۔ (15)

امریکہ کی سپریم کورٹ کے اس معرکۃ الآرا اور تاریخی فیصلہ کا حوالہ ہم نے اپنی سپریم کورٹ کے تاریخ ساز فیصلہ ظہیر الدین والی اپیل میں آزادی مذہب اور بنیادی حقوق کے ایشو پر دوران بحث دیا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں فیصلہ کے اصل متن کا متعلقہ حصہ ضمیمہ نمبر 2 (Appendix) میں شامل ہے۔

بلاس فیمی لا کی تشریح (از مصنف)

یورپ کے قانون داں بلاس فیمی کے قانون کی توجیہہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اس قانون کا محرک بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب پر حملہ دراصل ریاست پر حملہ کے مترادف ہے۔ ان کی

رائے میں اسی وجہ سے اکثر سیکولر ریاستوں میں بھی بلاس فیمی کو قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا۔ وہاں بعض ریاستوں میں سزائے موت کا قانون موقوف ہو گیا تھا۔ وہاں پر اب دوبارہ سزائے موت کے قانون کے لئے امریکن کانگریس اور برطانیہ کی پارلیمنٹ میں سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے کہ اسے دوبارہ نافذ کیا جائے کیونکہ وہاں جان اور مال کی سلامتی کی صورتحال انتہائی خراب ہوتی جا رہی ہے۔

مقننین (Jurists) کی اسلامی قانون توہینِ رسالت کے لئے اس منطقی توجیہ اور امریکہ کی سپریم کورٹ کے ان ناقابل تردید دلائل کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مملکت خداداد پاکستان، جسے غلامان محمد عربی ﷺ نے علیحدہ قومیت کی بنیاد پر حاصل کیا تھا، جہاں ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہے، جہاں پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ شرع محمدی کے خلاف کوئی قانون سازی کرے، نہ ہی عدلیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرے اور نہ ہی انتظامیہ کو شرع پیغمبر سے سرمو اختلاف کی جسارت ہو سکتی ہے، تو ایسے میں کیا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان میں ہر کسی کو یہ کھلی اجازت دی جائے کہ وہ مسلمانوں کے آقا و مولا سرکار ختمی مرتبت ﷺ، جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی جان و مال اور ہر چیز قربان کرنے کو حاصل حیات سمجھتا ہے ان کی شان میں گستاخی کرے اور قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔ تاریخ کی یہ ایک معروضی حقیقت ہے کہ ماضی میں برطانیہ، امریکہ، روس اور یورپ کے کسی ملک میں بھی جب تک چرچ اور اسٹیٹ، دین اور ریاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ان سارے ملکوں میں چرچ کو مملکت پر برتری حاصل تھی اور وہاں یسوع مسیحؑ کی پرستش ہوتی رہی اور اس کے در پردہ کلیسا کو ملک کے سیاہ و سفید پر مکمل اقتدار حاصل تھا۔ جس نے نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر انسانیت پر لرزہ خیز مظالم کیے، جس کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں چرچ اور مملکت، دین اور سیاست کی تفریق عمل میں آئی۔ اس لئے ان ملکوں نے سیکولر یعنی لادینی طرز حکومت کو اپنا لیا۔ اس کے باوجود ذوق پرستش ختم نہ ہو سکا اور اس نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ اب یسوع مسیحؑ کی بجائے ریاست کو فیٹش (Fetish) یعنی پوجمان شے بنا لیا گیا اس لئے دنیا میں جہاں جہاں بھی سیکولر حکومتیں قائم ہوئیں، وہاں ریاست کی مخالفت کو سنگین جرم بغاوت اور غداری قرار دیا گیا۔ آج دنیا کے تمام ملکوں میں خواہ وہ سیکولر ہوں یا غیر سیکولر جرم بغاوت کا قانون موجود ہے، جس کی سزا، سزائے موت مقرر ہے۔ جو لوگ اس جرم کے الزام میں ماخوذ ہوں، انہیں گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ امریکہ جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں بھی انہیں گیس

چیمبرز، الیکٹرک چیئر میں بٹھا کر اذیت ناک طریقہ سے مار دیا جاتا رہا ہے اور جس ملک میں اس جرم کی سزا، عمر قید ہے، وہاں ایسے ملزموں کو عقوبت خانوں میں تڑپ تڑپ کر مرنے کیلئے بند کر دیا جاتا ہے، مگر اس قانون کے خلاف آج تک کسی نے لب کشائی نہیں کی۔ تو پھر کیا پاکستان ہی میں، جو اس محسن انسانیت کی نسبتِ غلامی کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور جن کا نام نامی ہی اس ملک کے قیام اور بقا کا ضامن ہے، ان کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف قانون توہین رسالت قابل اعتراض قانون ہے؟ قانون توہین رسالت پر اعتراض دراصل دین و مذہب بلکہ خود اپنی عقل و دانش اور فہم و فراست سے یکسر انکار ہے اور اسلامی ریاست پاکستان سے بغاوت ہے۔

کتابیات باب چہارم

Ref.No.	Reference Book
1.	The New Encylopaedia Britanica Vol.II p.74.
2.	The New Encylopaedia Britanica Vol.II p.75.
3.	Seeratur Rasul Ibne Hisham, The Prophets Last Sermon PPA Ltd Lahore.
4.	American War on Human Rights by David Rose, Faber & Faber, 3-Queen's Square, London.
5.	Gurantanao's Hell Hole Daily Dawn, 17.5.2005.
6.	Impact International London, December 2003.
7.	Blackstone Criminal Practice 1995, Chapter-23, p.635
8.	Whiteman Vs. Lemon AC-617.
9.	Chief Metropolitan Stipenderay Magistrate Case (1990) 3WR-986.
10.	Blackstone's Cr. Practice 1995 P653-1979 (AC-617).
11.	Report of Commission for Racial Equality London. Reference: Secular Threat to Pakistan by Tarik Jan published by Institute of Pakistan Studies Page 117.
12.	Judgement of Nigel Wingrove Vs. United Kingdom dated 25 November 1996 of European Court of Human Rights.
13.	20 PICK 206.
14.	8CJ-P-1135.
15.	State Vs. Mockus 14-ALR-871. Corpus Juris Secundum Vol. XI p.359.

باب پنجم

مسلم اسپین میں قانون توہین رسالت اور حقوق انسانی

قانون توہین رسالت کے سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، وہاں شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دینے کا قانون ملک کے عام قانون (Common Law) کے طور پر نافذ رہا ہے۔ چنانچہ حجاز، شام، عراق، مصر، سوڈان، مراکش، سپین، ترکی، سمرقند، بخارا، ایران، افغانستان اور ہندوستان میں بھی جب تک اسلامی قانون نافذ رہا ہے، شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دی جاتی رہی۔ کسی فقہی مسلک یا مذہب اور گروہ یا جماعت نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور مسلمہ طور پر یہ مذہب جمہور چلا آ رہا ہے۔ دیگر مذاہب و ادیان کے پیروان نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی کیونکہ قرآن اور اسلام کی تعلیمات تو یہ رہی ہیں کہ تمام انبیاء اور پیغمبران مذاہب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، البتہ فضیلت اور اتمام نعمت کا معاملہ اور ہے۔

لانُفرّق بين احد من رُسُلِه (البقرہ:285)

ترجمہ: ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔

اسلام تو اپنے پیروان مذہب کو اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ وہ دیگر مذاہب و ادیان کے معبودوں تک کو، جو اسلامی عقیدے کے مطابق معبود حقیقی نہیں، برا بھلا نہ کہیں تا کہ انہیں خدائے بزرگ و برتر اور پیغمبر برحق ﷺ کی شان میں گستاخی کا موقع نہ مل سکے۔ اس کے باوجود اگر کوئی بد بخت پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام یا کسی اور مذہب کے فرستادہ پیغمبر کی توہین اور تنقیص کرتا ہے تو اسلام نے اس کے لئے جائز طور پر سزائے موت تجویز کی ہے۔

مسلمان ملکوں میں ہم مسلم اسپین کی حکومت وہاں کا معاشرہ اور اسلامی قانون توہین رسالت کا تذکرہ یورپ کے تاریخی پس منظر میں ضروری سمجھتے ہیں تا کہ توہین مسیحؑ کے قانون کے برعکس وہاں اسلام کے قانون کی عمل داری کا صحیح طور پر ادراک ہو سکے۔

اسپین میں مسلمانوں کا دور حکومت اور ناموسِ رسالت

مسلمان جب عرب اور افریقہ سے ہوتے ہوئے آٹھویں صدی عیسوی میں اسپین پہنچے تو اس وقت سارا یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ علم، تہذیب، تمدن، ثقافت کا کہیں نام و نشان تک موجود نہ تھا۔ شہنشاہیت یا بادشاہتیں تھیں جن کی حکمرانی میں کلیسا اور پوپ حصہ دار تھے۔ جہاں

بادشاہ کمزور تھے وہاں کلیسا برسر اقتدار تھے جن کا مذہب صرف نام تھا مذہبی رسوم اور توہمات کا جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ہم یہاں مسلمان مورخین کا حوالہ نہیں دیں گے کہ معترضین کو ان بیانات کے معاملہ میں مبالغہ آمیزی کا شبہ ہوسکتا ہے حالانکہ وہ اس بارے میں بڑے محتاط رہے ہیں۔ اس لئے ہم یورپ ہی کے غیر مسلم مورخین اور وہاں کی سربرآوردہ شخصیتوں کی زبانی وہ واقعات بیان کریں گے جن سے حقائق کی روشنی تک پہنچنے کا سراغ مل سکے۔ لین پول کا اپنی تحقیقات کے علاوہ اپنے پیش رو مورخ ڈوزی کے حوالہ سے اسپین اور یورپ کے بارے میں بیان نہایت اہم ہے۔

اسپین میں مسلمانوں کا 8 سو سالہ دور حکومت اور اسلامی سوسائٹی

ہسپانیہ یا اسپین مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں انسانیت کا ایک ایسا روشن مینار بن گیا تھا جس کی بدولت یورپ علم و ہنر، فلسفہ، سائنس، طبیعات، تاریخیت، قانون اور قانون کی حکمرانی اور حقوق انسانی کے علمی اور ان کے روشن عملی پہلو سے پہلی مرتبہ روشناس ہوا، ورنہ وہاں کے چند چرچ نشین پادری بھی صرف بائبل کی ابجد تک کچھ کچھ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ایسے میں اسپین میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہی دنیا کا ایک حیرت انگیز انقلاب برپا ہوا۔ اسپین میں درس گاہیں، یونیورسٹیاں اور کالج کھل گئے جہاں علم کی پیاس بجھانے کے لئے مشرق کے علاوہ یورپ کے تمام بڑے بڑے ملکوں سے جن میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ سے لوگ کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ جہاں ہوسٹلز میں قیام و طعام کا سارا اہتمام حکومت کی ذمہ داری تھا۔

راجر بیکن (94-1214) برطانیہ کا معروف فلسفی، جس نے مشاہداتی سائنس پر نہایت اہم ریسرچ کی ہے، اُس نے یورپ میں طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اسپین کے نصاب تعلیم کو رائج کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ وہ طلبہ کو مشورہ دیتا تھا کہ وہ طلب علم کے لئے اسپین جائیں۔(1)

پرنس چارلس کا اعتراف: موجودہ دور میں

ماہ ستمبر 2003ء میں پرنس چارلس نے برطانیہ میں مارک فیلڈ اسلامک فاؤنڈیشن کی اسلامی دانش گاہ کے ریکٹر اور سربراہ برادر مکرم پروفیسر خورشید احمد کی مساعی جمیل کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات میں سائنس اور ریاضی جیسے اہم علوم کے سلسلہ میں مسلمان دانشوروں کی گراں قدر خدمات کو کھلے دل سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے قبل بھی پرنس موصوف نے

27 اکتوبر سال 1993ء کو اوکسفرڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز، کی ایک باوقار علمی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے برملا اعتراف کیا تھا کہ نہ صرف برطانیہ بلکہ سارے یورپ کی تہذیب وتمدن اور موجودہ سارے علوم وفنون مسلم اسپین کے مرہون منت ہیں۔ انہوں نے قرطبہ کو جو اسپین کا دارالحکومت ہوتا تھا یورپ میں علم وحکمت کی عروس البلاد کہا ہے۔ یورپی مورخین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ سلطان عبدالرحمٰن الاوسط کے دور میں اسپین یورپ کا علمی مرکز بن گیا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں جب سلطان عبدالرحمٰن الاوسط برسرِ اقتدار رہا اس وقت اندلس (مسلم اسپین) دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بن گیا اور قرطبہ کو علم وحکمت، تہذیب وتمدن اور ثقافت کے میدان میں جو شہرت اور اوجِ کمال حاصل ہوا وہ بعد میں یورپ کے کسی اور شہر کو نصیب نہ ہوا۔ آرٹ، فلسفہ، لٹریچر کے علاوہ میڈیکل سائنس کو دیکھا جائے تو لیڈی ڈاکٹرز کی ٹیم بھی خواتین کے علاج معالجہ کے لئے ہمہ وقت موجود رہتی تھی ابوالقاسم الزاہروی (م 1013ء) جو یورپین سرجری کا بانی ہے۔ اس کی سرجری کی کتابیں عربی سے ترجمہ ہو کر اٹھارہویں صدی میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پہنچی تھیں۔(2)

صرف شہر قرطبہ میں 50 ہزار سرکاری اہلکاروں کی یکساں عمدہ رہائش گاہیں، عام شہریوں کے لئے ایک لاکھ 30 ہزار صاف کشادہ مکانات، 900 تعلیمی ادارے جن میں کالج اور یونیورسٹیاں شامل تھیں۔ 8055 کمرشل بلڈنگیں 37 بڑی بڑی لائبریریاں، جن میں تمام علوم و فنون کی کتابیں دنیا بھر سے لا کر جمع کر دی گئی تھیں۔ 600 ریسٹ ہاؤس، 900 پاک وصاف حمام، 700 عالیشان مساجد، جن کے ساتھ علمی درس گاہیں بھی ملحق تھیں۔ شہر میں پختہ سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت، سبزہ زاروں میں فواروں سے قوسِ قزح کا خوش رنگ پانی ہر وقت دائروں کی شکل میں گردش کرتا رہتا تھا۔ صبح گلبانگ اذان کے ساتھ عطر بیز نسیم سحر کو لئے ہوئے آتی۔ شام گیسوئے مشکبار کا استقبال کرتی۔ رات بھر روشنی کا سیل رنگ ونور بلند وبالا مسجدوں کے میناروں اور جھروکوں سے چھن چھن کر شہر کو جگمگاتا رہتا تھا۔(3)

اسلامی تہذیب وطہارت

مسلمانوں کی نظر میں دو چیزیں ہمیشہ محبوب اور پسندیدہ رہی ہیں جن سے ہمیشہ ان کا ذہنی اور قلبی تعلق رہا ہے۔ ایک تو مسجد اور دوسرے طہارت اور پاکیزگی، مسجد کی تعمیر تو خود ان کے پیغمبر سرور عالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی اور بتلایا تھا کہ وہ خانۂ خدا اور دخترِ کعبہ ہے۔

جس میں وہ بغیر طہارت کے داخل ہی نہیں ہو سکتے طہارت اور وضو کے بغیر وہ انفرادی یا اجتماعی عبادت بھی نہیں کر سکتے۔ یہ دونوں چیزیں ان کے مذہب میں لازم وملزوم ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیت میں اہل کلیسا نے صفائی اور پاکیزگی کو نجس اور انتہائی مکروہ قرار دیا ہے۔ لین پول کے بیان کے مطابق ایک خاتون نن نہایت فخر کے ساتھ کہتی تھی کہ اس نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں اپنے جسم کے کسی حصہ کو پانی سے گناہ آلود نہیں کیا۔(4)

اسی کی تائید میں ہٹی کہتا ہے کہ اوکسفرڈ اور پیرس یونیورسٹی کے اسکالرز جو گرد وغبار آلود کچی تنگ اور تاریک گلیوں سے گذر کر اپنی درس گاہوں کو پہنچتے تھے ان کے خیال میں بھی صفائی اور طہارت ناپسندیدہ اور جہالت کی نشانی تھے۔(5)

اس لئے فلپ دوم نے مسلمان حکمرانوں کی عاقبت نااندیشیوں سے 8 سو سال بعد جب اسپین پر قبضہ کر لیا تو سب سے پہلے اس نے وہاں کے تمام حمام اور غسل خانوں کو مسمار کرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ دشمن مسلمانوں کی دینی یادگار ہیں۔(6)

مسجد قرطبہ۔ اسلامی ذوق تعمیر کا شاہکار

مجسمہ سازی مسلمانوں کے مذہب میں حرام ہے۔ اس لئے ان کی ساری توجہ حسنِ تعمیر پر مرکوز رہی ہے جہاں بھی وہ جاتے سب سے پہلے طہارت خانے اور حمام (Baths) تعمیر کرتے اور ساتھ ہی مسجد کی بھی تعمیر شروع کر دیتے جس میں ان کے آرٹ اور فن کی نمود ہوتی۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن الداخل نے سال 784ء میں قرطبہ کی عظیم الشان مسجد کی تعمیر شروع کی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ تعمیر عبدالرحمٰن سوم اور اس کے جانشین الحاکم کے دور میں جا کر سال 798ء پایہ تکمیل کو پہنچا۔ لین پول کے مطابق مسجد اور اس سے ملحقہ اراضی کا طول وعرض کم از کم 10 مربع میل کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ جس میں صاف اور شفاف چشمے اپنی آب وتاب دکھلاتے۔ اس کی تعمیر اور تزئین میں مسلمان حکمرانوں نے اسلامی آرٹ اور فن کو اوج کمال پر پہنچا دیا تھا۔(7)

اس کے بلند وبالا مینار، اس کے زرد جواہر سے مرصع خوبصورت ستونوں کے دریچوں سے آتی ہوئی شعاعیں مسجد کے حسن کو اور بھی چمکاتیں۔ اس کے در وبام سے وادیٔ ایمن کا نور برستا دکھائی دیتا۔ اس کا بلند مینار اسلام کی توحید ویکتائی اور اس کی عظمت وسطوت کا نشان ابھی تک بنا ہوا ہے۔

تاج محل کا شمار عجائباتِ حسن میں ہوتا ہے۔ اس میں بھی اسلامی طرز تعمیر نظر آتا ہے لیکن وہ ایک شہنشاہ کی اپنی محبوب سے محبت کی ذاتی یادگار ہے لیکن مسجدِ قرطبہ اپنے اندر کائناتی حسن لئے

ہوئے ہے۔اس کے چپہ چپہ پر اسلام کی تاریخ رقم ہے۔وہ مسلمانوں کے ایمانی ذوق وشوق کا مظہر ہے۔اسلام کے تمدنی اور حیاتِ انسانی کے اعلیٰ اجتماعی اقدار سے پیوستہ ہو کر وہ دنیا کے لئے معجزۂ فن بن گئی ہے۔اس لئے وہ حسین بھی ہے اور جمیل بھی۔زمان ومکان کے حدود سے نکل کر اس میں ثباتِ دوام کا نقش جلوہ گر ہو گیا ہے۔علامہ اقبالؒ کی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں وہی حسن وجمال وہی سوز وگداز اور وہی نور وحضور اور سرور موجود ہے جو اسلام کی اس عظیم یادگار کو زمانہ اور تعصب کی چیرہ دستیوں کے باوجود مٹایا نہیں جاسکا۔اس لئے علامہ کی یہ شاہکار نظم بھی حسین ولازوال اور فقید المثال ہے کیونکہ مسجد قرطبہ کی تعمیر اور نظم کی تخلیق میں دونوں معمارانِ حرم نے اپنا خونِ جگر کھپایا ہے۔اس لئے تو اقبالؒ کہتے ہیں ۔

اے حرمِ قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

مسجد قرطبہ کے کائناتی حسن وجمال کی آرائش نے انسانوں کے دلوں سے رنگ ونسل اور بندہ وآقا کے امتیازات ختم کر دیئے تھے۔سلطان اور عمائدین مسجد میں شہریوں کے ساتھ ایک ہی صف میں شامل ہو کر اپنے رب کے حضور سربسجود ہوتے۔انہی اسلامی اقدار کی وجہ سے وہ مملکت اسپین کے تمام شہریوں کو بلاتفریق مذہب وملت انسانی حقوق کا یکساں اور برابر کا حق دار سمجھتے تھے۔تعصب سے بالاتر ہو کر انہوں نے عیسائیوں کو اپنا کاتب (معتمد یا سیکرٹری) مقرر کیا ہوا تھا۔یہودیوں کو بھی جنہیں مشرق ومغرب میں کہیں جائے پناہ نہیں تھی، مسلم اسپین میں مالیات اور اعلیٰ عہدے دیئے گئے تھے۔یہودیوں، عیسائیوں، ان کے فرقوں اور دیگر تمام پیروانِ مذاہب کو ان کے اپنے دین ومذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی تھی۔آزادانہ تجارت کے تمام راستے ان پر کھلے ہوئے تھے اور وہ ان تمام مراعات کے حق دار تھے جو وہاں کے مسلمان شہریوں کو حاصل تھے۔حکمرانوں اور مسلمانوں کے حسن اخلاق وکردار، مساجد کی پاکیزہ روحانی فضاء، مدارس اور دانش گاہوں کے علمی اور تعلیمی ماحول سے متاثر ہو کر اسپین کے مقامی باشندوں نے بڑی تیزی سے اسلام قبول کیا اور کلیسا کی غلامی سے آزاد ہو گئے اور خود اسلام کے بہت بڑے داعی اور مبلغ بن گئے۔لین پول لکھتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے بڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔جامعات اور دیگر حکومتی و

ریاستی اداروں میں اعلیٰ عہدوں اور مناصب پر وہ فائز تھے۔ حاکم شہر اور سلطان کو لغزش یا غلط روش پر برسرِ عام ٹوک دیتے۔

سلطان الحاکم کی رواداری اور علوم وفنون کی سرپرستی

سلطان الحاکم اندلس کے دانش منداور جرأت آزما حکمران کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ اس کے دور میں اس کی لبرل پالیسی کی وجہ سے نومسلم شدت پسندوں نے اس کے خلاف بغاوت کردی۔ جس پر قابو پا لیا گیا۔ باغیوں کا سرغنہ الحاکم کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے بغاوت کی وجہ دریافت کی تو اس نے نہایت خشمگیں لہجہ میں جواب دیا...... ''خدا کے فرمان کی تعمیل میں، میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں''۔ اس پر سلطان نے نہایت متانت سے کہا...... ''تیرے بیان کے مطابق جس خدا کے حکم سے تو مجھ سے نفرت کرتا ہے اسی خدا کے حکم سے میں تجھے معاف کرتا ہوں جا اور خوش رہ خدا تجھے اپنی امان میں رکھے''۔ (8)

یہی وہ امن وآشتی، علم وحکمت اور تدبر کا ماحول اور غیر عرب اسپینی شہریوں کے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ تھا جس کا حقوقِ انسانی سے بھی بلند تر مقام ہے۔ اسی کی بدولت اندلس سے ایسی نابغۂ روزگار شخصیتیں اٹھیں جو سارے عالم پر چھا گئیں۔ ان میں سے چند کا ذکر مسلم سوسائٹی کے حوالے سے مناسب ہوگا۔

اسپین کی تاریخ ساز شخصیتیں

ابن خلدون

شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ کا مصنف جسے یورپ نے تاریخ کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ رابرٹ فلنٹ ممتاز اسکالر کی نظر میں، افلاطون ارسطو اور آگسٹائن بھی فلسفہ تاریخ میں ابن خلدون کے ہم پلہ نہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے مورخ ٹائن بی نے بھی ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کو انسانی دماغ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کارنامہ قرار دیا، جس تک کسی دور میں کسی کی بھی رسائی نہیں ہو سکی۔ اس سے بڑھ کر اس کے مطالعۂ فطرت اور سوسائٹی کے مشاہدات نے ایک نئی سائنس یعنی عمرانیات (sociology) سے دنیا کو روشناس کرایا۔ تاریخیات، معاشیات، ایجوکیشن، سماجی شعور، سیاستِ مدن اور انسان کی اجتماعی نفسیات کے علوم بہ یک وقت اس کی ہمہ گیر شخصیت میں مجتمع ہو گئے تھے۔ وہ سماجیات کی نئی سائنٹیفک تھیوری ''عصبیہ'' کا بھی موجد ہے۔ ان تمام علوم وفنون پر مکمل دسترس کے

باوجود اس کی شخصیت میں ایک مسلسل اضطراب نظر آتا ہے۔ کبھی وہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی الازہر کے شعبہ تعلیم و تعلم کا سربراہ ہے۔ وزارتیں اس کا قدم چومتی ہیں۔ کبھی وہ مصر کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز نظر آتا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میدان کارزار میں وہ ایک بہادر جنرل کی طرح لڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے چنانچہ وہ شاہِ مصر کے ساتھ تیمور کے خلاف محاذِ جنگ پر لڑتا ہوا قید ہو گیا۔ جب تیمور کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ابن خلدون کو اپنے دربار میں طلب کیا اور یہاں پر بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ تیمور جیسا خونخوار جنگجو عالمی فاتح ماضی اور مستقبل کے سب سے بڑے مورخ سے دنیا کے جغرافیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور اسے اپنے دربار میں نہایت عزت اور وقار کے ساتھ جگہ دی۔(9)

ابن خلدون اور اسپین کے مسلمان حکمرانوں کا ذکر ہم نے کچھ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے تا کہ موجودہ دور میں ہنٹنگٹن (Huntington) کی تہذیب و تمدن کے نام پر مذہبی تصادم کو برانگیخت کرنے والی متعصب عیسائی ذہنیت آشکار ہو سکے۔ اور اسلام کی رواداری تعصب اور تصادم سے پاک معاشرہ کی تاریخی حقیقت کا اظہار ہو سکے۔

اس کے علاوہ نامور فلسفی ابن رشد (98-1126ء) جو ارسطو کے فسلفہ و منطق کا سب سے بڑا شارح ہے اور جس کی بدولت یونان کا فلسفہ عربی میں ترجمہ ہو کر یورپ میں کئی زبانوں میں منتقل ہوا، ورنہ دنیا یونان کے فلاسفہ کے افکار سے نا آشنا رہتی۔ اسی دور کی نامور شخصیت محی الدین ابن عربی جو مسلمانوں میں شیخ اکبر کے نام سے مشہور ہیں کائناتی نظریہ وحدت الوجود کے بانی ہیں۔

ابن حزم، ابن رشد اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

ابن حزم جیسی عبقری شخصیت جس کو آج تک اصولِ قانون، منطق، علم الکلام، تاریخ، معاشیات، عمرانیات، شعر و ادب اور مذہبی علوم پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے، جس نے کارل مارکس اور اینجلز سے صدیوں پہلے طبقاتی کشمکش کے ہر پہلو سے بحث کر کے اس کا عملی حل قرآن اور سنت کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ ان کے علاوہ اس دور کی جن ذہین و فطین، تعلیمی اور تمدنی شخصیتوں کا تعلق مسلم اسپین سے رہا۔ ان کی بدولت یورپ اور ساری دنیا نے اکتساب فیض کیا ہے جس کی وجہ سے روحانیات کے ساتھ عقلیت پسندی، فلسفہ و حکمت، اسلامی تہذیب و تمدن کے دور کا آغاز ہوا۔ وہاں کے غیر مسلم اور عیسائی شہریوں کو کلیسا اور پادریوں کے خود ساختہ نام نہاد مذہبی قوانین سے نجات ملی اور اس کے بجائے اسلام کے عادلانہ نظام کی بدولت انہیں خوشحالی، تعلیم و تمدن اور امن و

سلامتی نصیب ہوئی اور وہ خوشدلی کے ساتھ اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ جس کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اسی وجہ سے خود عیسائی معاشرے سے بھی اہل کلیسا کا اقتدار جاتا رہا۔ اس لئے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف آتش انتقام بھڑک اٹھی جس نے انہیں پاگل کر دیا۔ وہ مسلمان حکمرانوں اور ان کے نظام حکومت پر تنقید کرتے اور ان کے خلاف ہرزہ سرائی بھی کرتے لیکن حکومت وقت انہیں نظر انداز کر دیتی تاہم عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کو بخوبی علم تھا کہ مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کو اگر کوئی چیز ناقابل برداشت ہے تو وہ ان کے محبوب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی شانِ اقدس میں گستاخی ہے۔ اس لئے اسپین کے متعصب اور ہوسناک پادریوں کے ایک گروہ نے باقاعدہ منظم سازش کے تحت توہین رسالت کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ جس کا تفصیل کے ساتھ عیسائی مورخین ڈوزی اور سٹین لین پول نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ان مورخین نے اسپین کے مسلمان حکمرانوں کی رواداری، انسانی حقوق کی پاسداری، عدل گستری، قانون کی حکمرانی، اسلامی مساوات، اخلاق و کردار اور ان کے دور میں علوم وفنون، تہذیب وتمدن، فلسفہ اور سائنس کے فروغ کو تسلیم کیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی مذہبی عصبیت کو چھپا نہ سکے۔

اسپین میں تحریک توہین رسالت

عبدالرحمٰن الاوسط اسپین کا روشن دماغ اور رحم دل حکمران تھا۔ جس کے دور میں اسلامی تہذیب وتمدن اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ جس نے عیسائی معاشرہ کو تیزی کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا۔ اس پر متعصب عیسائی پادری سخت برہم اور غضبناک ہو گئے چنانچہ ان کا اسلام دشمن مذہبی پیشوا یولوجیس اپنے دوست الوارو کو لکھتا ہے:

''میرے ہم مذہب عیسائی اب عربوں کی شاعری اور افسانوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ وہ مسلمان فقیہوں اور فلسفیوں کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں۔ اس غرض سے نہیں کہ ان کی تردید کریں بلکہ اس لئے انہیں صحیح اور نفیس عربی لکھنی آ جائے۔ پادریوں کو چھوڑ کر آج کون سا عیسائی ہے، جو کتب مقدسہ کی تفسیریں لاطینی زبان میں مطالعہ کرتا ہو۔ کون سا عیسائی ہے، جو انجیل یا انبیاء اور حواریوں کے حالات پڑھتا ہو۔ افسوس کہ ایسے نوجوان عیسائی، جو ذہانت اور لیاقت میں اونچا درجہ رکھتے ہیں، ان کو سوائے عربی کے کسی اور زبان سے واقفیت نہیں''۔

جونہی عیسائیوں میں مشرقیت بڑھتی گئی، پادریوں کی تشویش میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کے خلاف ان کے نفرت بھرے جذبات بڑھتے گئے۔ امیر عبدالرحمٰن کی رواداری سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اہانتِ رسول کی تحریک شروع کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے:

''اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم آزادی سے انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں، ان کی طبائع کی کج روی سے اس کا عجیب برعکس نتیجہ ظاہر ہوا۔ اندلس کے پادری، کلیساؤں کے سربراہ سابقہ اقتدار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے، لیکن اسلامی حکومت کی اس روادارانہ روش سے ان کو عیسائیوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا موقع نہ مل سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے چند غالی مسیحیوں میں یہ خیالات پیدا کئے کہ مذہب کی اصل روح تکلیفیں اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے حکمرانوں کو مشتعل کر کے اپنے انسانی جسم اور گوشت پوست کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ وتقدیس ہو سکے۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک راہب یولوجیکس تھا۔ وہ مجاہدے کی راہبانہ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے چند نوجوانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کیا کہ اپنی روح کو پاک کرنے کیلئے دین اسلام اور اس کے داعی (علیہ الصلوۃ والسلام) پر دشنام طرازی کریں۔ اسلامی قانون کی رو سے اسلامی حکومت میں شاتم رسول کی سزا موت ہے۔ اس طرح یہ نوجوان حضرت مسیح علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے صلیب پر چڑھ جائیں''۔

''امیر عبدالرحمٰن کے عہد کے آخری ایام عیسائیوں پر (ان کی ناپاک جسارت کے سبب) برے گذرے۔ عیسائی مذہبی دیوانے، بے ہودہ شہرت اور مفروضہ قربانی کی خاطر مسجدوں کو ناپاک بنا دیتے اور نبی اکرم ﷺ کی شان عالی میں بے ہودہ باتیں کہتے۔ سختی سے کام لیا گیا اور نرمی سے بھی لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا''

''توہینِ رسول کی یہ تحریک امیر عبدالرحمٰن الاوسط کے دور میں شروع ہوئی اور اس کے فرزند امیر محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں اپنے انجام کو پہنچی۔ دونوں باپ بیٹوں نے توہین رسول کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے شرعی قانون کے مطابق سزائے موت کا فرمان جاری کیا تھا۔ یہ تحریک 236 ہجری (850ء) میں شروع ہوئی اور 246 ہجری (860ء) میں ختم ہوئی''۔

سٹینلے لین پول کے بقول 851ء کے موسم گرما کے دو مہینے سے کم عرصے میں گیارہ گستاخوں کو موت کی سزا دی گئی۔ ہیرلڈ لیور مور تعداد بتائے بغیر بہت سے عیسائیوں کے قتل کئے جانے کا ذکر کرتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں 53 افراد کے شاتمت رسول کی پاداش میں قتل کئے جانے کا

تذکرہ ملتا ہے۔ این میری شمل بھی عیسائی گستاخوں کی دانستہ طور پر پیغمبر اسلام علیہ السلام کی بے ادبی کرنے کی سزا میں قتل ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اب ان بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے جھوٹی شہرت کے لئے اپنی دنیا اور آخرت برباد کر لی۔

یولوجیس۔ایک عاشق مزاج پادری

اندلس میں چلائی جلانے والی تحریک توہین رسول کا بانی پادری یولوجیس تھا۔ وہ قرطبی خاندان کا آدمی تھا۔ یہ خاندان جس قدر عیسائی مذہب سے شغف رکھتا تھا، اسی قدر اسلام سے عداوت رکھنے میں مشہور تھا۔ یولوجیس کا دادا (اس کا نام بھی یولوجیس ہی تھا) جس وقت مسجد کے مینار سے موذن کی آواز سنتا تھا، تو اپنے جسم پر نشان صلیب بناتا تھا اور داؤد نبی کا زبور گانے لگتا تھا ......" اے خدا! چپ نہ ہو جا۔ اے خدا! چین نہ لے، کیونکہ دیکھ تیرے دشمن اودھم مچاتے ہیں اور ان لوگوں نے جو تجھ سے کینہ رکھتے ہیں، سر اٹھایا ہے"۔ یولوجیس کی تعلیم شروع ہی سے اس غرض سے ہوئی تھی کہ وہ پادری بنے۔

خانقاہ سینٹ زولوس کے پادریوں کی شاگردی میں اس نے رات دن اس قدر محنت کی کہ اپنے ہم مکتبوں ہی سے نہیں بلکہ استادوں سے بھی (مسلم دشمنی میں) بڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ پوشیدہ طور پر قرطبہ کے مشہور و معروف مسیحی علماء بالخصوص رئیس راہبان اسپرا کے درس میں شریک ہونے لگا، جو انتہائی متعصب اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے یولوجیس پر اپنا اثر دکھایا اور اسی رئیس راہبان نے اس کے دل میں اسلام کی طرف سے وہ عداوت پیدا کر دی جو بعد میں یولوجیس کی طبیعت کا خاصا ہو گئی۔

یولوجیس شروع میں سینٹ زولوس کے گرجا میں شماس کے عہدے پر مقرر رہا، پھر وہاں کا پادری ہو گیا۔ عیسائی اس کی نیکیوں کی تعریف کرنے لگے۔ یہ بدبخت جہاں پیغمبر اسلام علیہ السلام سے عداوت رکھتا وہاں جب بھی کوئی مہوش اور پری جمال چہرہ دیکھتا، اس کی زلف پر پیچ کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے کئی موقعوں پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یولوجیس دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ لکھتا ہے "راہبات کی خانقاہوں کا جا کر معائنہ کرنے میں اس کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا"۔ ایک اور مقام پر لکھتا ہے "باوجود اس سخت اور افسردہ زندگی کے، عشق مجازی کا ایک تیر اس کے دل میں پیوست ہو گیا"۔

قرطبہ کے اسی پادری نے 850ء میں سرعام پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی گستاخی اور بے ادبی کرنے کی تحریک کا آغاز کیا۔ یہ امیر عبدالرحمٰن کا دور حکومت تھا۔ یولوجیس نے لاطینی زبان میں کسی عیسائی کی لکھی ہوئی پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کی کتاب کا مطالعہ کیا، جس میں معجزات مصطفیٰ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس سے اس کے دل میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف نفرت میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات رسول اکرم ﷺ پر سب وشتم کرنے کی سزا میں کوڑے کھانے والی فلورا سے ہوگئی۔ پہلی ملاقات ہی میں اس نے یولوجیس کو اپنے دام محبت میں اسیر کرلیا۔ ایک خط میں پہلی ملاقات اور کوڑوں کے زخموں کا ذکر کرتے ہوئے یولوجیس اپنی محبوبہ فلورا کو لکھتا ہے:

''ایک زمانہ تھا کہ تم نے اپنی مجروح گردن، جس پر تازیانے کے نشان تھے، مجھے دکھانے کی عزت بخشی۔ افسوس اس وقت وہ خوبصورت لمبے لمبے بال، جن میں حسین گردن چھپی رہتی تھی، موجود نہ تھے۔ نرمی سے میں نے اپنا ہاتھ تمہارے زخموں پر رکھا۔ اے کاش مجھ کو یہ مسرت نصیب ہوتی کہ ایک بوسے سے ان زخموں کو اچھا کردیتا۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ جس وقت تم سے رخصت ہوا تو زمین پر میرے قدم اس طرح پڑتے تھے جیسے کوئی خواب میں چلتا ہو اور میری آہوں کا یہ حال تھا کہ بند ہونا نہ جانتی تھیں''۔

یہ ہے اس رسوائے زمانہ شخص کا ذاتی کردار، جو خلاصہ موجودات اور دیباچہ کائنات علیہ ﷺ جیسی ہستی کے متعلق نازیبا باتیں گھڑتا اور عیسائیوں کو ان کی توہین وتضحیک پر اکساتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے تحریک شاتمِ رسول کے سرگرم ارکان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ ان میں یولوجیس بھی تھا۔ جب فلورا کو بھی زنداں میں ڈالا گیا تو یہاں بچھڑے دلوں کو ایک بار پھر وصل کی گھڑیاں میسر آئیں، جس کا یولوجیس بے چینی سے منتظر تھا۔ یہاں اس نے اپنا رسالہ ''یادگار شہداء'' مکمل کیا اور 24 نومبر 851ء کو اپنی محبوبہ فلورا کے قتل پر ایک پردرد مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی وفات سے ایک سال قبل اسے رہا کیا گیا، لیکن یہ اپنی مجنونانہ حرکتوں سے باز نہ آیا اور عبدالرحمٰن کے فرزند کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا۔ اس کے قتل کے بعد اس کی چلائی ہوئی تحریک خود بخود ختم ہوگئی۔ لیور مور نے لکھا ہے کہ یولوجیس کا 859ء میں سر قلم کیا گیا۔ (10)

دوشیزہ ءجمال فلورا

فلورا قرطبہ کی ایک نوجوان حسین وجمیل دوشیزہ تھی۔ اس نے تحریک شاتت رسول میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی جوانی کی امنگوں کو دل میں چھپائے یولوجیس کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگئی۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے اسے عیسائیت کی تعلیم دی۔ بائبل کی اس عبارت سے کہ "وہ شخص جو لوگوں کے سامنے میرا انکار کرے گا، میں اس باپ کے سامنے، جو آسمان میں ہے اس کا انکار کر دوں گا" اس کے جذبات برانگیختہ ہوئے۔ وہ بھائی کے گھر سے نکل بھاگی اور عیسائیوں میں جا کر پناہ گزین ہوگئی۔ جب اس کے فرار ہونے کی ذمہ داری عیسائی پادریوں کے سر ڈالی گئی تو وہ گھر واپس آئی اور دین مسیحی قبول کرنے کا اعلان کیا۔ بھائی نے اس کو سمجھایا مگر وہ عیسائیت پر قائم رہی۔ اس کا معاملہ شرعی عدالت میں لایا گیا۔ اس کے بھائی نے قاضی سے کہا "یہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ اسلام کی عزت کرتی تھی اور میرے ساتھ نماز پڑھتی اور روزہ رکھتی تھی مگر عیسائیوں نے اسے گمراہ کر دیا۔ ہمارے رسول مقبول ﷺ کی طرف سے اس کے دل میں نفرت پیدا کی اور اس بات کا یقین دلایا کہ عیسیٰؑ خدا ہے"۔ قاضی نے فلورا سے پوچھا "تمہارا بھائی جو کچھ کہتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟" فلورا نے جواب دیا "قاضی! کیا تو اس بے دین کو میرا بھائی کہتا ہے؟ یہ میرا بھائی نہیں ہے، میں اس کو اب اپنا بھائی نہیں سمجھتی۔ جو کچھ وہ کہتا ہے، سب جھوٹ ہے، میں کبھی مسلمان نہ تھی۔ میں نے بچپن سے ہمیشہ مسیحؑ پر ایمان رکھا اور مسیحؑ ہی میرا خدا ہے"۔

قاضی نے فلورا کی کم سنی کے باعث اس کے قتل کا حکم جاری کرنے کے بجائے اس کی گردن پر کوڑے لگوائے اور اسے بھائی کے حوالے کر کے کہا "اس کو دین حق کی تعلیم دو اگر پھر بھی وہ اس حالت کو نہ بدلے تو اسے میرے پاس لاؤ"۔ اسے گھر میں نظر بند کر دیا گیا چند دن بعد وہ چھت پر چڑھ کر وہاں سے گلی میں کود گئی اور ایک عیسائی کے گھر میں روپوش ہوگئی۔ یہیں اس کی ملاقات یولوجیس پادری سے ہوگئی۔ جو اس کے عشق میں گرفتار رہا۔ کافی عرصہ کے بعد ایک دن کلیسا گئی اور وہاں میری نامی عیسائی لڑکی سے ملی۔ وہ بھی اس کی طرح آنحضرت ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہتی تھی، چنانچہ وہ دونوں قاضی کے پاس آئیں اور آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات پے درپے کہتی چلی گئیں۔ چنانچہ 24 نومبر 851ء کو انہیں قتل کر دیا گیا۔ لین پول اس

کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ فلورا اگر کسی جائز مقصد پر اپنی جان قربان کرتی تو وہ ناموری کی مستحق ہوتی۔

اسحاق راہب: اسحاق قرطبہ کے عیسائی ماں باپ کا بیٹا تھا۔ عربی زبان خوب جانتا تھا۔ ابھی نو عمر ہی تھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے دربار میں اس کو کاتب (سیکرٹری) کی جگہ مل گئی لیکن 24 برس کی عمر میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر حبانوس کی مسیحی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا۔ جہاں متعصب پادریوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ وہ اپنی جان دے کر بزرگی حاصل کرے۔ ایک دن وہ خانقاہ سے نکل کر قرطبہ پہنچا اور قاضی کے سامنے آ کر کہا "میں آپ کا دین قبول کرنا چاہتا ہوں مہربانی کر کے آپ مجھے اس کی ہدایات کریں"۔ قاضی اس سے خوش ہو کر اسے دین اسلام سے متعلق بتانے لگا تو وہ برملا حضور نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے لگا۔ جب قاضی نے سمجھایا تو اس کو بھی برا بھلا کہا۔ قاضی نے اسے جیل بھیج دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس گستاخ رسول کی بابت حکم جاری کیا کہ اسے پھانسی دی جائے چنانچہ جون 851ء میں ان احکام کی تعمیل ہوئی۔

سانکو: اسحاق کے قتل کے دو دن بعد ایک افرنگی عیسائی نے، جس کا نام سانکو تھا اور جو امیر عبدالرحمٰن کی محافظ فوج کا ایک سپاہی اور پادری یولوجیس کا شاگرد تھا، پیغمبر اسلام ﷺ کو گالیاں دیں اور قتل ہوا۔ رائن ہارٹ ڈوزی کے علاوہ لین پول کی کتاب کے ترجمے میں اس کا نام سانچو لکھا ہے۔

جرمیاس اور چھ راہب: سانچو کے قتل کے بعد اتوار کے دن (7 جون 851ء) چھ راہب جن میں ایک اسحاق کا چچا جرمیاس اور دوسرا ایک راہب جابستوس تھا، جو اپنے حجرے میں ہمیشہ تنہا پڑا رہتا تھا، قاضی کے سامنے آئے اور کہا "ہم بھی اپنے دینی بھائیوں سانکو اور اسحاق کے الفاظ کا اعادہ کرتے ہیں اور پھر پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام پر سب وشتم کرنے لگے۔ یہ چھ کے چھ قتل کر دیئے گئے۔ لین پول نے بھی ان کے نام بتائے بغیر ان کے توہین رسول کے ارتکاب کرنے اور قتل کر دیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

سیسی نند: سینٹ ایکس کلوس کے گرجا کا ایک پادری، جس کا نام سیسی نند تھا، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی گستاخی کا مرتکب ہو کر واصل جہنم ہوا۔

پولوس: پولوس سینٹ ایکس کلوس کے گرجا میں شماس تھا۔ سیسی نند نے قتل ہوتے وقت اسے اس ذلت کی موت مرنے کی وصیت کی تھی چنانچہ یہ بدبخت بھی سیسی نند کے قتل کے چار

دن بعد جولائی کو حضور سید عالم ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات کہنے کے باعث قتل کر دیا گیا۔

تھیودومیر: تھیودومیر شہر قرمونہ کا ایک جوان راہب تھا۔ توہین رسول کا مرتکب ہو کر مسلم حکومت کے حکم سے قتل ہوا۔

آئیزک: آئیزک عیسائی نے بھی قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، جیسے ہی اس کو مسلمان کرنے کیلئے دینی عقائد اس کے سامنے بیان کئے گئے اس نے بھی حضور نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ قاضی کے لئے برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔ اس نے اس ذلیل کو ایک طمانچہ رسید کر کے کہا کہ جانتا ہے کہ اسلام میں اس کی سزا قتل ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جان بوجھ کر یہاں آیا ہے۔ اس لئے کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دین داری کے لئے ستائے گئے۔ آسمان کی بادشاہت انہی کے لئے ہے۔ اس شاتم رسول کو بھی قتل کر دیا۔ شاید آئیزک، جرمیاس اور جانستوس کا ساتھی تھا کیونکہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے میری کے ذکر میں آئیزک کو مذکورہ بالا چھ راہبوں میں شمار کیا۔ (11)

میری: میری آئیزک کی بہن تھی جو قرطبہ کی ایک مسیحی خانقاہ کی راہبہ تھی۔ اتفاقاً اس کی ملاقات فلورا سے ہو گئی۔ دونوں نے قاضی کے سامنے پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں بے ادبی کی۔ میری نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں ان چھ ''شہیدوں'' میں سے ایک کی بہن ہوں جو تیرے پیغمبر ﷺ کو دشنام دے کر قتل ہوا ہے، پھر اس نے بھی دشنام طرازی کی چنانچہ اسے بھی فلورا کے ساتھ 24 نومبر 851ء کو قتل کر دیا گیا۔

یہ ان بدنصیب مردوں اور خواتین کا ذکر تھا جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا اور ان کو امیر عبدالرحمٰن اور اس کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں قتل کیا گیا۔ مسیحی مورخین نے خوب بڑھا چڑھا کر اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

تحریک شاتمت رسول کا اختتام

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور زیادہ تر پادری ہی لقمہ اجل بنے کیونکہ عیسائی شرفاء اور عوام امیر عبدالرحمٰن کے اس قدر گرویدہ اور جانثار تھے کہ انہوں نے اپنی متحدہ کوشش سے عوام الناس کو پادریوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھا۔ سب ان خودغرض پادریوں کو یہ جواب دیتے تھے کہ عربوں کی حکومت سے ہم کو کیا نقصان پہنچا ہے جو ہم

بلا وجہ تمہارا ساتھ دیں اور اپنی جانوں اور آزادی کو کھو دیں۔ ہم ہر طرح آزاد اور ہماری جان و مال ہر طرح محفوظ ہے جو پہلے خود ہماری عیسائی حکومتوں میں غیر محفوظ تھے۔ عرب ہمارے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیتے اور ہم بالکل مطلق العنان اور خوش حال ہیں۔ ان حالات میں حکومت کے مذہبی قانون اور خود یسوع مسیح کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنی جان و مال تلف کر دینا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔ لین پول لکھتا ہے "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مسیحی "شہداء" راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ بے شک انہوں نے اپنی عزیز جانوں کو مفت ضائع کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا فی الجملہ برا کیا"۔

امیر عبدالرحمٰن نے اس تحریک کو ختم کرنے کے لئے ایک کلیسائی کونسل کی تشکیل کا فیصلہ کیا جو عیسائیوں کو پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی بے ادبی سے روکے۔ چنانچہ تمام بزرگ پادریوں کو ایک مجلس میں جمع کیا گیا اور بادشاہ کی طرف سے ایک بڑے عیسائی سرکاری عہدے دار نے اس مجلس میں شرکت کی۔ جس کا نام قومس بن العطو نیان تھا۔ لین پول اس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے "تمام مجتہدین کی ایک کونسل جس کا صدر نشین اشبیلیہ کا عیسائی مجتہد اعظم تھا، منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت تک جس قدر لوگ "شہید" ہو چکے ہیں چونکہ تمام کلیساؤں نے بالاتفاق ان کی ولایت کو تسلیم کیا ہے لہٰذا وہ ہر قسم کے جرم سے بری کئے جاتے ہیں مگر آئندہ جو شخص ان کی پیروی کرے گا وہ مجرم اور خارج از مذہب سمجھا جائے گا۔

لیکن مفسد و مجنون طبیعتوں نے مسیحی سپریم کونسل کے اس حکم سے سرتابی کی اور پادری جن کا سرغنہ یولوجیس تھا، اپنی روش سے نہ ہٹے۔ امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں پادری یولوجیس کے قتل کے ساتھ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

☆ (لین پول اور ڈوزی کی تصانیف اور سید محمد سلطان اور اسحاق سلیمان کے مقالات سے ماخوذ)

پاکستان کے چند شر پسند متعصب عیسائی یہود اور ہنود کی بھیانک سازش کے تحت اسلامی مملکت پاکستان میں اسپین کی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں تا کہ اس ملک کی بنیادوں کو بھی متزلزل کر دیا جائے۔ چنانچہ محکمہ فشریز کا عیسائی اسسٹنٹ ڈائریکٹر انور کینتھ نے اپنے علاقے کے انسپکٹر پولیس کو خط بھیجا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمناک گالیاں لکھی ہوئی تھیں جس پر توہین رسالت کے جرم 295-C میں چالان عدالت ایڈیشنل سیشن جج لاہور میں پیش کر دیا گیا۔ جج موصوف نے ملزم کو جرم کی نوعیت اور اس کی سزا سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اس بد بخت نے

عدالت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ عدالت نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ ملزم ذہنی طور پر پاگل نہیں ہے اس کے خلاف توہین رسالت کے جرم کے تحت کاروائی شروع کی۔ ملزم کو اپنی صفائی اور معاونت کے لیے حکومت کی طرف سے بلا معاوضہ وکیل فراہم کرنے کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے صفائی پیش کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر اسے قانون کے مطابق سزا دے کر اس کا کیس ہائی کورٹ لاہور میں بطور ریفرنس بھیج دیا گیا جو ابھی تک فیصلہ طلب ہے۔

اسی طرح ایک نوجوان مسلمان وجیہ الحسن کو عیسائی بنانے کے بعد یوسف مسیح کے نام سے جو خطوط علماء اور خود راقم کو بھیجے گئے اس میں پیغمبر علیہ السلام ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو ایسی ننگی گالیاں لکھی گئی ہیں جو ایک مسلمان تو کیا کسی غیر مہذب شخص کے لئے بھی ناقابل برداشت ہیں۔ عدالت سیشن جج سے سزا کے بعد اس کا کیس ہائی کورٹ توثیق کیلئے بھیج دیا گیا۔ پاکستان کی رواداری اور مذہبی آزادی کے باوجود ایک عیسائی گروہ تہذیبوں کے نام پر فتنہ اور فساد و برپا کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ ایک نظریاتی اسلامی ملک کو عیسائیت کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔

مشرق ومغرب کے ممالک میں حقوق انسانی اور قانون توہین رسالت

مملکت اسلامیہ عہد رسالت مآب ﷺ میں (1 تا 11 ہجری مطابق 610 تا 632 عیسوی)

جب عہد رسالت مآب ﷺ میں تمام جزیرۃ العرب اور اس کے گردونواح کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہوگئے تو وہاں قانون الٰہی مکمل طور پر نافذ ہوگیا، دنیا میں پہلی مرتبہ جغرافیائی سرحدیں، قبائلی عصبیتیں، رنگ ونسل، قومیت اور زبان کے تفرقے اور امتیازات ختم ہو گئے۔ اس دور میں موجود مشرق اور مغرب کے آزاد اور غلام جن کا تعلق کسی خطے یا ملک سے ہو خواہ وہ عرب سے ہوں یا حبش سے، روم سے ہو یا ایران سے سب کو انسان ہونے کے ناتے یکساں حقوق حاصل ہوئے۔ انسان کو احترام انسانیت کے آداب سکھلائے گئے "لکم دینکم ولی دین" کے فرمان سے مذہبی تعصب ختم کر کے صبر وتحمل (Tolerance) کے ساتھ سچائی اور حق پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شرپسند اس عظیم تر مشن کو ناکام بنانے کے لیے اسلام کے قوانین سے انحراف کرتا اور ذات رسالت مآب ﷺ کو تضحیک اور توہین کا نشانہ بناتا تو اس کو سزائے موت دی گئی۔ اگر کوئی قوم یا ملک بھی اسلام کے ان فطری قوانین کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے درپے یا آمادۂ پیکار ہو تو اتمام حجت کے بعد اس کے خلاف اعلان جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ دنیا میں ان قوانین الٰہی کو مستقل طور پر جاری اور ساری کرنے کا اعلیٰ ترین مقصد شروع ہی سے ملکوں اور قوموں کے نام پر بنائے جانے والے اداروں کی بجائے توحید پر مبنی ''وحدت آدم کی عالمی وفاقی پارلیمنٹ'' کا قیام ہے تاکہ حیات اور کائنات کے قوانین اور دنیا کے معاشروں میں توازن اور ہم آہنگی برقرار رہے۔ آپ ﷺ نے اس وقت کی مشرق ومغرب کے عظیم امپائر روم، ایران اور افریقہ کے شہنشاؤں کو اسلام کے دعوت نامے بھی بھجوائے۔ یہ باتیں صرف تعلیم اور تلقین کی حد تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان اصولوں پر مبنی ایک مکمل مثالی مملکت اور حکومت کا ماڈل بھی اس وقت کی موجود اور مستقبل کی دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد بھی خلفائے راشدین کے دور میں یہ مملکت علی منہاج النبوۃ قائم رہی۔ ان کے ادوار میں بھی اسلامی فتوحات ملک گیری کی ہوس یا مال وزر کی لوٹ کھسوٹ کے لیے نہیں تھی بلکہ اسلام کے عادلانہ کائناتی نظام کو برپا کرنے کے لیے تھیں۔

خلافت صدیقیؓ (11 تا 13 ہجری مطابق 632 تا 634 عیسوی)

خلافت صدیقی کے عہد میں مانعین زکوۃ اور جھوٹے نبوت کے دعویداروں نے سر اٹھایا جو اسلامی مملکت کے استحکام کے لیے سخت خطرہ کا باعث تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کی جڑیں کاٹ دیں۔ حضور اکرم ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لیے حکومت شام کی سرکوبی کے لیے جناب اسامہ بن زید کو روانہ کیا جو وہاں سے فتح یاب واپس آئے۔ مشرق میں ایران کی شہنشاہیت کو ختم کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اور مغرب میں رومی سلطنت کی شرارتوں کو روکنے اور آگے بڑھنے کے لیے حضرت عبیداللہ بن جراحؓ کو روانہ فرمایا جن کی کامیابیوں سے اسلامی مملکت مشرق اور مغرب کے اہم علاقوں تک وسیع ہوگئی جہاں اسلام کے قانون عدل ومساوات پر پوری طرح عمل درآمد ہوتا رہا۔

خلافت فاروقیؓ (13 تا 24 ہجری مطابق 634 تا 645 عیسوی)

دور فاروقی میں ایران کا دارلسلطنت مدائن مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا۔ مسلمان مکران اور خراسان تک بڑھتے چلے گئے۔ دوسری طرف مغرب میں شام اور اردن مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ عیسائیوں نے صلح کرتے ہوئے ارض فلسطین کا قبضہ بھی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے کردیا۔ جو شاہی کروفر سے بے نیاز اس حالت میں بیت المقدس پہنچے جب وہ پیدل اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور ان کا غلام اپنی باری کے مطابق اونٹ پر سوار تھا یہ تھا اسلامی مساوات انسانی کا زندہ نمونہ جس نے حاکم ومحکوم آقا اور غلام کے فرق کو مٹا دیا تھا۔ مصر کی سلطنت بھی جو شہنشاہ روم کے زیر قبضہ تھی۔ سکندریہ کی فتح کے بعد سال 641 عیسوی میں اسلامی قلمرو میں شامل ہوگئی۔

خلافت عثمانیؓ (24 تا 35 ہجری مطابق 645 تا 656 عیسوی)

دور عثمانی میں شمالی افریقہ کے اہم شہر طرابلس کی فتح کے بعد تیونس، الجزائر اور مراکش اور فارس پر بھی مسلمان قابض ہو گئے۔ پھر خراسان، طبرستان، سیستان اور آذربائیجان اور افغانستان تک بھی اسلامی سلطنت کی سرحدیں پہنچ گئیں۔ اس طرح اس کے حدود ہندوستان کی سرحدوں سے آگے اور افریقہ اور مشرقی یورپ تک وسیع ہوگئیں۔ حضرت عثمان کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلام دشمن فتنوں نے سر اٹھایا اور آخر سازشی ذہن کی کارستانیاں رنگ لائیں اور ان کو مظلومانہ طریقے سے شہید کردیا گیا جس کی وجہ سے فتنہ اور فساد کے دروازے کھل گئے۔

خلافت مرتضویؓ (35 تا 40 ہجری مطابق 656 تا 661 عیسوی)

شہادت عثمانؓ کے بعد صحابہ کرام کی اکثریت نے حضرت علیؓ کو ان مشکل حالات میں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے اصرار کیا۔ مسلمانوں کی اجتماعی اکثریت سے آپ کو اسلامی سلطنت کی خلافت کے لیے منتخب کر لیا گیا لیکن دشمنوں کی لگائی ہوئی آگ تیز تر ہوتی گئی۔ حضرت علی نے اسلام کے نظام عدل وقضا کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی پوری قوت لگادی۔ اسلام کے قوانین کا مکمل نفاذ آپ کی زندگی کا نصب العین رہا جس پر خود بھی سختی سے کاربند تھے۔ اہانت رسول کے مجرموں کو عہد رسالت مآب ﷺ میں اور آپ نے دور خلافت میں سزائے موت دی۔ عدل ومساوات کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی نانِ جویں پر گزار دی۔ لباس عام آدمی کی پوشاک سے بھی سادہ، اپنے غلام قنبر کو خود سے بہتر لباس پہناتے قیصر وکسریٰ کا طمطراق عربوں کو جاہ پسندی کی طرف راغب کر رہا تھا جس کا وہ سدباب کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے خلافت کے دوران خوارج کا خطرناک فتنہ نمودار ہوا اور اس کے سرغنہ ابن ملجم ملعون نے آپ پر حالت نماز میں قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جس کی وجہ سے خلافت راشدہ کا تابناک دور ختم ہوا مگر اس کی تب وتاب جاودانہ ہر دور میں مشعل راہ بن کر انسانیت کی راہنمائی کرتی رہی ہے۔ اس عہد خلافت میں قانون توہین رسالت کا ذکر ہم نے اس کتاب کے باب دوم میں کیا ہوا ہے۔

سلطنت بنی امیہ (41 تا 129 ہجری مطابق 661 تا 749 عیسوی)

شہادت امام حسینؓ

خلافت راشدہ کے بعد مسلمان حکمرانوں میں آثار ملوکیت پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یزید کے دور حکومت میں اسلام کو ملوکیت سے پاک کرنے کے لیے سید الشہداء امام حسینؓ نے اپنی اور سارے خاندان نبوت کی جو عظیم قربانی دی ہے اس نے صفحۂ ہستی پر قانون الٰہی کی حکمرانی کا نقش دوام ثبت کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز کا درخشندہ دور حکومت

بنی امیہ کے دور ملوکیت میں مسلمان حکمرانوں کی شخصی زندگی میں شاہانہ نمود ونمائش اور فسق وفجور کی لذت پرستی آ گئی تھی لیکن علمائے حق کی بدولت اسلامی قانون ملک کے قانون عام کی طرح برقرار رہا جس میں حکمرانوں نے مداخلت نہیں کی ان حکمرانوں میں عمر بن عبدالعزیز نے اپنی حکومت کو خلافت راشدہ کی بنیادوں پر استوار کیا۔ ذاتی زندگی آلائشوں سے پاک صاف تھی اور

معاشرہ میں بھی اسلام کی سادگی اور مساوات کو از سر نو روشناس کرایا عدل واحسان اور حقوق انسانی کی پاس داری کی۔ بنی امیہ کی جاگیرداری نظام کا مکمل طور پر خاتمہ کردیا۔ فدک کا تمام علاقہ جوان کے حصہ میں بحیثیت جاگیر آیا تھا اس سے اہل بیت اور بنو ہاشم کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ مرتے وقت اپنی اولاد اور خاندان کے گزارے کے لیے کوئی چیز نہ چھوڑی اور بدن پر صرف ایک پرانی قمیض اور چادر کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ مساجد میں اموی حکومت کی قبائلی عصبیت انگیز تبرا بازی کو بند کیا اور قرآنی عدل واحسان کی آیت "ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان" کو خطبات جمعہ کا جزو قرار دیا جو آج تک مسلمانوں کے اکثریتی مسلک کے خطبہ جمعہ میں پابندی سے سنایا جاتا ہے تاکہ مسلمان عدل واحسان کے اس حکم الہی پر کاربند رہیں۔

ان کے پیش رو عبدالملک ولید کے دور میں مسلمان ترکستان، سمرقند اور بخارا کو فتح کرتے ہوئے روس کی سرحدوں تک پہنچ گئے۔ اسی دور میں اسلام کے نامور سپہ سالار طارق بن زیاد نے یورپ میں اسپین پر فاتحانہ حملے کئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو یورپ میں قدم جمانے کا موقع ملا اور وہاں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن، علم وہنر کی روشنی پھیلی اور قانون کی بالادستی قائم ہوئی۔ مسلم سوسائٹی میں رواداری کو فروغ حاصل ہوا جس کا ذکر ہم نے اس کتاب کے مسلم اسپین کے باب میں تفصیلی طور پر کیا ہے۔ اسی دور میں محمد بن قاسم نے برصغیر ہند میں سندھ اور اس سے آگے بڑھ کر ملتان کو فتح کرلیا۔ اس طرح بنی امیہ کی سلطنت یورپ میں اسپین، فرانس اور اٹلی کے علاقوں تک اور مشرق میں ترکستان اور برصغیر ہند میں ملتان تک وسیع ہوگئی۔ فاتح قوم نے مشرق ومغرب (یورپ) میں رواداری اور انسان دوستی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ خود ہندوستان میں غیر مسلموں نے اظہار عقیدت کرتے ہوئے مسلمانوں کے اس نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم کی مورتی بنا کر اپنے مندروں میں رکھ دی۔ اسپین کے غیر مسلم مقامی شہریوں نے مسلمان جنرل موسیٰ بن نصیر کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اموی حکومت تقریباً ایک صدی 661 عیسوی سے 749 عیسوی کے عرصہ پر محیط رہی۔ ان کے دور کا سب سے بڑا نقص جو ان کے زوال کا سبب بنا ان کا اسلام کے شورائی نظام اور جمہوری اصولوں سے انحراف اور شخصی حکمرانی کی بالادستی ہے۔ اسلام کے عالمگیر اصول اخوت اور مساوات کی جگہ قبائلی عصبیت آگئی تھی جو خود ان کی تباہی کا باعث بنی۔

سلطنت عباسیہ (132 تا 657 ہجری مطابق 749 تا 1274 عیسوی)

امیہ کے دور حکومت کے بعد عباسیوں کا دور حکمرانی سوا پانچ سو سال پر محیط ہے۔

عباسیوں کے زمانے میں فتوحات ہوتی رہیں ہیں اور یورپ کے اہم شہر بھی ان کے زمانے میں عباسی سلطنت میں شامل ہوئے۔ان کا طرز حکومت بھی امیہ کی طرح شخصی حکمرانی کا تھا۔ان کے دور میں علوم وفنون، فلسفہ اور سائنس کی ترقی کے ساتھ عجمی تمدن اور معاشرت کو بھی فروغ حاصل ہوا لیکن ان کے علم وفن کا مرکز بغداد وحشی تاتاریوں کے سردار ہلاکو خان کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا۔ جس طرح کہ اس وقت امریکی صدر بش اور ان کے نام نہاد جمہوری اتحادی کروسیڈ کے نام پر عراق کی انسانی بستیوں کو دہشت ناک طریقے سے تباہ کرتے جا رہے ہیں۔ جس کا مظاہرہ چنگیز اور ہلاکو کے دور میں ہوا تھا۔ اکیسویں صدی کے دور میں چنگیز خان امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش کا آئیڈیل بنا ہوا ہے کیونکہ ان دونوں کا پروگرام مسلم کشی اور غارت گری ہے۔1258ء میں عباسی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اس دور میں معتزلہ کی گمراہ کن عقلیت پسندی نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا لیکن احمد حنبل کی دینی استقامت اور اس دور کے مجتہدین اور فقہا نے فقہ واجتہاد کے ذریعہ اسلامی قانون کو مسخ ہونے سے بچا لیا اور نظام عدل وقضا بھی ان کی بدولت عظیم عباسی سلطنت میں قائم رہا۔

سلطنتِ فاطمیہ (341 تا 567 ہجری مطابق 953 تا 1171 عیسوی)

عباسیہ دور حکومت میں عبداللہ مہدی نے شمالی افریقہ میں بربر قبائل کی حمایت سے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔953 عیسوی میں اس کے بیٹے المعز نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ فاطمیہ حکومت دو صدیوں تک قائم رہی۔ اس دوران جو حکمران آئے انہوں نے فلسفہ سائنس علمی اور قانون کے اداروں کی سرپرستی کی ان ہی کے دور میں موجودہ دنیا کی سب سے قدیم ترین اسلامی یونیورسٹی جامعہ الازہر بنی جو یورپ کی اوکسفرڈ، کیمبرج اور دوسروں یونیورسٹیوں سے بہت پہلے قائم ہوئی تھی اور آج بھی علوم قدیم وجدید کی سب سے بڑی دانش گاہ ہے۔ غیر مسلم رعایا کو بھی ان کے دور حکومت میں تمام شہری آزادیاں اور انسانی حقوق انسانی حاصل تھے۔ان کے آئین میں یہ اسلام کے بنیادی حقوق رہے ہیں۔ توہین رسالت کے جرم کی سزا ساری مملکت میں امامیہ موقف کے مطابق سزائے موت تھی۔

ارضِ فلسطین

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں ارض فلسطین فاطمی حکومت کے زیر قبضہ تھی۔ فاطمی حکمرانوں کی عیسائی اور یہودیوں کے ساتھ رواداری اور عدل گستری کے باوجود یورپ سے بیت المقدس کی زیارت کو آنے والے عیسائی یروشلم پر مسلمانوں کے قبضے کو مسیحی دنیا کے لیے ناقابل برداشت سمجھتے تھے اور وہاں فتنہ فساد برپا کرتے رہتے تھے۔ سرزمین فلسطین کی

بازیابی اور مقدس صلیب کی حفاظت کے نام پر ان کے سب سے بڑے روحانی پیشوا پاپائے اعظم نے یورپ میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، یونان اور دوسری تمام ریاستوں، ان کے فوجیوں اور شہریوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ اور مشتعل کر دیا تھا۔ پاپائے روم کا یہ فرمان تمام عیسائی دنیا کے لیے جاری ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''بے دینوں (مسلمانوں) کو جو خداوند مسیح کے بیت المقدس پر قابض ہو گئے ہیں ان کو بزور شمشیر بے دخل کرنے کے لیے جو بھی کروسیڈ (صلیبی جنگ) میں شامل ہو گا میں اس کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دونگا اور جو اس مہم میں مارا جائے گا اس کو جنت میں اعلیٰ مقام الاٹ کروں گا۔'' اس ''روحانی فرمان'' سے عیسائی جوانوں کا جوش جنون اور بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ 1904 سے ''بے دینوں'' (مسلمانوں) کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا جو دو صدیوں تک جاری رہا۔ ارض فلسطین اور بیت المقدس کے حوالہ سے لفظ کروسیڈ (Crusade) کے معنی اور مفہوم، اس کی تباہ کاریوں اور اس کے دفاع کا اجمالی ذکر ضروری ہے تا کہ یورپ اور اسلام کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے آجائے۔

کروسیڈ (صلیبی جنگیں)

کروسیڈ سے مراد یورپ کی عیسائی افواج کی مسلمان حکومتوں کے خلاف مہم جوئی، جو گیارہویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی اور تیرہویں صدی تک پوری قوت کے ساتھ جاری رہی، جس کا پوپ کے حکم سے آغاز ہوا۔ اس مہم جوئی کا مقصد مسلمانوں سے یروشلم اور ارض فلسطین، جو جناب مسیحؑ کی جائے پیدائش ہے، کی بازیابی تھا۔

امریکن ویبسٹر انسائیکلو پیڈیا ڈکشنری (Webster Encyclopaedic Dictionary) کی رو سے کروسیڈ کے معنی ''عیسائیوں کی فوجی مہم جو صلیبی پرچم تلے گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی تک بے دین یا مسلمانوں کے خلاف ارض مقدس کی بازیابی کے لئے جاری رہی''۔

دی نیو اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری (The New Oxford English Dictionary) میں کروسیڈ کے معنی ''ازمنۂ وسطیٰ کی یورپین مہم جو گیارہویں سے تیرہویں صدی تک چرچ کی انگیخت پر مبینہ مذہبی مقاصد کے لئے مسلمانوں کے خلاف ارض مقدس کے لئے جاری رہی۔ چرچ نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ فلسطین میں اسی صدی مسیحؑ کا آسمان سے نزول ہو گا۔

بیت المقدس مسلمانوں کے لئے بھی لائق تعظیم ہے۔ وہ ان کا قبلہ اول رہا ہے اور معراج نبوت کا بھی اس سے تعلق ہے۔ سیدنا عمرؓ کا فلسطین میں داخلہ اسلامی مساواتِ انسانی کا ایسا

انقلابی کارنامہ تھا کہ خود مسیحی پیشواؤں نے بیت المقدس کی چابیاں خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دی تھیں۔ اس کے بعد سے عباسی دور خلافت تک فلسطین مسلمانوں کے زیر تسلط رہا مگر عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں مسلمان حکومتوں کے خلاف جاری رہیں۔ گیارھویں صدی میں پوپ، کلرجی اور سارے یورپ کی بادشاہتوں نے مل کر فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کے لئے پوری قوت کے ساتھ یلغار کر دی۔ ترکوں اور سلجوقیوں نے اپنی طرف سے ان کے خلاف مزاحمت کی کوشش کی لیکن دوسری صلیبی جنگ کے بعد یورپی اقوام نے 1095 میں فلسطین اور اس کے گردونواح کے علاقوں اور دمشق پر قبضہ کر کے عیسائی مملکت قائم کر لی۔ اس دوران انہوں نے مفتوحہ علاقوں میں جس طرح قتل و غارت گری اور خوں ریزی کی وہ سفاکی اور بربریت کی آخری حدوں سے بھی آگے نکل گئی۔ اس بارے میں ہمارے دور کی معروف عیسائی مورخ کیران آرمز اسٹرانگ (Keran Armstrong) لکھتی ہیں "جب عیسائی یروشلم میں داخل ہوئے تو وہ وہاں مسلمانوں اور یہودیوں پر اس غضبناک طریقے سے ٹوٹ پڑے اور ان کا اس سفاکی اور بربریت سے قتل عام کیا کہ خود ان کے ہم عصر عیسائیوں کے دل بھی دہل گئے"۔ (12)

اب موجودہ صدی میں صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش کے صلیبی جنگ "کروسیڈ" کے اعلان کے بعد ارض فلسطین سے فلسطینیوں کو مکمل طور پر بے دخل کرنے اور ارض افغانستان و ارض مقدس عراق پر غاصبانہ تسلط جمانے کے لئے امریکن نیوکونز (Neo Conservative Christian) گورنمنٹ اور اسرائیلی حکومت مل کر سفاکانہ جبر و تشدد استعمال کر رہے ہیں۔ اس طرح تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

ع دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا　　　　گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

سلطان نورالدین زنگیؒ اور کروسیڈ

تیسری صلیبی جنگ کے آغاز میں سلطان نورالدین زنگیؒ جو ملک شام کا حکمران تھا دمشق پر حملہ کر کے عیسائی فوجوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور ان کے حملوں کا نہایت بہادری اور دلیری سے مقابلہ کرتا رہا۔ 1189ء میں عیسائیوں نے مصر پر وہاں کی اندرونی سازشوں کی وجہ سے کمزور فاطمی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے دھاوا بول دیا۔ نورالدین، جو اپنے مخالفین کی نقل و حرکت پر نظریں جمائے ہوئے تھا، اس نے فوراً اپنے نائب کمانڈر شیر کوہ کو مصر بھیج دیا جو اپنے ساتھ اپنے شیر دل بھتیجے صلاح الدین کو لے کر وہاں پہنچا۔ مصر کے زیرک وزیر نے حکومتِ مصر کی کمزور صورتحال دیکھ کر ملک کو تازہ دم

مسلمان فوج کے حوالہ کر دیا یہیں سے صلاح الدین کو اپنی خداداد صلاحیتیں اور بے پناہ حرب و ضرب کی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ مصر سے عیسائی فوجیں بری طرح سے ناکام ہو کر واپس چلی گئیں۔

سلطان نورالدین زنگیؒ اور روضہ رسول

سلطان نورالدین زنگیؒ کے زمانے میں روضہ پاک میں نقب زنی کی ناپاک جسارت کی گئی مگر اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے شر پسندوں کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ سلطان کو خواب میں حضور سرور کونین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کو سخت تشویش ہوئی، اٹھ کر وضو کیا۔ نفل ادا کیے مگر جونہی لیٹے پھر وہی خواب دیکھا غرضیکہ تین دفعہ ایسا ہوا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے وزیر جمال الدین کے مشورے پر فوراً مدینہ کی تیاری شروع کر دی۔ سولہویں دن مدینہ طیبہ پہنچے۔ ریاض الجنۃ میں تحیتہ المسجد ادا کرنے کے بعد سوچنے لگا کہ حصول مقصد کیلئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ آخر وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں۔ وہ اہل مدینہ کو انعامات سے نوازیں گے۔ ہر شخص حاضر ہو کر اپنا حصہ لے لے۔ ایک ایک آدمی آتا گیا، بادشاہ انعامات تقسیم کرتا رہا۔ وہ ہر شخص کو بغور دیکھتا اور خواب میں نظر آنے والی شکلوں کو تلاش کرتا رہا حتیٰ کہ مدینہ کے تمام لوگ گزر گئے مگر مجرمین کا کھوج نہ لگایا جا سکا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی رہ گیا ہو تو حاضر کیا جائے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد بادشاہ کو بتایا گیا کہ صرف دو شخص ہیں جو نہایت متقی پرہیزگار ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں بھی طلب کر لیا اور انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پوچھا "کون ہو؟ اور یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو؟" انہوں نے بتایا کہ ہم مغرب کے رہنے والے ہیں حج کے لئے آئے تھے۔ روضہ انور کی زیارت کے لئے مدینہ آئے تو حضور ﷺ کے پڑوس میں رہنے کے شوق میں یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بادشاہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر ان کی رہائش گاہ پر پہنچا، جو ایک قریبی سرائے میں تھی، مگر وہاں کوئی مشکوک چیز نظر نہ آئی۔ جس کی وجہ سے بادشاہ مزید پریشان ہو گیا۔ مدینہ پاک کے لوگوں نے ان کی صفائی میں بہت کچھ کہا کہ یہ تو نہایت پرہیزگار لوگ ہیں۔ ریاض الجنۃ میں نماز پڑھتے ہیں۔ روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرتے ہیں اور ہر ہفتہ کو قبا میں نفل ادا کرتے ہیں۔ یہ قائم اللیل اور صائم النہار ہیں۔ اس سے بادشاہ کی تشویش میں اور اضافہ ہو گیا۔ دفعتاً بادشاہ

کے دل میں کچھ خیال آیا اور اس نے ان آدمیوں کے مصلی کو الٹ دیا۔ اُن کا مصلی ایک پتھر کے اوپر تھا اور جب پتھر اٹھایا گیا تو نیچے سرنگ نمودار ہوئی جو دور تک روضہ انور کے قریب پہنچ چکی تھی۔

بادشاہ نے اس کمینہ حرکت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے انہیں بیش بہا دولت دے کر اس کام پر مامور کیا ہے کہ کسی طرح وہ حضور نبی کریم ﷺ کے حجرہ مقدسہ میں داخل ہو کر آپ ﷺ کا جسم اطہر یہاں سے نکال کر لے جائیں۔ ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ رات بھر سرنگ کی کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر بقیع کے مضافات میں ڈال آتے۔ سلطان نور الدین زنگیؒ یہ باتیں سن کر آتش غضب سے بھڑک اٹھا۔ ساتھ ہی رقت بھی طاری ہوگئی کہ اسے اس کام پر آپ ﷺ کی طرف سے مامور کیا گیا چنانچہ ان دو عیسائیوں کو صبح کے وقت قتل کرا دیا اور شام کے وقت ان کی ناپاک لاشوں کو نذر آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس بیدار بخت بادشاہ نے حجرہ پاک کے چاروں طرف اتنی گہری بنیادوں کو سطح زمین تک بھر دیا کہ آئندہ کسی ملعون کو نبی پاک ﷺ کی لحد مبارک تک رسائی کے قصد کا موقع نہ مل سکے۔

صلاح الدین ایوبی اور کروسیڈ

صلاح الدین ایوبی کا سن پیدائش 1138ء ہے۔ اس کا تعلق ایک معزز کرد قبیلہ سے تھا۔ قرون وسطیٰ میں اس کی شہرت ایک بہادر ناقابل تسخیر حکمران جنرل کی طرح مشرق اور یورپ میں پھیل گئی۔ اس نے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کی نئی روح پھونک دی اور اپنے شب و روز جہاد کے لئے وقف کر دیئے۔ اسلامی فقر و سادگی کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا۔ بے قاعدہ فوجوں کو ڈسپلن اور نئی جنگی تکنیک سے منظم کیا۔ 2 اکتوبر 1187 کو وہ مبارک ساعت نمودار ہوئی جب صلاح الدین کے ہاتھوں عیسائی فوجوں کو 88 سال بعد ذلت آمیز شکست ہوئی۔ جب یہ مسلمان فاتح ارض مقدس یروشلم میں داخل ہوا تو عیسائی مورخین بیان کرتے ہیں کہ دنیا نے ایک ناقابل یقین تضاد کا منظر دیکھا ایک منظر تو وہ تھا جب یورپ کی عیسائی فوجیں صلیبی جنگ کے پرچم تلے یروشلم میں داخل ہوئیں تو سارے شہر میں ہر طرف انسانی لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور سڑکیں خون کی ندیاں بن گئیں تھیں لیکن صلاح الدین جب داخل ہوا تو بالکل برعکس منظر تھا۔ اس کی فوجیں نہایت شریفانہ طریقہ سے شہر میں داخل ہوئیں پہلے مسجد اقصیٰ میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ عورتوں، بچوں بوڑھوں کو اور جنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے ان سب کو امان دی گئی۔ کوئی خون خرابہ نہیں ہوا۔ اس

نے یورپ اور عیسائیوں کے ساتھ جتنی بھی جنگیں لڑی ہیں ان میں اس نے اور اس کی فوجوں نے اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ کیا۔ دشمن قیدیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ رحمدلانہ تھا۔ وہ مصر، شام، یمن، فلسطین کا حکمران تھا تو ساری سلطنت اور مشرق میں وہ ایک فیاض، نیک دل، خدا ترس انسان اور ناقابل شکست بے مثال سپہ سالار تسلیم کیا جاتا تھا اور یورپ میں بھی وہ ایک بہادر سپاہی، عالی ظرف، مہذب، شریف اور لائق احترام دشمن مانا جاتا تھا۔ وہ اپنی زندگی ہی میں ایک کرشماتی اور پرشکوہ روایتی شخصیت بن گیا اور ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید ہیرو شمار ہوتا رہے گا۔ لین پول نے اپنی مشہور تصنیف صلاح الدین اور سقوط یروشلم میں اس کے جو حالات اور واقعات بیان کئے ہیں وہ انتہائی ڈرامائی اور حیرت انگیز ہیں۔ (13)

سلطان صلاح الدین اور گستاخ رسول ریجی نالڈ

تیسری صلیبی جنگ کے دوران ریجی نالڈ، والی کرک، نے سلطان صلاح الدین سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے علاقہ سے گذرنے والے مسلمان تاجروں کے قافلوں کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گا اگرچہ کہ وہ معاہدہ پر پوری طرح کاربند نہیں رہا لیکن صلاح الدین اسے نظر انداز کرتا رہا۔ جب ریجی نالڈ نے 1186 میں مسلمان تاجروں کے قافلہ کو لوٹ کر سارے اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا اور لٹے پٹے تاجروں کی درخواست پر کہ وہ انہیں رہا کر دے، ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: "تم محمد پر ایمان رکھتے ہو نا، بلاؤ اپنے محمد کو وہ آ کر تمہیں چھڑا لے"۔

جب سلطان صلاح الدین کو اس گستاخانہ حرکت کی اطلاع ملی تو اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ وہ ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے گا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ لاطینی سلطنت کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی جائے چنانچہ گھمسان کا رن پڑا۔ صلاح الدین کی نئی فوجی تکنیک کی وجہ سے عیسائی فوجیں خود اپنے سپاہیوں کو روندتی ہوئی پلٹ کر بھاگیں بالآخر 1187ء کو حطین کی فتح مبین نے مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبی جنگوں کا فیصلہ کر دیا۔ اس فتح کے ساتھ ایک ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا جس کا ذکر لین پول اور دوسرے عیسائی مورخین کی تصانیف میں موجود ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صلاح الدین رواداری اور دشمنوں کے ساتھ سلوک میں کتنا عالی ظرف اور بلند حوصلہ انسان تھا لیکن دینی حمیت اور اپنے پیغمبر ﷺ کی حرمت و ناموس کے معاملہ میں بھی اس کا درجہ بہت بلند ہے۔

فتح حطین کے بعد یروشلم کا بادشاہ گامی اور عہد شکن گستاخ رسول ریجی نالڈ، نائٹس

(Knights) مذہبی جانباز اور ان کے امدادی سب صلاح الدین کے جنگی قیدی تھے۔ صلاح الدین نے کھلے میدان میں اپنا خیمہ نصب کر دیا۔ بوڑھوں اور نادار شہریوں کو بغیر زرفدیہ لئے چھوڑ دیا۔ ان میں جو باہر جانا چاہتے تھے ان کو بھی اس کی اجازت تھی۔ نائٹس کے ساتھ اس نے آبرومندانہ سلوک کیا۔ شاہ یروشلم گامی کو اس نے اپنی ساتھ والی کرسی پر عزت وتکریم کے ساتھ جگہ دی اور اپنی مشک سے اسے ٹھنڈے پانی کا پیالہ دیا۔ صلاح الدین کے نہایت قریبی ساتھی قاضی ابن شداد کا بیان ہے کہ بادشاہ گامی نے اس پیالہ کا پانی ریجی نالڈ کو بھی دیا جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ سلطان نے بادشاہ کو بتلایا کہ یہ پانی اس نے اپنی طرف سے ریجی نالڈ کو نہیں دیا کیونکہ اگر پانی یا روٹی دشمن یا پناہ طلب آدمی کو دی جائے تو پھر وہ اس کی امان میں آ جاتا ہے۔ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے سامنے طلب کیا جس پر اس کا خون خشک ہو گیا۔ صلاح الدین نے اسے عہد شکنی، مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور پیغمبر ﷺ کی جناب میں گستاخی کے سارے واقعات یاد دلائے اور کہا کہ اب میں اپنے پیغمبر ﷺ ہی کی مدد سے تمہارا سر قلم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔ اس سے شاہ گامی بہت خوف زدہ ہو گیا لیکن سلطان نے اسے یقین دلایا کہ مسلمان کسی بے گناہ کو جان سے نہیں مارتے۔ صرف وہی لوگ مارے جاتے ہیں جو ان سے ان کے مقابلے پر آ کر لڑتے یا پھر ان کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں پھر اس نے شاہ گامی کو عزت اور احترام اور پورے پروٹوکول کے ساتھ رخصت کیا۔

یہ تھا اس کا سلوک اور برتاؤ، جو اس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا لیکن گستاخ رسول کی سزا سزائے موت ہے، جو اس کی ساری سلطنت میں نافذ تھی۔

سلطان صلاح الدین کی موت بھی اس کی زندگی کی طرح حیرت انگیز تھی۔ وہ سلطان جو مشرق وسطی میں ایک عظیم ایوبی سلطنت کا بانی اور اسلامی دنیا کا طاقت ور ترین حکمران تھا۔ اس نے اپنے ورثہ میں کوئی جائیداد نہیں چھوڑی حتیٰ کہ اس کی تجہیز وتکفین کے لئے اس کے سیکرٹری اور وزیر قاضی فاضل نے حلال آمدن سے قرض لے کر اسے قبر میں اتارا۔ یہ قرض بھی اس کے ایک گھوڑے اور ایک تلوار کو جو مرتے وقت باقی رہ گئے تھے فروخت کر کے ادا کر دیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر اس کے وزیر قاضی فاضل کے علاوہ مغربی مورخین اور کچھ دی انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ملتا ہے۔(14)

سلطنت عثمانیہ(1299تا1924)

عباسی سلطنت کے اختتام پذیر ہونے پر سلجوقی ترکوں نے زمام کار سنبھال لی۔ 1299 میں سلطان عثمان کو جب اقتدار منتقل ہوا تو ترکی میں سلطنت عثمانیہ کے دور کا آغاز ہوا۔ مشرق میں مسلمانوں کی اس عثمانی سلطنت میں جزیرۃ العرب، عراق، مصر اور افریقہ کے اہم ملک شامل تھے۔ اور مغرب میں آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ اور بلقان بھی سلطنت عثمانیہ شامل ہو گئے۔ 1453 میں سلطان محمد ثانی نے 23 برس کی کم عمری اپنی بے مثال جنگی حکمت عملی سے رومن ایمپائیر کے انتہائی اہم اور مرکزی شہر جس کو وہ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے فتح کر لیا۔ اس طرح حدیث رسول مقبول ﷺ کی وہ بشارت پوری ہوئی جس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خوشخبری دی تھی ''تم یقیناً قسطنطنیہ فتح کر لو گے۔ یہ فاتح فوج بھی بہتر ہوگی اور اس کا امیر بھی بہتر ہوگا'' ایا صوفیہ میں داخل ہو کر سلطان نے بارگاہ الہیٰ میں نماز شکرانہ اور نماز ظہر ادا کی۔ اسی کے زمانے میں یونان، بوسنیا، البانیہ، کرمانیہ اور اٹلی کے قریبی علاقے بھی فتح ہوئے۔ سولہویں صدی عیسوی میں سلطنت عثمانیہ مشرق میں ایشاء، افریقہ اور مغرب میں یورپ کی عظیم ترین طاقت ور سلطنت بن گئی۔ اس صدی کی بابت ایک معروف امریکن سکالر مارشل جی ایس ہاگسن (Marshal G.S. Hodgson) لکھتا ہے کہ مشرق کی ایرانی صفوی سلطنت اور برصغیر ہند کی سلطنت مغلیہ اور مشرق و مغرب کی وسیع ترین عثمانی سلطنت میں قدامت پسند (Conservative) روح کارفرما تھی۔ کرین آرم سٹرانگ اپنی کتاب The Battle for God میں اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے خاص طور پر سلطنت عثمانی کے بارے میں کہ وہاں کے حکمران پابند شریعت سخت کوش اور جفاکش تھے۔ راگ و رنگ کی محفلوں سے اجتناب کرتے تھے۔ عدل گستری ان کا شیوہ تھا۔ وہاں کی عدالتوں کی نظر میں حاکم اور رعایا شریعت کے قانون کی رو سے سب برابر تھے چنانچہ اسی سلطان محمد فاتح کے باپ سلطان مراد کا یہ واقعہ تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی جب اس نے دارالسلطنت کی مسجد کے معمار کا ہاتھ اس لیے قلم کر دیا تھا کہ مسجد کی تعمیر میں نقص رہ گیا ہے۔ جب قاضی شہر نے سلطان کو عدالت میں طلب کر کے اسلامی قانون قصاص کے مطابق اس کا اتنا ہی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو سلطان مراد نے حکم الہیٰ کی تعمیل میں اپنا ہاتھ معمار کے سامنے پیش کر دیا اس واقعہ کو علامہ اقبال نے اپنی مثنوی اسرار و رموز میں بڑے ہی دلنشین انداز میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں

یافت مورے برسلیما نے ظفر سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر
پیشِ قرآں بندہ ومولا یکے است بوریا و مسندِ دیبا یکے است

مگر جب ان کے جانشینوں سے اپنے اسلاف کی مجاہدانہ اسپرٹ ختم ہوتی گئی اور انہوں نے زمانہ کی ترقی کا ساتھ نہیں دیا تو 1914 کی پہلی جنگ عظیم میں انہیں جرمنی کے ساتھ شکست کھانی پڑی۔ عظیم عثمانی سلطنت کی شکست وریخت کے بعد مصطفےٰ کمال نے ملک کے لیے مدافعانہ جنگ لڑی۔ 1921 میں انہوں نے یونانیوں سے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لے لیے۔ ملک کا صدر ہونے کے بعد 1924 میں اس نے عثمانی خلافت کو جو خود کو خلافت عباسیہ کا تسلسل یا جانشین سمجھتے تھے اور جس سے دنیا کے مسلمانوں کا ایک ذہنی تعلق تھا ختم کر دیا اور ترکی کے آئین کو سیکولر لادینی آئین قرار دیا جس پر خاص طور سے ہندوستان کے مسلمان نہایت دل گرفتہ ہوئے اس بارے میں اقبال نے کہا تھا۔ چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

لیکن اب پھر سے ترکی میں اسلام کے احیا اور اس کے جمہوری اصولوں کی تجدید ہو رہی ہے جو ایک بڑی خوش آیند بات ہے۔

مسلم سلطنت برصغیر ہند (712ء تا 1857ء)

برصغیر ہند میں مسلمانوں کا دورِ حکومت تو محمد بن قاسم کی سندھ سے ملتان تک کے علاقے فتح ہونے کے بعد شروع ہوا اس کے بعد ہندوستان نے یہاں کئی حکمرانوں کا دور دیکھا۔ غزنوی، غوری کی حکومتوں کے بعد شمس الدین التمش کے دور میں تقریباً سارا ہندوستان اس کے زیر تسلط تھا۔ اس کے بعد خلجی اور تغلق خاندان یہاں حکمران رہے۔ 1526ء میں بابر سے مغلیہ سلطنت کا آغاز ہوا آخری اصلی فرماں روا محی الدین اورنگزیب عالمگیر تھا۔ جس کی سلطنت سارے ہندوستان کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ اس کے بعد بھی بہادر شاہ ظفر تک مغل بادشاہ دہلی کی تخت پر قابض رہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو انگریزوں سے شکست کے بعد مغلیہ سلطنت ختم ہو گئی۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ مسلمانوں کے پورے دورِ حکمرانی میں انہوں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ ان کے جان و مال عزت و آبرو کا تحفظ اپنے ہم مذہب مسلمان شہریوں کی طرح کیا۔ اور ان کے مذہبی معاملات اور رسومات میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ اورنگزیب عالمگیر جو مذہب اسلام پر سختی سے کاربند تھا اس نے بھی ہندوؤں کو اپنے مقدس مقامات اور مندروں کی دیکھ بھال کے لیے جاگیریں دیں۔

ان تمام اسلامی اور مسلمان سلطنتوں اور ان میں شامل بلاد اسلامیہ کا مختصراً جائزہ ہم نے اس لیے لیا ہے کہ تاریخی صداقت دنیا پر آشکار ہو کہ مسلمان جب تک قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنے زمانے کے علوم وفنون سے استفادہ کرتے رہے ترقی کرتے چلے گئے اور اسلام کے انسانیت نواز قوانین سے پیوستہ ہونے کی بدولت ان کی حکومتیں قائم رہیں۔ لیکن جب ان میں اسلام کے قانون کی حکمرانی کی بجائے شخصی حکمرانی کی خرابیاں آ گئیں۔ مخلوق خدا یعنی یعنی اولادِ آدم کی خدمت کی بجائے عیش وعشرت کی زندگی اختیار کر لی۔ سائنس اور جدید علوم سے نا آشنا ہو گئے تو خلافت ارضی اور ان کی سلطنتیں ان سے چھین لی گئیں۔ اور وہ قعر مذلت میں گر گئے مگر ان کی دینی حس یعنی احترام رسالت جو دراصل احترام انسانیت ہے ان میں ابھی زندہ ہے جس کی وجہ سے ان کا وجود بھی دنیا میں باقی ہے۔ دنیا میں عزت وشرف کا مقام دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وکردار اور ان کی تعلیمات اور ان کے قوانین جس میں عز ناموس رسول کو اہم مقام حاصل ہے ان ملکوں میں جہاں وہ حکمران ہیں جاری و ساری کریں تو وہ پھر سے انعام الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے۔

مغل دور حکومت کے دو اہم مقدمات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔ ایک مقدمہ تو اکبر کے دور سے متعلق ہے جبکہ جاہل، ان پڑھ بادشاہ کو اس کے خوشامدی اور چاپلوس درباریوں نے جن میں فیضی اور ابوالفضل پیش پیش تھے اسلام سے بیگانہ کر دیا تھا اور اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا۔ تمام کاروبار حکومت دین الٰہی کے نام سے سیکولر خطوط پر چل رہا تھا۔ اسی تاریخی مقدمہ کا ذکر تفصیلی طور پر اکبر ہی کے ایک نورتن ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی ''منتخب التواریخ'' میں کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (شیخ عبدالغنی قاضی القضاۃ) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا، جس میں بیان کیا گیا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کئے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز وسامان اٹھوا لیا اور اس سے صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی اس نے سخت توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا اور وہ اسے لے آئے۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا بیان کیا اور کہا کہ اس

بات کی تحقیق ہوگئی ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو گالیاں دی تھیں۔اس کی سزا کے معاملہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا اور دوسرا اس کے خلاف تعزیر پر زور دے رہا تھا۔اس معاملہ میں بحث طول پکڑ گئی۔شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے۔ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لئے سفارشیں کرتی رہیں لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا اس لئے اس نے رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔شیخ نے جب اس کے قتل کے لئے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے وہی جواب دیا ہم تو تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب جانو کرو (کیونکہ اس معاملہ کا تعلق شرع سے ہے) جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دے دیا چنانچہ اس کی تعمیل میں اس کی گردن ماری گئی۔

ہندو رانیوں اور خوشامدی درباریوں کے اکسانے کے باوجود اکبر کو بھی یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ شیخ عبدالغنی کو سزائے موت پر عمل درآمد سے روکے کیونکہ علما کی اکثریت شیخ کی تائید میں تھی۔

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت اور اسی لاہور سے متعلق ہے جس کا ذکر ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی۔ایس۔نجار (Dr.B.S Nijjar) نے اپنی کتاب ''پنجاب آخری مغل دور حکومت میں'' جب کہ زکریا خان 1707ء۔1759ء گورنر پنجاب تھا۔اس طرح کیا ہے:

''حقیقت رائے باگھ مل پوری، سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا، جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی۔حقیقت رائے کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا۔جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے کچھ توہین آمیز باتیں کہیں۔

''حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور بی بی فاطمہ ؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لئے بھیجا گیا۔اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔کچھ ہندو افسر زکریا خاں (جو اس وقت گورنر لاہور تھا) کے پاس پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظر ثانی سے انکار کر دیا جس کے اجراء میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی (حضرت فاطمہ ؓ کی گستاخی کی سزا میں) اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی (توہین رسالت پر)۔یہ سال 1734ء

سن عیسوی کا واقعہ ہے جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی لیکن خالصہ کمیونٹی نے آخر کار اس کا انتقام مسلمانوں سے لے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا"۔ اسی کتاب کے صفحہ 279 پر لکھا ہے کہ پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے"۔(15)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ واقعہ ایک متعصب ہندو مورخ لکھ رہا ہے جس کا مقصد سکھوں اور ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف زہر آلود کرنا ہے حالانکہ اسلام نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ کسی مذہب کے رہنماؤں کو برا بھلا نہ کہیں تاکہ انتقاماً خدا یا رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ مسلمان تو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبر ہیں اور ان دوسرے تمام پیغمبروں کا بھی دل و جان سے احترام کرتے ہیں انہوں نے رام چندر جی یا ان کے اوتار کرشن کی تاریخی عظمت سے کبھی انکار نہیں کیا اور نہ ہندوؤں کو ان کی رسوم و عبادات سے روکا جبکہ ان کے مذہب میں بتوں کی پرستش سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں وہ گرونانک کو توحید کے مبلغین میں سمجھتے ہیں اس لئے مسلمان استاد پر یہ الزام کہ اس نے ہندو اوتاروں کی توہین کی قرین قیاس نہیں بلکہ خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت فاطمہ الزہرہؓ کی توہین اور اہانت کی سزا کا تعلق ہے وہ اسلامی قانون کے مطابق کسی دباؤ میں آئے بغیر اس وقت کے مسلمان گورنر پنجاب نے درست طور پر دی تھی مگر اس واقعہ کا پس منظر مصنف ڈاکٹر بی۔ ایس نجار کے متعصب ذہن کی اختراع ہے اور یہ تعصب ساری کتاب میں جابجا نظر آتا ہے۔ مصنف تقسیم ہند کو وحشیانہ اور تاریخ کا ناقابل معافی جرم قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے واقعہ کو کسی اور رنگ میں کیوں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

کتابیات باب پنجم

1. Philip K. Hitti, Capital cities of Arab Islam, p.155.
2. Philip K. Hitti, Capital cities of Arab Islam, p.154.
3. Lane Pool, Moors in Spain, Lahore: Publishers United, p.91.
4. Lane Pool, Moors in Spain, Lahore: Publishers United, p.92.
5. Philip K. Hitti, Capital cities of Arab Islam, p.155.
6. Lane Pool, Moors in Spain, Lahore: Publishers United, p.93.
7. Lane Pool, Moors in Spain, Lahore: Publishers United, p.93.
8. Lane Pool, Moors in Spain, Lahore: Publishers United, p.93.
9. The New Encylopaedia Britainica, Vol.9, p.149.
10. Cambridge medieval history, Vol.3, p.416-417.
11. Reinhart Dozy, Spanish Islam.
12. Keran Armstrong, The History of God, p.229.
13. The New Encylopaedia Britainica, Vol.16, p.177.
14. The New Encylopaedia Britainica, Vol.16, p.177.
15. Punjab under the later Mughals.

ماخذ: تاریخ ابن خلدون، ج۔۳

تاریخ طبری: ابی جعفر محمد بن جریر طبری

تاریخ اسلام: شاہ معین الدین احمد ندوی، دارالمصنفین اعظم گڈھ

سیرت: عمر بن عبدالعزیز، ابن جوزی۔

باب ششم

شہیدانِ ناموس رسالت

غازی علم الدین شہیدؒ۔ ابتدائی حالات زندگی

علم الدین ایک محنت کش نجار ''طالع مند'' کا بیٹا تھا جو طالع ساز گار لے کر پیدا ہوا، جسے ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی تھی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا بخت آور بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔ علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلّہ کی مسجد میں حاصل کی جو اس زمانہ میں بازار سر فروشاں کے نام سے مشہور تھا۔ جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلد ہی اسے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا، جس میں اس نے بڑی جلد ہی مہارت حاصل کر لی۔ علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جس کے والد کی دکان مسجد وزیر خاں کے سامنے واقع تھی۔ ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خاں پہنچے تو وہاں ایک جلسہ عام میں شیطان طینت راج پال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں، جس میں یہ اعلان ہو رہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تقریریں سن کر دونوں دوست تڑپ اٹھے۔ گھر آ کر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا:

''کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے زندہ رہ سکتا ہے؟'' باپ نے جواب دیا: ''بیٹا مسلمان اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''کیا اسے مارنے والے کو سزا ملے گی؟'' علم الدین نے باپ سے دریافت کیا۔

''ہاں بیٹا یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اس کو پھانسی کی سزا ملے گی۔'' باپ نے جواب دیا۔ یہ سوال سن کر طالع مند فکر مند ضرور ہوا ہوگا کہ اس کا بیٹا آج ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ علم الدین نے گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر آتمارام کباڑیئے کی دکان سے ایک چاقو خریدا۔ پھر راج پال کی دکان پر پہنچ کر اسے قتل کر دیا۔ مقتول کے ملازمین نے جب علم الدین پر قابو پا لیا تو وہ خوشی سے چیخ اٹھا ''میں نے اپنے نبی ﷺ کا بدلہ لے لیا۔'' 22.5.1929 کو مسٹر جے کے ایم ٹیپ سیشن جج لاہور کی عدالت نے زیر دفعہ 302 تعزیرات ہند اس کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور مثل حسب ضابطہ توثیق کے لئے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی۔ والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی۔ جس کی پیروی اس وقت کے چوٹی کے

قانون دان اور اسلامیان ہند کے رہنما قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی، جب کہ دیوان رام لال وکیل سرکار تھا۔ مقدمہ کی سماعت جسٹس براڈوے اور جسٹس جان اسٹون نے کی۔

قائداعظم کی بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے ''رنگیلا رسول'' جیسی قابل اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے جس کی وجہ سے ملزم کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی، اس لئے ملزم نے قتلِ عمد کا ارتکاب نہیں کیا اور وہ کم عمر بھی ہے، لہٰذا اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اس کے جواب میں وکیل سرکار نے من جملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبر اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات ہے، لیکن تعزیرات ہند میں اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں، مگر ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد لاہور ہائی کورٹ نے 17 جولائی 1929ء کو سیشن کورٹ کی سزائے موت کے فیصلہ کی توثیق کی۔ مسلمان زعماء کے اصرار پر اس فیصلہ کو پریوی کونسل میں اس خیال سے چیلنج کر دیا گیا کہ شاید وہاں سے ایسی فرقہ وارانہ منافرت اور اشتعال انگیزی کے خلاف مسلمانوں کو کوئی داد رسی مل سکے، لیکن یہ خیال خام نکلا اور پریوی کونسل نے مذہبی اشتعال انگیزی پر اظہار رائے کے بغیر ہی اپیل 5 نومبر 1929ء کو نامنظور کر دی۔ جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ خوشی سے چیخ اٹھے اور کہا۔ ''اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ مجھے شہادت نصیب ہو رہی ہے اور بارگاہِ رسالت میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے۔''

والدین اور عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ وہ ان کا دودھ بخش دے۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے۔ ''ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے۔ مجھے تو ہنسی خوشی رخصت کرنا چاہیے۔'' پھر علم الدین نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالے سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو بھی پانی پلا کر پوچھا کہ انہیں بھی اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے! سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے: مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔'' پھر ان سب سے کہا کہ کوئی ان کی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انہیں اس سے تکلیف ہوگی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کے لئے یہ بات بطور خاص لکھوائی کہ ان کے سولی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حقدار ہوگا اور انہیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شرع محمدی پر قائم رہیں۔

انجام کار 31 نومبر 1929ء کو وہ دن آپہنچا جس کے لئے علم الدین بے تاب تھے۔
لیکن نقص امن کے اندیشہ کے پیش نظر میانوالی جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہید نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں۔ کاروبار معطل ہو گیا۔ برہنہ پا اور برہنہ سر ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس پر اکابرین ملت جن میں علامہ اقبال پیش پیش تھے، سر محمد شفیع، جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو اس یقین دہانی پر کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے، حکومت نعش ان کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ جیل میں تدفین کے تیرہویں دن مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئی۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔
شہید کی میت جب جنازگاہ پہنچی تو طالع مند نے اپنے لخت جگر کی نماز جنازہ کی امامت کا حق وقت کے سب سے بڑے عاشق رسول علامہ اقبال کو یہ جانتے ہوئے سونپ دیا کہ دراصل یہ ان ہی کا حق ہے۔ علامہ پر ایک عجیب رقت طاری تھی اس لئے انہوں نے اس دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے کسی اور بزرگ کا نام تجویز کیا۔ لیکن وہ اس ہجوم بے کراں میں گم تھے، اس لئے مسجد وزیر خاں کے خدا ترس خطیب مولانا محمد شمس الدین کا نام تجویز ہوا۔ جنہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس شہید رسالت کی لحد میں تدفین سے قبل اتر کر کہا: ''کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی۔'' شہید کے لاشے کو اشکبار آنکھوں سے اقبال جیسے شیدائی رسول نے قبر میں اتارا۔
اس طرح مرقد کے شبستان کو جگمگا کر اس جواں سال شہید نے حیات ملی کو تب و تاب جاودانہ بخش دی، جس کے صلہ میں اسے شہادت کا رتبہ بلند نصیب ہوا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ''یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا۔'' (1)

غازی عبدالقیوم شہید

غازی عبدالقیوم کا واقعہ شہادت بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔ اس نوجوان مرد مجاہد کا تعلق غازی آباد ضلع ہزارہ کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔ گاؤں سے وہ تلاش روزگار میں کراچی آیا،

جہاں اسے رزق حلال کے لئے گھوڑا گاڑی مل گئی، جس کی آمدن سے وہ اپنی بوڑھی ماں، بیوہ بہن اور ضعیف چچا اور نوبیاہتا بیوی کی کفالت کر رہا تھا۔ فجر اور عشاء کی نماز وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز امام مسجد نے اہل مسجد کو اشکبار آنکھوں سے بتلایا کہ ایک خبیث ہندو نتھو رام نے آقائے نامدار ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ غازی عبدالقیوم نے جب یہ بات سنی تو تڑپ اٹھا اور اس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اسی وقت اس نے صحن مسجد میں اپنے رب سے عہد کیا کہ وہ اس کافر کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہ نتھو رام آریہ سماجی ہندو تھا، جس نے سال 1933ء میں ''ہسٹری آف اسلام'' (History of Islam) نامی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات اقدس کو ہدف تنقید و ملامت بنایا اور شان رسالت میں گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے۔ جس سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا اور سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت نے نقص امن کے اندیشہ سے ملزم کے خلاف فوجداری مقدمہ قائم کر کے اسے ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا دی لیکن مارچ 1934ء میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل پر کراچی کے جوڈیشل کمشنر نے اس کی عبوری ضمانت منظور کر لی۔ نتھو رام کا مقدمہ سماعت کے لئے جس دن سندھ چیف کورٹ کے دو انگریز ججوں کی بنچ کے سامنے پیش ہونا تھا اس دن نتھو رام اپنے وکلاء اور ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہوا کورٹ روم میں داخل ہوا۔ عدالت کے باہر ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں فیصلہ سننے کے لئے کھڑے تھے۔ مقدمہ کی سماعت سے کچھ دیر قبل شہ عرب وعجم ﷺ کا یہ نوخیز غلام عبدالقیوم کمرہ عدالت میں اس ہندو مصنف نتھو رام کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا موقع پاتے ہی اپنی شلوار کے نیفہ میں چھپا ہوا تیز دھار خنجر نکال کر عقاب کی طرح اس پر جھپٹا اور اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔ نتھو رام منہ کے بل زمین پر گر پڑا تو اس خیال سے کہ کہیں وہ زندہ بچ نہ جائے، اس نے اپنی پوری قوت سے ایک اور وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ اس کے بعد نہایت اطمینان اور سکون سے اس نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ عدالت میں اس واقعہ سے بھگدڑ مچ گئی اور جج بھی اس اچانک واردات سے خوفزدہ اور سراسیمہ ہو گئے عبدالقیوم گرفتار ہو گیا تو ایک انگریز جج نے اس سے کہا ''آخر تو نے اسے مار دیا! اسے اس بھری عدالت میں اس طرح واردات کی جرأت کیسے ہوئی؟'' تو اس نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، ہم

اپنے دین اور دنیا کے شہنشاہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کیسے معاف کر دیتا۔'' اس نے اپنی طرف سے وکیل صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن کراچی کے نامور بیرسٹر سید محمد اسلم کی وکالت پر اس بات پر راضی ہوا کہ وہ اپنے اقبال جرم کے بیان سے کبھی منحرف نہ ہوگا بیرسٹر موصوف نے انگریز ججوں کی عدالت میں نہایت بے باکی سے اس مرد مجاہد کا مقدمہ لڑا لیکن اقبال جرم پر کورٹ سے غازی عبدالقیوم کو سزائے موت سنائی گئی تو وہ نوجوان مرد مجاہد اپنی خوشی اور مسرت ضبط نہ کر سکا اور بے اختیار اس کی زبان سے حمد و ثنا کی صدا بلند ہوئی۔ جب اس کو سزائے موت سنائی گئی تو اس نے ججوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کہ میرے ہاتھوں وہ خبیث جہنم رسید ہوا اور میرے رب نے شہادت جیسی نعمت سے سرفراز کیا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے اگر ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو وہ سب میرے آقا اور مولا پر قربان۔''

یہ بھی ایک عاشق کا جنازہ تھا، اس لئے بڑی دھوم سے نکلا اور ہزاروں مسلمان جب میوہ شاہ کے قبرستان اس شہید کے جنازے کو لے جا رہے تھے اور درود و سلام کے نغمات سے فضا گونج رہی تھی، ایسے میں حکومت افرنگ کے فرعون مزاج فوجیوں نے عاشقان ناموس رسول کے اس ہجوم پر اچانک گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس کے نتیجہ میں کئی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ معصوم عورتیں اور بچے جو مکانوں کی چھتوں سے اس خونیں کفن شہید کے لاشے پر گل پاشی کر رہے تھے، ان کی شقاوت کا نشانہ بنے اور اس دن وہ سب شہیدان ناموس رسالت اس فدائی رسول کے ساتھ جنت الفردوس میں زیر سایہ دامان رسالت پہنچ گئے۔

ان پے در پے واقعات سے مسلمانوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے۔ وہ حکومت وقت سے توقع رکھتے تھے کہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔ لیکن اس کے غیر انسانی رویہ سے رنج و الم کے ساتھ ساتھ ان میں احساس محرومی پیدا ہوا تو کراچی کے معززین کا ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا کہ وہ وائسرائے سے سفارش کر کے عبدالقیوم کی سزا عمر قید میں تبدیل کرائیں۔ کچھ دیر تو علامہ گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر عجیب تیوروں کے ساتھ پوچھا: ''کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟'' جواب ملا بالکل نہیں علامہ فرمانے لگے جب وہ خود شہادت کا طلبگار ہے تو میں کیوں اس کی راہ میں حائل ہو جاؤں۔ لیکن ان کے ادراک و شعور اور فراستِ ایمانی نے ان کے اس اندرونی کرب و ملال کو محسوس کر کے انہیں حوصلہ دیا اور شہادت کی موت کی قدر و قیمت سے انہیں آگاہ کیا۔ ''ضرب کلیم'' میں ان ہی واقعات خونچکاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

''لاہوراور کراچی'' لاہور۔ غازی علم الدین شہید، کراچی غازی عبدالقیوم شہید کے عنوان نے انہوں نے قوم کو یہ پیغام دیا: کہ وہ اہل کلیسا سے ان شہیدوں کا خون بہا طلب نہ کرے۔ (2)

لاہور و کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالمِ معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر!

ایک گمنام شہید رسالت اور سر محمد شفیع

نام و ناموس مصطفیٰ ﷺ پر نذرانہ دل و جاں پیش کرنے والے گمنام شہیدوں کی تعداد ساری دنیا میں یوں تو ستاروں کی مانند بے حد وحساب ہے۔ ان کے خون کے چھینٹوں سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں۔ میرے بعد آنے والا کوئی محقق ان کے بارے میں بھی تفصیلات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔ ان میں ایک گمنام شہید کا واقعہ لاہور ہائی کورٹ سے متعلق ہے، جس نے اس دور کے انگریز ججوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے۔ ایک انگریز میجر کی بیوی نے اپنے مسلمان خانساماں کے سامنے حضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کئے، جس پر اس مرد غیرت مند نے اسی وقت اس انگریز میم کا کام تمام کر دیا۔ یہ مقدمہ جب لاہور ہائی کورٹ پہنچا تو ڈویژن بنچ میں دو انگریز جج اس مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے۔ ملزم کی جانب سے اس وقت پنجاب کے رہنما اور ممتاز قانون دان میاں سر محمد شفیع، جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے، مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ یہاں ہمیں سر محمد شفیع کے سیاسی معتقدات سے بحث نہیں، بلکہ سرکار دربار میں رسائی کے باوجود ان کی دینی حس کو بتلانا مقصود ہے۔ اس مقدمہ میں دوران بحث میاں محمد شفیع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، جس پر مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججوں نے حیرت سے پوچھا: ''سر شفیع! کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے؟'' جس پر سر شفیع نے جواب دیا: ''جناب آپ کو نہیں معلوم، ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو شاید وہ یہی

کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے۔" یہ واقعہ راقم کو راجہ سید اکبر مرحوم ایڈووکیٹ جنرل پنجاب اور سابق صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے سنایا تھا۔ افسوس کہ اس مردِ مجاہد کا نام اور ان ججوں کے نام راجہ صاحب مرحوم کی یادداشت میں محفوظ نہیں تھے۔

سرگزشتِ عاشقانِ رسول

مرکز عشق و محبت

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات گرامی سے عشق و محبت ہر مسلمان کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح شاخ گل کے ریشہ ریشہ میں بادنسیم صبح کا نم رچا اور بسا ہوا ہے جو اسے زندگی اور تروتازگی بخشتا ہے۔ یہی وہ نقطہ پرکار عشق ہے جس کے گرد اس کی ساری کائنات گھومتی ہے۔ آپ سے والہانہ عقیدت ہی ایک مسلمان کا اصل سرمایہ حیات ہے۔ بلاشبہ فطری طور پر اسے اپنی جان و مال، اپنے ماں باپ اور اولاد سے پیار ہوتا ہے لیکن ایک ہستی ایسی بھی ہے جو اسے ان سب سے محبوب تر ہے اور وہ ہستی ہے سرور کائنات جناب رسالت مآب ﷺ کی، جن کے نام و ناموس پر سب کچھ قربان کر دینے کو وہ حاصل زندگی سمجھتا ہے چنانچہ ظہور ختم المرسلین ﷺ کے بعد سے آج تک کے واقعات اس آیت کتاب کی ترجمانی کرتے چلے آ رہے ہیں، جس میں صاف صاف بتلایا گیا ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم

''نبی تو اہل ایمان کے لئے ان ان کی ذات پر مقدم ہیں''۔

(الاحزاب:6)

اس آیہ مبارکہ کی مزید تشریح خود اس حدیث رسول نے کر دی:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین

''تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے باپ، بیٹے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر میرے لئے محبت موجزن نہ ہو''۔

میرے مشفق دیرینہ حفیظ جالندھری مرحوم نے اسی مضمون کو کچھ اس طرح زبان شعر میں بیان کیا ہے۔

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال و جاں، اولاد سے پیارا

یہ عقیدہ محبت ہر دور میں ایک زندہ اور تابندہ حقیقت بن کر جریدہ عالم پر ثبت ہوتا رہا ہے اور اس پر تاریخ کی کسی جرح سے نہ ٹوٹنے والی شہادت موجود ہے۔

عاشقان رسول دورِ رسالت میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شمع رسالت پر جس طرح پروانہ وار نثار ہوتے تھے، اس کی مثال اور نظیر سے تاریخ کے اوراق یکسر خالی نظر آتے ہیں، اسی لئے اس دور کو خیرالقرون کہا گیا ہے۔

سوز صدیقؓ: پیکر صدق وصفا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ساری زندگی اسی عشق مصطفوی سے سرشار نظر آتی ہے۔ شہادت گہ الفت میں قدم رکھتے ہی ہجوم بلا میں گھر گئے۔ گفتار صدق مایہ آزار بن گیا۔ شہادت حق ورسالت پر کفار مکہ نے آپ کو نرغہ میں لے کر اس بری طرح زدوکوب کیا کہ آپ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ کافروں نے مردہ سمجھ کر وہیں چھوڑ دیا۔ قبیلہ بنی تمیم کے اقربا کو جب اس کی خبر ملی تو وہ اس خستہ ونیم جان کو چادر میں لپیٹ کر گھر لے آئے۔ جب ذرا ہوش آیا اور آنکھ کھلی تو زبان پر سب سے پہلے آقا ہی کا نام آیا پوچھا: ''رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟'' اپنی جان کی کوئی پروانہ تھی، فکر تھی تو صرف محبوب ﷺ کی سلامتی کی۔ خاندان والوں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ رفاقت مصائب وآلام کا پیش خیمہ ہے لیکن یہ جنون عشق کے انداز کہاں چھٹنے والے تھے! اس لئے اہل قبیلہ نے بھی قطع تعلق کرلیا۔ یہ سب کچھ منظور تھا لیکن فراق یار کسی صورت گوارا نہ ہوسکا۔ اسی حالت میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ زخم ہائے خونچکاں پر نظر پڑی تو خود آقا ﷺ نے انہیں فرط محبت سے چوم لیا۔ سفر میں حضر میں، غرض کہ زندگی کے ہر ہر قدم پر ثانی اثنینؓ نے حق رفاقت ادا کیا۔ راہ حق میں جہاد کے موقع پر تمام اثاث البیت اور مال و متاع لاکر محبوب ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیا:

بولے حضور: چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جب حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ

ابو بکرؓ سے زیادہ کسی اور کے جان و مال سے ہمیں فائدہ نہیں پہنچا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور روتے ہوئے عرض کیا ''یا رسول اللہ میری جان اور میرا مال آپ کے سوا اور کس کے لئے ہیں؟'' یہ روایت مسند امام احمد بن حنبلؒ میں بالتفصیل آئی ہے۔

سفر ہجرت میں قدم قدم پر اندوہ ناک مصائب اور موت کا سامنا ہے لیکن رفاقت حبیب کے سامنے یہ مصائب کیا ہیں؟ یہ موت کیا چیز ہے؟ بیٹا اگر دشمنان رسول کے ساتھ ہے تو اس کی گردن اڑانے کے لئے صدیقؓ کی تیغ بے نیام ہے۔ آقا علیہ السلام نے ایک غلام زادے اسامہ بن زیدؓ کو قبل از وصال اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر فرمادیا تھا تو ابو بکرؓ سربراہ مملکت اسلام اس کی رکاب تھامے پاپیادہ اسے رخصت کرنے جا رہے ہیں۔ مصلحت وقت کے پیش نظر اکابر صحابہ، جن میں حضرت عمر فاروقؓ پیش پیش ہیں، نوجوان اسامہؓ کی بجائے کسی اور تجربہ کار سردار کو قائد لشکر بنانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ اس پر غضب ناک ہو کر فرمایا ''ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ آقا علیہ السلام کے مقرر کردہ امیر کی بجائے کسی اور کو امارت سپرد کر دے۔ خدا کی قسم اگر جنگل کے بھیڑیے بھی مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تب بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہیں آؤں گا جسے اللہ کے رسول علیہ السلام نے کرنے کا حکم دیا ہے''۔(3)

ایک مرتبہ جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر فرمایا ''اللہ کا رسول علیہ السلام مجھے اللہ سے عزیز تر ہے کیونکہ اس کے بغیر مجھے عرفان حق کہاں نصیب ہوتا!''

اس واقعہ کو اقبالؒ نے یوں نظم کیا ہے:

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدہ صدیقؓ اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

عشق حیدر رضی اللہ عنہ

ذات مرتضویؓ کمال عشق و مستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ شب ہجرت بستر رسول پر دشمنوں کی تلواروں کے سایہ میں سوائے حیدر کرارؓ اور کون سو سکتا تھا! خیبر شکن قوت کا سرچشمہ عشق رسول ہاشمی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ساری زندگی فقر و فاقہ اور نان جویں پر گزار دی۔ بیت المال کا تمام مال و اسباب امت پر تقسیم کرتے رہے کہ یہی طریق رسول تھا۔

ابن ملجم کو خود ہی دعوت دی کہ اے دشمن خدا تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی اور جب اس ملعون کی تلوار آپ کے فرق مبارک کو کاٹتی چلی گئی تو موت کا استقبال کرتے ہوئے پکار اٹھے "رب کعبہ کی قسم! آج میں کامیاب ہوا"۔ اور یہ کامیابی اس لئے تھی کہ شہادت وصال حبیب ﷺ کا پیام بن کر نمودار ہوئی۔ (4)

شہید اول

حضرت حارثؓ شیدائی رسول تھے۔ جب انہیں خبر ملی کہ کفار مکہ آقا ﷺ کے درپے آزار ہیں تو یہ جانثار مصطفی ﷺ سینہ سپر ہو کر تن تنہا دشمنوں کے مقابلہ پر نکل آیا اور مولائے کائنات ﷺ پر نثار ہو کر بارگاہ رسالت سے شہید اول کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

مقام خبیب رضی اللہ عنہ

حضرت خبیبؓ کو قید و بند، بھوک اور پیاس کی اذیتوں نے عشق مصطفوی کی لذتوں سے ہمکنار کیا۔ شہادت گہ الفت سے جب انہیں مقتل کی طرف لایا گیا تو اس عزم و شوق سے سوئے دار چلے کہ حاصل عمر نثار رہ یار کریں۔ مقتل میں ایک بار پھر دین محمد کو چھوڑنے پر جان بخشی کی ضمانت دی گئی لیکن ان عقل کے اندھوں کو کون سمجھاتا کہ یہاں آئے ہی اس لئے تھے کہ آقا ﷺ پر اپنی متاع حیات نچھاور کریں۔ صاف انکار کر دیا اور دیوانہ وار دار و رسن کی طرف بڑھ کر جان حزیں آقا ﷺ پر نثار کر دی۔ اس طرح اپنے خون سے داستان عشق رقم کرتے ہوئے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ کیا ہی سچی بات کہی ہے مولانا ظفر علی خان نے۔

کٹ مروں جب تک نہ میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

حضرت زید رضی اللہ عنہ

جناب زیدؓ بھی اسی سج دھج سے مقتل پہنچے۔ مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ تختہ دار پر لا کر پوچھا گیا، کیا تمہیں منظور ہے کہ تمہارے بدلہ میں محمد ﷺ کا سر قلم کیا جائے۔ اس پر اس عاشق صادقؓ نے جواب دیا "مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری جان کے بدلہ میں میرے آقا ﷺ کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے"۔ اس واقعہ کو مولانا ظفر علی خان نے نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔

پرستارانِ لات و نصر مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے
قریش اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے آئے
جبین زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبح اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے
یہ اطمینانِ خاطر دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے
ابوسفیان پکارا کیا ہی اچھا ہو محمد کو
ترے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے
تڑپ اٹھتا ہوں جس دم وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقت ذبح جو اس مومن کامل نے دہرائے
مجھے ناز اپنی قسمت پر ہے کہ جب نام محمد پر
یہ سرکٹ جائے اور ان کا سر پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ گوارا ہے پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

پیغامِ سعدؓ

غزوہ احد میں جب دشمنوں نے یہ افواہ اڑادی کہ (خاکم بدہن) محمد ﷺ مارے گئے تو مسلمانوں میں سراسیمگی طاری ہوئی۔ حضرت انسؓ بن مالک کے چچا حضرت ابن نضرؓ تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ یہ کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے اور اسی (80) سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہوئے پھر جب حضرت کعب ابن مالکؓ نے اعلان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ زندہ اور سلامت ہیں تو مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابودجانہؓ نے دشمنوں کے سارے وار اپنے جسم پر روکے۔ اسی اثنا حضور نے سعد بن ربیع کے بارے میں دریافت فرمایا، جس پر ایک انصاری ان کی تلاش میں نکلے۔ زخمیوں اور شہیدوں کے درمیان ڈھونڈتے ہوئے جب ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ زندگی کی رمق ابھی ان

میں باقی ہے کہا ''حضور ﷺ نے مجھے تمہاری خبر لانے کے لئے بھیجا ہے''۔ اس پر اس عشق و محبت کے راز دار نے کہا ''اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پس از سلام یہ عرض کرنا کہ سعد آپ ﷺ پر نثار ہو گیا کیونکہ اب صرف چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ سے یہ عرض بھی کرنا کہ اللہ آپ کو پیغمبروں کے شایان شان اجر عطا کرے''۔ اس کے بعد سعدؓ نے انصار اور مہاجرین کو یہ پیغام دیا ''اگر تمہارے جسم میں ذرا سی بھی جان ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی گزند پہنچے تو اللہ کے حضور تمہارا کوئی عذر بھی قابل قبول نہ ہوگا''۔ یہ کہتے کہتے اس عاشق صادق نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔(5)

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

تمنائے عشق

صحابہ و صحابیات رسول چاہے وہ بوڑھے ہوں یا جوان، عورتیں ہوں یا بچے، سب کی یہی خواہش اور تمنا تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا پر جان نثار کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ یہ شرف انبیائے کرام میں سے کسی اور نبی کو نصیب نہ ہوا کہ اس کے امتی اس کے لئے جی جان سے لڑ مرنے کے تیار رہے ہوں۔ یوسف علیہ السلام کو خود برادران یوسف نے اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ حسن یوسفؑ پر فریفتہ ہو کر زنان مصر نے صرف اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں لیکن یہاں تو ان کے اشارہ چشم پر سر کٹانے کے لئے ہر وابستہ دامان رسالت سر بکف نظر آئے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو سرزمین کنعان میں داخل ہونے کا حکم دیا تو قوم نے کہا:

اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا خدا (ان سے) قتال کے لئے۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے''۔(المائدہ:23)

فاذهب انت و ربک فقاتلا انا ھاھنا قاعدون

مسیح علیہ السلام کو جب صلیب کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ان کے سارے حواریوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ چیخ اٹھے ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' اے خدا، اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ لیکن یہاں تو بچہ بچہ اپنے نبی ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنے کے لئے بے برقرار ہے۔

معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما

معرکہ بدر میں معاذؓ اور معوذؓ دو کمسن نوجوان انصاری بچوں نے دشمن رسول ابوجہل کا صف

اعداء میں گھس کر کام تمام کیا اور اس معرکہ کفر و دیں میں ان دونوں نے جس طرح داد شجاعت دی اور پھر معوذؓ اپنے آقا پر قربان ہو گیا۔ اس پر غالب کا یہ مصرعہ بے اختیار زبان پر آتا ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

احترام و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

احترام اور عشق رسول کے یوں واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں صرف ایک واقعہ کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے، جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ان ذوات قدسی کے دلوں میں آپ کا کیا مقام اور آپ کے لئے کتنا احترام تھا۔ یاران نبی تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس سے اندیشہ ہو کہ وہ طبع حضور ﷺ پر گراں گزرے اور ایسی بات آپ کے وصال کے بعد بھی کسی سے سرزد ہو۔

ایک صحابی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ دستر خوان پر کدو کا سالن لایا گیا تو اس ذوق و شوق کے ساتھ کھانے لگے گویا خوان نعمت آسمان سے ان کے لئے اتارا گیا ہے فرمانے لگے "یہ میرے آقا کی محبوب غذا تھی"۔ ان کا ایک صاحبزادہ جو پاس ہی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، بے خیالی میں بول پڑا "لیکن مجھے تو یہ پسند نہیں"۔ یہ سننا تھا کہ فوراً ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تلوار نکال لائے اور اسے جان سے مارنے کے لئے دوڑے غصہ اس بات پر تھا کہ اسے ایسی بات کہنے کی جرات کیسے ہوئی! افراد خاندان نے بیچ بچاؤ کر کے لڑکے کو بچا لیا لیکن باپ نے عمر بھر اس کی صورت نہیں دیکھی۔ وقت رحلت جب بیٹا شرمسار اور معافی کا خواستگار ہو کر سامنے آیا تو منہ پھیر لیا اور کہا۔ "ایسی اولاد کی صورت دیکھ کر میں اپنے آقا کو کیا منہ دکھاؤں گا"۔

عشق اویس قرنیؒ۔ منفرد اندازِ عشق

عشق کا ایک اور انداز دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک صحرا نشین اویس قرنیؒ کو کبھی حضوری حبیب ﷺ نصیب نہیں ہوئی۔ غزوات میں شرکت کے لئے بے تاب کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جان نثار کر دیں۔ لیکن نبی رحمت ﷺ کا حکم کہ ماں کو اکیلا چھوڑ کر نہ آئیں عجیب کشمکش و اضطراب ہے۔ خبر ملی کہ غزوہ احد میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے کوئی دانت شہید ہوا ہے اس کے بعد کہاں گوارہ کہ اپنے منہ میں وہ دانت باقی رہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہ کون سا دانت تھا۔ اس لئے وفور محبت میں اپنے سارے دانت توڑ ڈالے۔(6)

جان نثار خواتین

سمیہؓ......شہید اول خاتون

اس دور کی عورتیں بھی جذبہ سرفروشی اور جاں نثاری میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں بلکہ پیش پیش تھیں۔ رسول کریم ﷺ کی دعوت حق پر اپنے شوہر یاسرؓ اور اپنے صاحبزادے عمارؓ کے ساتھ ایمان لانے والوں میں حضرت سمیہؓ کا شمار "سابقات الاولین" میں ہوتا ہے۔ اسلام لاتے ہی اس خاندان پر مصائب و آلام کی جو یورش ہوئی وہ ہی اندوہ ناک اور جاں گسل داستان ہے۔ مشرکین مکہ دین محمد ﷺ قبول کرنے کی پاداش میں انہیں گھسیٹتے لیکن یہ بلا کشان محبت اس مرحلہ سخت جان میں بھی ثابت قدم نکلے۔ اس پر ابوجہل بوکھلا اٹھا اور دشنام طرازیوں پر اتر آیا اور طیش میں آ کر اس مظلوم اور ستم رسیدہ خاتون کو اس نے برچھی ماری جو جگر کے پار ہوئی۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی خاتون ہیں جنہیں عشق محمد میں شہادت کا رتبہ بلند نصیب ہوا۔(7)

اس صحابیہ رسول کے جذبہ عشق کا کیا کہنا جو میدان کارزار میں اپنے باپ، اپنے بھائی اور اپنے شوہر کی شہادت کی حال سن کر کہنے لگی "مجھے صرف یہ بتلاؤ کہ میرے آقا ﷺ کس حال میں ہیں؟" جب بتلایا گیا کہ حضور سلامت ہیں اور پھر چہرہ انور کو دیکھ لیا تو خوشی سے بے اختیار پکار اٹھیں "اب کوئی مصیبت میرے لئے مصیبت نہیں رہی"۔ اس واقعہ کو مولانا شبلی نعمانی نے اس طرح نظم کیا ہے:

کافروں نے یہ کیا جنگ احد میں مشہور
کہ پیغمبر بھی ہوئے کشتہ شمشیر دو دم
ہو کے مشہور مدینے میں جو پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدہ حسرت و غم
ہو کے بے تاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں جو کہ تھیں پردہ نشینان عفاف
جس میں تھیں سیدہ پاک بھی بادیدہ نم
ایک خاتون کے انصار نکو نام سے تھیں

سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس ان کے بہم
موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بیٹے نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہ الم
اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلا دو کیسے ہیں شہنشاہ امم
سب نے دی اس کو شہادت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم

خنساؓ اور فرزندان خنساؓ

خنساؓ کا عربی ادب و شاعری میں جو مقام و مرتبہ ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ جاہلی دور میں انہوں نے اپنے عزیز بھائی کی موت پر جو مرثیہ لکھا تھا وہ کلاسیکل ادب کا حصہ ہے۔ اس مرثیہ کے دو مصرعوں ہی سے اُس کے اندرونی کرب و ملال اور انتہائی غم و اندوہ کا اندازہ ہو سکتا ہے جو انہیں اپنے بھائی کی وفات پر ہوا تھا۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا
و ذکرہ بکل غروب الشمس

ہر روز طلوع آفتاب کے ساتھ صخرا کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ہر روز غروب آفتاب پر شام غم اس کی یاد میں گزرتی ہے۔ صبح و شام اور روز و شب اسی ایک بھائی کے سانحہ مرگ پر ماتم کناں تھیں لیکن رسول انس و جاں ﷺ پر ایمان لانے کے بعد وہ عشق رسول میں ایسی ڈوب گئیں کہ اس کے بعد انہیں کسی اور کا ہوش ہی نہیں رہا۔ جنگ قادسیہ میں ان کے تمام لخت جگر ایک ایک کر کے آقا ﷺ کے دین حق پر کٹ مرے اور جب خنساؓ کو ان کے آخری فرزند کی شہادت کی خبر بھی دی گئی

تو وہ خوشی سے یہ کہتے ہوئے چیخ اٹھیں۔''الحمد للہ الذی اکرمنی بشادتھم ''شکر ہے پروردگار کا جس نے میرے بیٹوں کو شہادت سے سرفراز فرمایا اور میں مستحق کرامت ٹھہری۔(8)

ام عمارہؓ

غزوہ احد میں حضور رسالت پناہ کی حفاظت کے لئے ام عمارہؓ نے جس بے مثال جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن قمیہ جیسے موذی دشمن رسول کو میدان جنگ سے مار بھگایا اور جسم پر کاری زخم کھانے کے باوجود جس بے جگری سے سینہ سپر ہو کر لڑتی رہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا''ام عمارہ تو نے مردوں سے بڑھ کر بہادری دکھلائی ہے اور جتنی طاقت تجھ میں ہے، وہ کسی اور میں کہاں''۔اور رسول کریم ﷺ نے خود ان کے زخموں پر پٹی بندھوائی اور پوچھا''بتاؤ کیا چاہتی ہو؟''عرض کیا''اے اللہ کے رسول! میرے لئے دعا کیجئے کہ آخرت میں بھی آپ کے قدموں میں جگہ نصیب ہو''۔جب حضور آیہ رحمت ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو کہنے لگیں''ما ابالی ااصابنی من الدنیا''(اب دنیا میں کسی مصیبت کی مجھے پروانہیں) پھر اپنے زخمی فرزند عبداللہ سے کہا''بیٹا آخر دم تک دشمنوں سے برسر پیکار رہنا''۔

پاک و ہند کے شیدایان رسول

جذبہ عشق و محبت سے امت مسلمہ ہمیشہ سرشار رہی ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہ جذبہ بلند سوائے مسلمانوں کے کسی اور قوم اور ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ ان تمام واقعات کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم صرف چند ایک واقعات کا مختصراً ذکر کریں گے، جن کا ناموس رسالت سے تعلق ہے، جو اسی جذبہ عشق کے مظہر ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر

برصغیر ہند کی جدوجہد آزادی میں مولانا محمد علی جوہر کا جو حصہ ہے، اسے کون نہیں جانتا لیکن سرکار رسالت مآب سے انہیں جو بے پناہ عقیدت تھی، اس کی بدولت خاک قدس نے اسلام کے اس بطل جلیل کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اس عقیدت و احترام کے اظہار میں برٹش امپریلزم کے سطوت و جلال اور اس کی قہرمان عدالتوں کا رعب و دبدبہ بھی اس شیدائی رسول کے جذبہ بے باک کے مانع نہ آ سکا۔ سال 1921ء میں مولانا جوہر اور دیگر رہنماؤں کو برطانوی حکومت کے خلاف جرم بغاوت کی پاداش میں گرفتار کر کے کراچی لایا گیا ہے جہاں ان کا مقدمہ ایک انگریز جج کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ مولانا محمد علی اراکین جیوری سے خطاب کرتے ہوئے انگریزی قانون بغاوت کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرتے جا رہے ہیں کہ ایک مسلمان سب سے پہلے اپنے پیغمبر ﷺ کے لائے ہوئے قانون کا وفادار ہے، جس کی رو سے اس پر برطانوی فوج میں ملازمت حرام ہے۔ اس تاریخی خطاب میں وہ اپنے آقا و مولا ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا، جو انسانی آزادی کا اولین چارٹر ہے، حوالہ دینا چاہتے ہیں۔ اس پر مولانا اور عدالت میں جو مکالمہ ہوا وہ بڑا ہی ایمان افروز ہے اور اس سے ان کا ذات رسالت مآب ﷺ سے عشق و محبت، احترام و عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوران بحث جب مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا تو انگریز جج نے کہا: ''چھوڑو اپنے پیغمبر کی بات'' مولانا: (طیش میں آ کر) کروں گا اور ضرور کروں گا اپنے پیغمبر ﷺ کی بات۔ واپس لو اپنے الفاظ (پوری قوت کے ساتھ) میں کہتا ہوں واپس لو اپنے الفاظ، خبردار! جو شخص بھی میرے پیغمبر ﷺ کی شان میں گستاخی کرے گا، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے میں جان سے مار ڈالوں گا''۔

اس کے بعد تلخی اور بڑھ گئی۔ مولانا بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج رہے تھے، جس پر جج

نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مولانا کو گرفتار کر کے وہاں سے لے جائے لیکن مولانا کے غیظ و جلال کو دیکھ کر اس کی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ مولانا بولتے چلے گئے اور آخر میں شدت جذبات سے ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور وفور جذبات سے وہ کچھ بول نہ سکے۔(9)

علامہ اقبالؒ

علامہ اقبالؒ کی ساری زندگی عشق رسول کی تفسیر ہے اور شاعری اپنے معراج کمال پر پہنچ کر ان پر جو ختم ہوئی ہے، وہ صرف نبی الخاتم کی محبت اور عشق رسول ہی کا اعجاز ہے۔ ہمارے مرحوم بزرگ دوست راجہ سید اکبر ایڈووکیٹ نے، جو حلقہ بگوشان اقبال تھے اور گاہے بگاہے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، یہ واقعہ راقم کو سنایا۔

''ایک دن علامہ کے گرد ان کے ارادت مند جمع تھے اور علمی مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی اسی اثناء میں کالج کے چند طلباء بھی آ کر شریک محفل ہو گئے دوران گفتگو ایک اشتراکیت زدہ طالب علم نے حضور کا نام نامی ''محمد صاحب'' کہہ کر لے لیا بس پھر کیا تھا۔ علامہ غصہ سے کانپنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا: نکال دو اسے میرے سامنے سے۔ اس نابکار کو میرے آقا اور مولا علیہ ﷺ کا نام لینے کی بھی تمیز نہیں پھر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور بڑی دیر تک ان پر غم وغصہ کی یہ کیفیت طاری رہی اس واقعہ کا ''حیات اقبال میں بھی ذکر موجود ہے''۔

اس کے علاوہ 1935ء میں علامہ نے قادیانیت کے خلاف جو اعلان جنگ کیا اور اس تحریک کے لئے پنڈت نہرو کی سیاسی حمایت کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے برٹش گورنمنٹ سے اسے مسلمانوں سے علیحدہ اور جداگانہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو مطالبہ کیا، اس کی تہہ میں بھی یہی جذبہ عشق رسول کارفرما تھا، جس کی تصدیق علامہ کے نامور فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب ''زندہ رود'' کے حصہ سوم میں کی ہے، جو موصوف نے علامہ اقبال اور قادیانی تحریک کے بارے میں شیخ اعجاز احمد کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ کی اس تحریک کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا ''میرے شبہات نے اس تحریک (قادیانیت) کے خلاف مکمل بغاوت اختیار کر لی، جب میں نے اپنے کانوں سے اس تحریک کے ایک رکن کو نبی کریم علیہ ﷺ کے بارے میں نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے سنا''۔

اقبالؒ کا جذبہ عشق واحترام رسول اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنی عمر کے آخری ایام میں اس

وجہ سے مضطرب اور پریشان رہتے تھے کہ مبادا کہیں ان کی عمر رسول پاک ﷺ کی عمر مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے چنانچہ علامہ کے ایک قریبی نیاز مند حکیم احمد شجاع لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن علامہ کو بہت زیادہ فکر مند، مغموم اور مضطرب حال میں دیکھ کر پوچھا کہ آج آپ اتنے مغموم اور پریشان کیوں ہیں؟ علامہ کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگے ''احمد شجاع! میں یہ سوچ کر اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر نبی کریم ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے''۔ بالآخر یہ عاشقِ صادق اس خوف سے کہ کہیں اس سے عمر کے معاملہ میں سوئے ادبی نہ ہو جائے، اپنے آقا کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی 61 سال کی عمر میں اس جہان فانی سے کنارا کر کے حضور ﷺ کے سایہ رحمت میں پہنچ گیا اس طرح اقبال نے نہ صرف اپنی ساری زندگی عشق رسول مین گزار دی، بلکہ اپنی جان دے کر بھی احترام رسول کا ثبوت دنیا کو دیا ہے۔(10)

اقبالؒ کی ساری شاعری کا مرکز ومحور سراپائے رسول ﷺ ہے۔ علامہ کی چند ابتدائی نظموں کو چھوڑ کر انؒ کی ساری شاعری زمزمۂ نعت ہے۔ انہوں نے روایتی نعت گوئی سے ہٹ کر نعت رسول مقبول ﷺ کو ایک نیا اسلوب اور ایک نیا لہجہ و آہنگ دیا، جس سے ہماری اردو، فارسی شاعری نا آشنا تھی۔ اردو فارسی شعرا کی طرح انہوں نے حضور رسالت مآب ﷺ کو صرف ہدیہ سپاس وعقیدت پیش کر کے اسے اپنی ذات کے لئے ذریعہ نجات نہیں بنایا بلکہ ذات وصفات رسالت مآب ﷺ کے جمال جہاں آرا کی جھلک اپنے حسن کلام کے آئینہ میں دکھلا دی تاکہ انسان حیات وکائنات پر محیط سیرت وکردار کے اعلیٰ ترین پیکر جمیل کے ہر نقش پا کو اپنا رہنما بنا کر اپنی دنیا اور عاقبت سنوار لے۔ اقبال کی نعت کا کرشمہ حسن تو یہ ہے کہ اس کی بدولت دل کی ویران دنیا محبوب حجازی کی محبت سے معمور ہو گئی اور نغمہ نعت کے سوز وساز سے قافلہ بے زمام کو اپنی منزل مراد سوئے حرم نظر آ گئی اور غیروں کے دل بھی اس حجازی لے کی طرف کھنچنے لگے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت کے شاعر حضرت حسانؓ کے بعد اقبال کے زمزمہ محبت میں بھی روح القدس کا ملکوتی آہنگ شامل ہو گیا۔ اس کلام کی تاثیر کا کیا کہنا جس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے دل میں پیغام محمد عربی ﷺ کے ذریعہ آزادی کے لئے تڑپ پیدا کی، جس کے نتیجہ میں برصغیر ہند کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم اسلامی مملکت دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی، جس کے پیغام سے ایران میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوئی، جس کا برملا اعتراف خود ایران کے سابق صدر اور موجودہ روحانی پیشوا جانشین امام خمینی حجۃ الاسلام آیت اللہ خامنہ ای نے 1408 ہجری میں اپنے

خطاب لاہور کے موقع پر کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی عظیم اور سپر طاقت روس کو اقبال کے پیغام جہاد اور جذبہ وابستگی دین مصطفیٰ نے شکست فاش دی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے دوررس اثرات افغانستان کی سرحدوں کو پار کر کے روس کی سرحد میں داخل ہو رہے ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں پھر سے اسلام کی عظمت گم گشتہ کی بازیافت کا آغاز ہوگا۔ اگرچہ طاغوتی طاقتیں ابھی اس راہ میں حائل ہیں جو بالآخر پیوندِ خاک ہو کر رہیں گی۔ سوشلسٹ امپریلزم کا شیرازہ، روس کے زیر اثر علاقوں اور خود روس کے اندر بکھر گیا۔ اس کے علاوہ دنیائے عرب اور بالخصوص مصر میں جو عقیدت اور محبت اقبال کے لئے راقم الحروف نے اپنے دورہ مصر سال 1409 ہجری میں دیکھی، اس کا سبب بھی اہل مصر کی زبانی یہی تھا کہ اقبال کی ہی معجز بیانی سے نیل کے ساحل سے تابخاک کاشغر قافلہ اسلام لوائے محمد کے سایہ میں پھر سے سوئے حرم جادہ پیا ہوگا۔ جامعہ الازہر کے اساتذہ کرام اور خاص طور سے ڈاکٹر ابوالوفا تفتازنی پرووائس چانسلر قاہرہ یونیورسٹی اور ان کے رفقائے کار سے ایک دینی تقریب میں ملاقات، میرے ہم نام رفیق محترم سفیر پاکستان میاں محمد اسماعیل قریشی کے ہمراہ ہوئی جہاں علامہ کے حرکی (Dynamic) تصوف کے نقطہ نظر کے بارے میں پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ اس نے کس طرح مصر کے دینی حلقوں میں شعوری انقلاب پیدا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے گا، اقبال کی بصیرت جو نور مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہے عام ہوگی اور دنیا پر اسرار کتاب کھلتے جائیں گے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ

قائداعظمؒ نے اپنی ساری زندگی کائنات دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کرنے میں کھپا دی۔ یہ عشق رسول کی چنگاری تھی جس نے انہیں لنکنزان (Lincon's inn) میں داخلہ لینے کے لئے مجبور کیا پھر یہی وہ قوت عشق تھی جس کی بدولت انہوں نے ایک شکست خوردہ قوم کو غلامی کی پستیوں سے نکال کر برٹش ایمپائر اور ہندو سامراج جیسی طاقتوں کے مقابل صف آراء کیا اور بالاخر غلامان محمد کو نہ صرف کامرانی اور آزادی سے ہمکنار کیا بلکہ ان کے لئے پاکستان کی صورت میں ایک ایسی اسلامی سلطنت حاصل کی جسے موجودہ دنیا کی ایک سپر طاقت بھی اپنی قوت اور جبروت سے ایٹمی دھماکہ سے نہ روک سکی اور یہی زندہ حقیقت کی پکار ہے: ''محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی''۔

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی آزادی کے بعد علامہ اقبال، قائداعظمؒ اور ملا جمال الدین

افغانی کی وہ دیرینہ آرزو بھی پوری ہو کر رہے گی جو ان کی چشم بصیرت پر قرن ہا قرن پیشتر ''اسلامستان'' کی شکل میں جلوہ گر تھی۔ اگر چہ طاغوت اپنی پوری قہرمانی قوت کے ساتھ اس کے خلاف برسرِ پیکار ہے لیکن اسلام یہ سارے بند توڑ کر فتح یاب ہوگا۔ انشاءاللہ العزیز۔(11)

اگر چہ ''مولانا محمد علی جوہر'' ''علامہ اقبال'' اور ''قائد اعظم'' کسی دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل نہ تھے بلکہ ان کی عمریں یورپ کے فکری صنم کدوں اور دانش گاہوں میں گزری تھیں۔ انہیں بقائے دوام اپنے علم و دانش کی وجہ سے نہیں بلکہ عشق خیر الانام ﷺ کی بدولت نصیب ہوا۔ ہاں یہ بات ایک حد تک درست ہے کہ حضرت اقبالؒ، قائد اعظمؒ اور مولانا محمد علی جوہر کو توفیق الٰہی سے ان کے علم اور فضل و کمال نے وابستہ دامان نبوت کر دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ زیر سایہ ابدیت آ گئے۔

کتابیات باب ششم

1۔ ظفر اقبال نگینہ اور میاں ابوالفتح "غازی علم الدین شہید"
2۔ محمد متین خالد "شہیدانِ ناموس رسالت" ص ۸۳
3۔ محمد حسین ہیکل "سیرت ابوبکر صدیقؓ"
4۔ طٰہٰ حسین "خلافت علی"
5۔ ابوالکلام آزاد "ترجمہ القرآن ج ۱"
6۔ شاہ معین الدین ندوی "سیر الصحابہ"
7۔ ایضاً
8۔ ایضاً
9۔ Select Writing and Speeches of Maulana Mohammad Ali صفحہ 105
10۔ حکیم احمد شجاع "حیات اقبال"
11۔ Speech of Quaid-e-Azam at Ali Garh University March 1944

باب ہفتم

پاک و ہند کے چند شیدایان ناموس رسالت

سابقہ باب میں ہم نے اکابرین ملت سے تین شخصیتوں کا دامان مصطفوی ﷺ سے وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ اس باب میں ہم نے پاک و ہند کے دو شہیدان ناموس رسالت کی داستان حیات کے کچھ خونچکاں اوراق بھی شامل کیے ہیں جو اعلیٰ تعلیمی درس گاہوں سے نا آشنا، علم و حکمت سے بے بہرہ گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے مگر نام مصطفیٰ ﷺ پر جی جان سے قربان ہو کر زندہ جاوید ہو گئے اور موت خود ان کے لئے مسیحا بن گئی۔ کیا ہی سچی بات کہی ہے ایک ہندو شاعر پنڈت ہری چند اختر نے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

تاریخی پس منظر

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمان بڑے ہی پر آشوب دور سے گزر رہے تھے۔ عیسائی، آریہ سماجی اور ہندوؤں کی اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر کمزور کر کے انہیں دین سے بیگانہ اور منحرف کرنے کے لئے باقاعدہ منظم مہم چلا رہی تھیں۔ شدھی، سنگھٹن اور آریہ سماج جیسی متعصب اور فرقہ پرست تحریکیں مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل تھیں۔ ان کے لیڈر نہ صرف مسلمانوں کے عقائد اور کلچر کا مذاق اڑاتے تھے بلکہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف دل آزار کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا سلسلہ بھی زور و شور سے شروع کر رکھا تھا، جس کی وجہ سے قدرتی طور پر برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

اس دور کے آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند نے ایک دل آزار کتاب "ستیارتھ پرکاش" لکھی، جس میں اسلام اور شارع اسلام ﷺ کی ذات گرامی پر رکیک اور سوقیانہ حملے کئے گئے تھے جس کے خلاف مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ پہلے تو برٹش گورنمنٹ خاموش تماشائی بنی رہی لیکن جب دیکھا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہو گئے ہیں تب کہیں جا کر گورنمنٹ نے اس کتاب کی ضبطی کا حکم دیا۔ اس کے بعد اسی سوامی دیانند کے ایک چیلے مہاشہ کرشن ایڈیٹر "پرتاب" نے پنڈت چموپتی لال کے نام سے ایک اور رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" لکھی۔ لاہور کے ایک بدبخت کتاب فروش راج پال نے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور سال 1923ء میں

وہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمان زعماء نے حکومت سے اس کتاب کی فوری ضبطی اور اس کے ناشر کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی۔ اس کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس وقت شادی لال جیسا متعصب ہندو ہائیکورٹ کا چیف جسٹس تھا جس سے ہم مشورہ ہو کر جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے 1927ء میں راج پال ملزم کو بری کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کتاب کی عبارت کتنی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو، اس سے بہر حال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس فیصلہ نے مسلمانوں کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اس دور میں مسلمانوں کے ترجمان ''مسلم آؤٹ لک'' (Muslim Out Look) نے اس غیر منصفانہ فیصلہ پر سخت گرفت کی اور حکومت پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر اس فیصلہ پر نظر ثانی نہ کی گئی تو اس کے نتائج اور عواقب نہایت مہلک اور تباہ کن ہوں گے۔ اس اداریہ پر ''مسلم آؤٹ لک'' کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نورالحق کو قید اور جرمانہ کی سزا دی گئی لیکن یہاں تو: بڑھتا ہے ذوق جرم ہر سزا کے بعد۔

اس ناروا قانون کے خلاف جو مذہبی دل آزاری جیسے سنگین جرم کی پشت پناہی کر رہا تھا مولانا ظفر علی خان کی زبان وقلم کو جنبش ہوئی جس نے ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کر لی پھر مولانا ظفر علی خان کو بھی اسی جرم کی پاداش میں حوالہ زنداں کر دیا گیا، لیکن صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر مولانا کو قبل از وقت ہی رہا کرنا پڑا، جس پر مولانا نے اسی وقت یہ شعر سپرنٹنڈنٹ جیل کو لکھ کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ اس شعر کو حکومت وقت تک پہنچا دے۔ شعر میں مولانا کے طنز کی کاٹ ملاحظہ ہو۔ حکومت سے استفسار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیوں نکالو جیل سے مجھ خانماں برباد کو
کچھ تو رہنے دو ابھی سسرال میں داماد کو

ادھر مولانا ابوالکلام آزاد اپنے منفرد علمی انداز میں حکومت کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج پر حکومت کی بے حسی پر تنقید کر رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے اردو انگریزی اخبارات نے بھی اپنے مضامین اور اداریوں میں دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ کے خلاف سخت غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ انگریزی روزنامہ ''مسلم کرانیکل'' نے اس فیصلہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھا:

''کنور دلیپ سنگھ نے قانون کی غلط تشریح کی ہے ورنہ قانون میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ راج پال جیسے دریدہ دہن بے غیرت گستاخ کا منہ بند کرے کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس سے دنیا کا اور بالخصوص برصغیر کا ہر مسلمان دل گرفتہ اور اپنے رسول علیہ السلام کی ناموس پر کٹ مرنے کے لئے بے چین ہے''۔ اخبار نے کھل کر یہ بھی لکھ دیا کہ ''اگر عدالت نے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہ کی تو کوئی مجاہد اٹھ کھڑا ہو گا جو اس گستاخ کا سر قلم کر دے گا''۔ لیکن حکومت اس وقت نشہ اقتدار میں مست تھی۔

ان ہی دنوں لاہور کی شاہی مسجد میں ایک عظیم اجتماع ہوا، جس میں مولانا محمد علی جوہر نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''عزیزو! میں کوئی وکیل یا قانون دان نہیں۔ قانون کے بارے میں جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ عدالت کے کٹہرے میں ملزم کی حیثیت سے کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آئندہ ایسے فتنوں کے سدباب کے لئے اس قانون ہی کو بدلوا دیں اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ کا اضافہ کر کے مقدس مذہبی ہستیوں کی توہین کو جرم قرار دیا جائے۔ اب تک کوئی ایسی مستقل سزا آپ کے ملک کے قانون میں موجود نہیں جو اس ملک کے باشندوں کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ اس قانون کا مسودہ میں تیار کئے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے ممبر اس میں مناسب ترمیم کر کے ایوان سے منظور کرائیں۔ اس طرح آقا اور ہادی علیہ السلام اور ان کے ساتھ تمام دوسرے مذاہب کے محترم پیشواؤں کی شخصیتیں بھی بدزبانی اور بے لگام لکھنے والوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گی۔

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کے تحت گستاخ راج پال کو سزا ہونے کی بجائے اس کے بری ہونے کے بعد اسی جرم کا ایک اور مقدمہ لاہور ہائیکورٹ کی ایک ڈویژن میں بنچ کے سامنے پیش ہوا، جس میں جسٹس براڈوے سینئر جج تھا، اس مقدمہ میں دلیپ سنگھ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس ڈویژن بنچ نے یہ فیصلہ دیا کہ دفعہ 153 الف ایسے لٹریچر پر بھی حاوی ہے جو فرقہ وارانہ فساد پھیلائے یا مذہبی دل آزاری کا باعث بنے لیکن یہ فیصلہ مسلمانوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ سال 1927ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر مسلم اراکین مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تائید سے تعزیرات ہند میں دفعہ 295 الف کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دو سال قید مقرر کی گئی۔ اس دفعہ میں بھی واضح طور پیغمبروں

اور مذہبی پیشواؤں کی توہین شامل نہ تھی اور نہ ہی ڈویژن بنچ کے فیصلہ یا 295 الف تعزیرات ہند کا اطلاق موثر بہ ماضی (Retrospective) ہوسکتا تھا اور نہ ہی اس دفعہ کے اضافہ سے مسلمانوں کی کوئی اشک شوئی ہوسکی جو توہین رسالت کو ایک نا قابل معافی جرم سمجھتے ہیں اس لئے وہ مولانا جوہر سے بھی خفا ہو گئے۔(10)

غازی خدا بخش کا راج پال پر پہلا قاتلانہ حملہ

چنانچہ 24 ستمبر 1927ء کو جب وہ ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا، ایک مرد مجاہد خدا بخش نے جو اندرون یکی گیٹ لاہور کا رہنے والا اور جس کا معروف کشمیری خاندان سے تعلق تھا، اس خبیث پر تیز دھار چاقو سے حملہ کر کے اُسے مضروب کر دیا لیکن اس بدبخت نے اس وقت بھاگ کر اپنی جان بچالی۔ غازی خدا بخش کو زیر دفعہ 307 الف تعزیرات ہند گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی۔ ایم۔ بی اوگلوی کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا ''مجھ پر یہ حملہ ''کتاب'' کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے مار دے گا۔ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا: کافر کے بچے، جب تو میرے ہاتھ آئے گا، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔ عدالت کے استفسار پر اس مرد غازی نے گرجدار آواز میں کہا ''میں مسلمان ہوں ناموس رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے۔ میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا''۔ پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس نے میرے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی، اس لئے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ بدبخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا''۔

اقرار جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قید سخت، جس میں تین ماہ قید تنہائی شامل تھی، کی سزا سنائی گئی اور میعاد قید کے اختتام پر پانچ پانچ ہزار کی تین ضمانتیں حفظ امن کے لئے داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔(11)

غازی عبدالعزیز

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مرد غازی عبدالعزیز نے، جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اس دشمن اسلام راج پال کے خلاف غیظ وغضب کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا، 19 اکتوبر

1927ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا۔ اتفاقاً اس وقت راج پال کا ایک یار سوامی ستیانند بیٹھا تھا، جسے غازی عبدالعزیز نے شاتم رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا لیکن پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا۔ اسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اوگلوی نے سرسری سماعت بعد 12 اکتوبر 1927ء کو اس مرد مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدا بخش کو دی گئی تھی، جسے بھگت کر یہ دونوں مردان غازی جیل سے سرخرو ہو کر نکلے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

یہ قید و بند کا سلسلہ جاری تھا کہ اس وقت ایک خطیب آتش نوا اٹھا، جسے دنیا عطا اللہ شاہ بخاری کے نام سے جانتی ہے۔ ایوان حکومت نے اپنے خلاف بغاوت کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی۔ اس لئے مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسول نے ناموس رسالت پر جو تقریر کی، وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہوگئی۔ کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی ﷺ کے عز و ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس خطرہ میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے''۔ اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''آج مفتی کفایت اللہ اور احمد سعید کے دروازے پر ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ دروازہ پر تو کھڑی نہیں ہیں؟''

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ ابل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ! تمہارے دلوں میں امہات المومنین کے لئے کوئی جگہ ہے؟ آج ام المومنین عائشہؓ تم سے

اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے۔ وہی عائشہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ "حمیرا" کہہ کر پکارتے تھے، جنہوں نے سید عالم ﷺ کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی یاد رکھو کہ اگر تم نے خدیجہؓ اور عائشہؓ کے لئے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں"۔(13)

شاہ جی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا، لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دفعہ 144 کے یہیں پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ میں دفعہ 144 کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتا دوں گا:

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جی نے کچھ انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ لاہور میں بدنام زمانہ کتاب، اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جابجا جلسے ہونے لگے۔"

پاکستان اورسرفروشان رسالت

علامہ اقبال کی رجز خوانی سے مسلمان پاکستان کی منزل مراد کی جانب گامزن ہوئے۔ ذات رسالت مآب ﷺ سے انہیں جو بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، اس سے کون واقف نہیں اور خود بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے لنکنز ان میں داخلہ اس لئے لیا تھا کہ وہاں دنیا کی قانون ساز شخصیتوں میں حضور ﷺ کی ذات گرامی انہیں سب سے نمایاں نظر آئی۔ دراصل یہ مملکت خداداد پاکستان ، مسلمان رہنماؤں اور اسلامیان برصغیر کے عشق رسول کا مظہر ہے، اس لئے یہاں اندیشہ نہ تھا کہ کوئی سرکار رسالت مآب ﷺ کی جناب میں گستاخی کا مرتکب ہوگا، لیکن جس طرح بچھو اپنی زہرناک فطرت سے نیش زنی پر مجبور ہے، اسی طرح پاکستان میں بھی ایسے مار آستیں چھپے ہوئے تھے، جنہوں نے ملت اسلامیہ کو رسول عربی ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے ڈسنے کی کوشش کی، جس پر ملت کے غیرت مند نوجوانوں نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر اپنے پیش روشہیدوں کی طرح شمع رسالت پر پروانہ نثار ہونے کے لئے جس جرات کا مظاہرہ کیا، اس کا تذکرہ تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں ازبس ضروری تھا، جو نذر قارئین ہے۔

غازی زاہد حسین

سال 1961ء میں ایک عیسائی مبلغ پادری سیموئیل نے مغلپورہ ورکشاپ میں دوران تبلیغ آنحضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ زاہد حسین اور اس کے ساتھیوں نے سیموئیل کو سختی سے منع کیا کہ وہ اپنی ہرزہ سرائی بند کرے، لیکن وہ شیطان اپنی شرارت سے باز نہ آیا۔ جس پر زاہد حسین نے مشتعل ہو کر اس گستاخ کا سر پھاڑ دیا، زاہد حسین نے عدالت کے روبرو اعتراف جرم کرلیا، جس پر اس کو اشتعال انگیزی کی بنا پر سزا دی گئی۔ اس کے خلاف ہائیکورٹ میں نگرانی دائر کی گئی جو خارج ہوئی۔ اس مقدمہ کی پیروی ڈاکٹر جاوید اقبال ریٹائرڈ جج سپریم کورٹ نے کی جو اس وقت پیشہ قانون سے وابستہ تھے اور ان کی معاونت برادر عزیز میاں شیر عالم نے کی تھی۔

جیل سے رہائی کے بعد سال 1964ء میں غازی زاہد حسین کو جب یہ معلوم ہوا کہ لاہور کی ایک عیسائی مشنری کی مشہور دکان پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی میں ایک رسوائے زمانہ کتاب ''اثمار شیریں'' فروخت ہورہی ہے، جس میں رسول کریم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز مواد موجود ہے۔ اس پر یہ مرد غازی ایک بار پھر تڑپ اٹھا اور اپنے معتمد ساتھی الطاف حسین شاہ کے

ساتھ مل کر اس نے بائبل سوسائٹی کی اس دکان میں، جہاں یہ کتاب فروخت ہو رہی تھی، آگ لگا دی اور اس کے منیجر ہیکٹر گوہر مسیح پر الطاف حسین شاہ نے پستول سے قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن وہ بال بال بچ گیا۔ عدالت کے سامنے جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو ان دونوں نے بلا پس و پیش اقبال جرم کیا، جس پر علاقہ مجسٹریٹ نے دونوں کو تین تین سال سزائے قید سنائی اور ایڈیشنل جج لاہور نے اس سزا کو بحال رکھا۔ اس فیصلے کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں نگرانی دائر ہوئی۔ زاہد حسین کے عزیزوں کو جو اس مقدمے کی پیروی کر رہے تھے، خواب میں بشارت ہوئی کہ میاں شیر عالم ایڈووکیٹ کو ملزمان کی جانب سے وکیل مقرر کریں چنانچہ ان کی جانب سے میاں شیر عالم اور استغاثے کی جانب سے مسٹر جرمی ریٹائرڈ پبلک پراسیکیوٹر پیش ہوئے۔ مقدمہ جب جسٹس شیخ شوکت علی کے سامنے پیش ہوا، تو فاضل جج نے مسٹر جرمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اگرچہ کہ وہ خود ایک گنہگار مسلمان اور مذہبی رواداری کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، لیکن اس کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو قابل اعتراض باتیں منسوب کی گئی ہیں، وہ ان کے لئے بھی ناقابل برداشت ہیں، جنہیں پڑھ کر ان کا خون بھی کھول رہا ہے''۔ اس لئے انہوں نے ملزم کو مزید قید میں رکھنے سے انکار کر دیا اور حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اس کتاب کو فوری طور پر ضبط کر لے۔

تحریک ناموس رسالت: پاکستان میں

پاکستان میں تحریک ناموس رسالت کا آغاز

توہین مذہب اور توہین رسالت کے ذریعہ مسلم دل آزاری، امت عیسیٰ کی صلیبی جنگوں (Crusades) میں پے در پے شکستوں کی وجہ سے ہزیمت خوردہ ذہنیت کی غماز ہے۔ روس میں خواہ زار روس کی عیسائی حکومت ہو یا لینن اور اسٹالن کی جابرانہ کمیونسٹ گورنمنٹ دونوں کا رویہ بھی مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ مخالفانہ رہا ہے۔ اس لئے وہ بھی اسلام کے خلاف ہر محاذ سے حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ پاکستان کو وہ روس اور کمیونزم کی دشمن ریاست سمجھتے رہے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے ایک اشتراکیت زدہ روسی ایجنٹ سے سال 1983ء میں ''آفاقی اشتمالیت'' نامی کتاب لکھوائی جس کا انگریزی نام (Heavenly Communism) رکھا گیا۔ اس کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ کتاب سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب ''شیطانی آیات'' کی طرح مذہبی مقدس ہستیوں کی اہانت اور توہین رسالت کی خباثت لئے ہوئے ہے جو امت مسلمہ کے خلاف کھلی سازش تھی۔ اس لئے ہم نے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کا خصوصی اجلاس منعقد کیا جس میں پاکستان اور بیرون ملک کے معروف قانون دان اور اسلامی اسکالرز نے شرکت کی۔ تلاوت کلام مجید اور ہدیہ نعت کے بعد ملک عزیز کے منفرد نعت گو شاعر جناب مظفر وارثی نے کچھ اس انداز سے یہ قطعہ سنایا کہ سامعین بے قرار ہو گئے۔

نہیں بنا اب تک کوئی قانون ایسا مگر
تو آج بھیک دے دو ہمیں خدا کے لئے
کوئی خدا کو نہیں مانتا نہ مانے مگر
سزائے موت ہو گستاخ مصطفیٰ کے لئے

راقم نے شرکائے کانفرنس کی طرف ایک قرارداد پیش کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت مقرر کی جائے اور ملزم کو اسلامی قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد راقم نے ایک اور ریزولیشن لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن میں پیش کیا جہاں ڈسٹرکٹ بار لاہور کے تقریباً تمام اراکین شامل ہو گئے تھے۔ اجلاس کی صدارت لاہور ہائیکورٹ بار کے صدر جناب سید افضل حیدر

شاہ کر رہے تھے۔ ہمارے ریزولیوشن پیش ہونے پر بار کے ایک ممبر نے تجویز پیش کی کہ مشتاق راج کو بھی اجلاس میں طلب کیا جائے۔ اس وقت ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ بیرسٹر ملک سعید حسن جو یونیورسٹی لاء کالج میں قانون کے پروفیسر اور بعد میں ہائیکورٹ کے جج بھی رہے ہیں۔ جن کے متعلق عام تاثر یہی ہے کہ وہ دین اور مذہب کے بارے میں ایک لبرل اور آزاد خیال شخص ہیں لیکن جب انہوں نے مشتاق راج کو اجلاس میں بلانے کی بات سنی تو اپنی بلند قد وقامت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے دیکھا کہ ان کا چہرہ تند و تیز شعلہ کی طرح غصہ سے سرخ ہو رہا ہے۔ پھر وہ نہایت گرج دار آواز میں بولے "اگر اس باسٹرڈ (Bastard) کو یہاں بلایا گیا تو میں اسے اجلاس سے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا"۔ ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا جس کے مطابق ایم راج کو بار کی رکنیت سے خارج کر دیا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اس کو گرفتار کر کے انتہائی عبرتناک سزا دی جائے۔ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب انوار الحق اور ان کے دیگر ساتھی جج حضرات نے بھی "اشتمالی آفاقیت" اور اس کتاب کے مصنف کی مذمت کی لیکن حکومت کی سہل انگاری کی وجہ سے وہ گرفتار نہ ہو سکا چونکہ وہ ان دنوں زیر زمین (Underground) چلا گیا تھا۔ اس کے خلاف وکلاء اور نوجوانوں میں اشتعال اور اضطراب بڑھنے لگا تھا۔ نوجوانوں کا ایک گروہ انتہائی مشتعل حالت میں میرے پاس پہنچا۔ ان میں سے دو نوجوانوں کے نام طارق طفیل اور محمد خلیل بھٹی ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ سب نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس شخص کی نشاندہی کروں یا اس کا ٹھکانہ بتا دوں جس نے ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے کیونکہ وہ ایسے شخص کے وجود کو کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے انہیں بہت سمجھانے بجھانے کی کوشش کی لیکن ان کے اصرار اور اضطراب کو دیکھ کر غالب کی ہم نوائی پر مجبور ہو گیا "یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟" مجھ سے کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر سرفروشوں کا یہ گروہ مشتاق راج کی تلاش میں نکل پڑا۔ حکومت کو بھی اس کی اطلاع مل چکی تھی اس لئے حکومت نے ایم راج کو اور ان نوجوانوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد سابق ایڈووکیٹ جنرل میاں عبدالستار نجم نے اس کی طرف سے ہائی کورٹ میں درخواست ضمانت داخل کی جو اس وقت کے جج جسٹس اسلم میاں کی کورٹ میں سماعت کے لئے پیش ہوئی۔ ہم نے درخواست ضمانت کی مخالفت کی۔ ابھی یہ بحث جاری تھی کہ اسی اثناء میں بار کے غضبناک وکیل رشید مرتضٰی قریشی ایڈووکیٹ روسٹرم کی طرف بڑھے۔ ان کی گھن گرج سے سارا کمرۂ عدالت گونج

اٹھا دفعتاً ایسا جوش اور جذبۂ بے اختیار دیکھنے میں آیا جس نے ایک بار پھر مولانا محمد علی جوہرؒ کی خالق دینا ہال کراچی والے مقدمہ بغاوت کی یاد تازہ ہوگئی۔ جب ایک انگریز جج کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذراسی گستاخی پر مولانا نے اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔ لاہور ہائی کورٹ میں بھی حالات کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا اگر اس وقت کے ایڈووکیٹ جنرل جناب راشد عزیز خاں نے عدالت کو نہ بتلایا ہوتا کہ ملزم کا مقدمہ ملٹری کورٹ میں منتقل ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کے کونسل نے بھی عافیت اسی میں سمجھی کہ درخواست ضمانت واپس لے لی جائے۔ اس لئے وہ جیل سے باہر نہ آسکے۔ جیل کے اندر بھی جب قیدیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے تو وہ اسے مارنے کے لئے دوڑے جس پر وہاں اسے قیدیوں سے علیحدہ کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔

اگر چہ کہ اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے علماء کنونشن میں یہ اعلان کیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام اور دیگر مقدس ہستیوں کے متعلق ہتک آمیز، گستاخانہ تحریر و تقریر کی حوصلہ شکنی کے لئے جلد ضروری قانون بنایا جائے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ اس یقین دہانی کے باوجود حکومت کی جانب سے کوئی قانون سازی نہیں کی گئی بالآخر اس عاجز نے وفاقی شرعی عدالت میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور صوبائی گورنروں کے خلاف سال 1984ء میں شریعت پٹیشن دائر کی کہ اسلامی مملکت پاکستان میں قانون توہین رسالت نافذ کرنے کا حکم جاری کیا جائے۔ اس درخواست پر 75 سربراوردہ مسلمان شہریوں جن میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے سابق جج صاحبان سابق وزرائے قانون، ممتاز قانون داں وکلاء، علماء کرام شامل ہیں جن کے اسمائے گرامی شریعت پٹیشن میں درج ہیں جو اس کتاب میں شامل ہے۔ پہلے یہ پٹیشن 18 جولائی 1984ء کو فل بنچ نے برائے سماعت منظور کر لی۔ پھر اس کی باقاعدہ سماعت فیڈرل شریعت کورٹ نے شروع کر دی جس کا آغاز راقم پٹیشنر کی بحث سے ہوا۔ وکلا کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے علماء نے بہ یک زبان پٹیشنر کے مطالبہ قانون توہین رسالت کی سزائے موت کی تائید کی۔ اس سلسلہ میں اسلامی تحریک محنت کے قائد جناب عبدالمجید قریشی اور ایک ممتاز شیعہ عالم جو ہندوستان سے اسی سلسلہ میں اپنی گزارشات پیش کرنے کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے اور اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ جناب امیر العظیم کو بوجوہ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہ مل سکا۔ کمرۂ عدالت میں سابق جج

حضرات، وکلاء، یونیورسٹی کالج اور دینی درس گاہوں کے اساتذہ اور طلبہ کی کثیر تعداد روزانہ عدالت میں آتی رہی خاص طور پر لاہور کی معروف سیاسی اور علمی شخصیت جناب احسن علیگ مرحوم اور کرکٹ کے شہرۂ آفاق ہیرو جناب فضل محمود بھی ہر روز باقاعدگی سے آخر تک عدالت میں آتے رہے۔ کمرۂ عدالت کے باہر بھی بوڑھے، بچے اور نوجوانوں کا ہجوم بھی وقت عدالت ختم ہونے تک موجود رہتا۔

دوران مقدمہ ناموس رسالت کے سلسلہ میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہیومن رائٹس کی چیئرپرسن مسز عاصمہ جہانگیر نے ایک سیمینار میں معلم انسانیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ ناپسندیدہ الفاظ استعمال کئے جس پر وہاں موجود وکلاء نے احتجاج کیا اور ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ جس کا محترمہ آپا نثار فاطمہ ایم این اے نے نوٹس لیا۔

میرے ساتھ باہمی مشاورت سے طے پایا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے بعد سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بنچ کا مرحلہ ہے اس لئے کافی تاخیر ہو جائے گی۔ اس لئے توہین رسالت کے قانون کو قانون ساز اسمبلی سے منظور کرایا جائے چنانچہ اس عاجز نے توہین رسالت کے لئے سزائے موت کا بل تیار کیا جسے ہمت مردانہ سے کام لیتے ہوئے محترمہ آپا نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا اراکین کی اکثریت کو دیکھ کر کسی کو اس کی مخالفت کی جرات نہ ہو سکی بالآخر یہ بل 12 اکتوبر 1986ء پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ اس طرح پاکستان میں پہلی مرتبہ توہین رسالت کی سزا سزائے موت مقرر ہوئی اور تعزیرات پاکستان میں دفعہ C-295 کا اضافہ کیا گیا لیکن اس دفعہ پھر بھی ایک سقم رہ گیا۔ توہین رسالت کی سزائے موت کے ساتھ اس کی متبادل سزا عمر قید بھی رکھ دی گئی جس کا پارلیمنٹ کو اختیار نہ تھا۔ اس لئے میرے سامنے پھر شاہنامہ فردوسی کا ''من و گرز و میدان و افراسیاب'' والا معرکہ درپیش تھا۔ اس لئے میں نے دوبارہ صدر پاکستان اور حکومت پاکستان کے خلاف فیڈرل شریعت کورٹ میں عمر قید کی متبادل سزا کو چیلنج کیا کہ اس کو C-295 سے حذف کر دیا جائے اور حد کی سزا مقرر کی جائے۔ یہ پٹیشن یکم اپریل 1987ء فل کورٹ کے سامنے برائے سماعت پیش ہوئی۔ جو چیف جسٹس جناب جسٹس گل محمد خاں، جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خاں، جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خاں اور جناب جسٹس عبدالرزاق تھیم پر مشتمل تھا۔ بحث، اسلام آباد، کراچی اور 6 مارچ 1990ء میں لاہور میں مکمل ہوئی۔ حکومت کی جانب سے ڈپٹی اٹارنی جنرل میاں عبدالستار نجم پیش ہوئے۔ ان کا موقف

تھا کہ توہین رسالت کی سزا، سزائے موت کی بجائے سزائے عمر قید کافی ہے۔ اس جرم کی سزا کا قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں اور یہ سزا غیر مسلموں کو نہیں دی جا سکتی اس لئے یہ سزا آئینی اور شرعی طور پر بھی جائز نہیں۔ راقم الحروف پٹیشنر نے وفاقی حکومت کے ان دلائل کی سختی سے تردید کی۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات، احادیث، فقہ اور اجماع امت کے حوالے سے ثابت کیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد ریاست مدینہ کے قیام کے بعد سے جہاں جہاں مسلمان ریاستیں قائم ہوئی ہیں، وہاں سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کے حکم سے یہ سزائے موت ان لوگوں کو بھی دی گئی جو غیر مسلم اور یہودی تھے۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کر کے ایذا دی تھی۔ اس لئے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں مسلمان مجرم کو بوجہ ارتداد اور بوجہ توہین رسالت دونوں فرد جرم پر سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔

فیڈرل شریعت کورٹ نے فریقین کے کونسل کی بحث اور دلائل کو سنا، علمائے کرام کے بیانات سنے۔ قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ان کے ماخذ اور منابع کا بغور مطالعہ کے بعد اس بندۂ عاجز کی پٹیشن 30 اکتوبر 1990ء منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی سزا صرف سزائے موت بطور حد منظور کر لی اور ساتھ ہی تمام انبیائے کرام کی توہین کے لئے یہی سزا مقرر کی گئی۔ اس طرح تحریک ناموس رسالت قرآن و سنت کے عین مطابق بفضل تعالیٰ کامیابی اور فیروزمندی سے ہم کنار ہوئی۔

اس قانون کی بدولت اب کوئی شخص شاتم رسول کو خود کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے عدالت سے رجوع کرے گا۔ جہاں اسلامی معیار شہادت کے مطابق شہادت قبول کی جائے گی۔ ملزم کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائے گا اس کے بعد اگر جرم ثابت ہو تو ملزم سزایاب ہوگا۔ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے اور مذہبی تعصبات سے بلند ہو کر حقوق انسانی کے احترام آدمیت کا چراغ ہمیشہ روشن اور فروزاں رہے گا۔

سلمان رشدی کا فتنہ

پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی بدولت جب توہین رسالت کے جرم کی سزائے موت کا قانون قومی اسمبلی نے منظور کر لیا تو اس پر یورپ، امریکہ، بھارت اور خود پاکستان کا سیکولر ذہن تلملا اٹھا۔ یہودی لیڈروں کے یہ عزائم جیوش کرانیکل کے ذریعہ کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ جس میں انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا تھا ''ہم پاکستان میں اسلامی نظام کبھی قائم نہیں ہونے

دیں گے''۔اس کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بھی وہ خوف زدہ ہو گئے تھے اور انہیں ڈر تھا کہ اسلام پھر ایک زندہ قوت بن کر دنیا پر نہ چھا جائے۔ان کے خیال میں جب تک مسلمانوں کے دل و دماغ سے ذات مصطفوی علیہ السلام کا رشتہ محبت وعقیدت اور جذبہ احترام وتکریم ختم نہ کیا جائے وہ اس اٹھتے ہوئے طوفان کو روک نہیں سکتے۔اس کے لئے انہوں نے ایک نہایت گھٹیا اور انتہائی گھناؤنی اسکیم تیار کی۔انہوں نے ایک آبرو باختہ،ضمیر فروش اور رسوائے زمانہ شیطان صفت ملعون رشدی کی خدمات حاصل کیں اور اس خبیث سے ''شیطانی آیات'' نامی ایک کتاب لکھوائی، جو عفونت میں سنڈاس سے بدتر تھی۔ یہ کتاب وائی کنگ پبلی کیشنز کے یہودی ادارے نے اکتوبر 1988ء میں شائع کی۔اس کتاب کو ناول کی شکل دے کر اس میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ التحیۃ والسلام، ختم الرسل امام الانبیاء حضور رسالت مآب علیہ السلام، اہل بیت، ازواج مطہرات اور اصحاب رسول کی شان میں جو زبان استعمال کی گئی ہے، وہ شیطان کا ایجنٹ ہی استعمال کر سکتا ہے۔ان ذوات قدسی پر جس فحش انداز میں حملے کیے گئے ہیں، آج تک دنیا کے کسی ذلیل اور رذیل ترین شخص کو ایسی جسارت نہیں ہوئی پہلے تو شیطانی خرافات سمجھ کر مسلمانوں نے اس کا نوٹس نہیں لیا کیونکہ اس مجہول النسب نے اس سے پہلے اپنی کتاب ''مڈ نائٹ چلڈرن'' (Mid Night Children) میں اپنے ''حسب نسب'' اپنی 'مادر زاد' اولاد اور حاشیہ نشینوں کو نشانہ تضحیک بنایا اور ایک دوسری کتاب شیم (Shame) میں جس پرلے درجہ کی بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا، اس پر اردو کے مقبول شاعر اور انگریزی ادب کے معروف نقاد فیض احمد فیض نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ رشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔اس کتاب کے بارے میں بھی یہی سمجھا گیا کہ اس میں بھی کچھ اسی قسم کی خرافات ہوں گی کہ اس کا تعفن دنیا میں ہر پاکیزہ اور طہارت پسند انسان کے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ گندگی اور غلاظت کے کیڑے ایسی گندگی کے ڈھیر میں پلتے بڑھتے ہیں اور اسی سے اپنی خوراک حاصل کرتے رہتے ہیں۔اگر اتفاقاً انہیں اس ڈھیر سے علیحدہ کر لیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ''شیطانی آیات'' میں اس نے اہل یورپ کو بے حد ننگی اور انتہائی فحش گالیاں دی ہیں، جس کو وہ شیر مادر سمجھ کر بڑی آسانی سے ہضم کر گئے ہیں۔

ان کے آبرو باختہ معاشرے میں اخلاق، تہذیب، شرافت، شائستگی، نفاست اور پاکیزگی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی شاید اس لئے غلیظ اور گندی گالیاں کھا کر وہاں کی اکثریت کو نفسیاتی

طور پر لذت اور ایک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس کتاب کے 54 صفحات ایسی فحش گالیوں سے بھرے پڑے ہیں جو زبان قلم پر نہیں لائے جا سکتے۔ یورپ کی سفید فام عورت کے بارے میں یہ فحش نگار لکھتا ہے "سفید فام عورت کو "جنسی اختلاط" کے بعد اٹھا کر پھینک دینا چاہئے"۔ "جنسی اختلاط" کے الفاظ ہم نے انگریزی زبان میں استعمال ہونے والے ایک عامیانہ لفظ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھے ہیں، جسے اس شیطان نے بطور گالی استعمال کیا ہے چنانچہ اس نے ایک انگریز عورت "پامیلا" (Pameela) کو بطور داشتہ استعمال کرنے کے بعد شادی کا ڈھونگ رچا کر چھوڑ دیا پھر اس نے ایک امریکی عورت میرین وگنز (Marrine Wiggins) سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے لیکن قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اسے منکوحہ بنا کر اس سے بھی گلوخلاصی حاصل کر لی۔ برطانیہ اور امریکہ کو اپنے اس ناول نگار داماد پر فخر ہے جس نے ان کے عصمت فروش معاشرے کو برسر عام ننگا کر کے دنیا کو دکھلایا ہے، اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے گھٹیا بازاری ناول میں اس نے برطانیہ کی وزیر اعظم مسز تھیچر کو "شہوت برانگیختہ کتیا" (Heated Bitch) کہہ کر پکارا ہے اور اس کی ہوس ناکی سگ مختون کی طرح رال ٹپکاتے شاہی محل کے اندر کوئین الزبتھ کا پیچھا کرتی ہے۔ "حرام زادہ" (Bastsrd) "رنڈی" ماں اور بہن کی گالیوں کا جس آزادانہ طور پر استعمال اس کتاب میں کیا گیا ہے اس کا حوصلہ تو شاید شیطان بھی نہ کر سکے۔ بہر حال انگریزوں اور امریکیوں کا یہ حوصلہ قابل داد ہے کہ ایسی ننگی، شرمناک اور فحش گالیاں اپنے اور اپنے لیڈروں کے بارے میں سن کر وہ مشتعل یا منفعل نہیں ہوئے، بلکہ اس فحش نگاری (Pornography) کو ادب عالیہ یا لٹریچر سمجھ کر اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب یہ کتاب شائع ہونے کے بعد یورپ اور امریکہ کے بازاروں میں فروخت ہونے کے لئے پہنچی اور مسلمانوں کو اپنے محبوب آقا اور مولا ﷺ، ان کی ازواج مطہرات، اہل بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں اہانت اور گستاخیوں کا علم ہوا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ تو ان کے اپنے پیارے رسول ﷺ، آل رسول، ازواج واصحاب رسول کی عزت وناموس کا معاملہ تھا۔ وہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبروں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے جن کی وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی طرح ہی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کی ذات پر بھی جا بجا سوقیانہ اور رکیک حملے کئے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا، جو سال 1988ء میں میرے قیام لندن کے دوران پیش آیا، جو یہودی ذہنیت کا مظہر ہے۔

ان دنوں لندن کے سینما گھروں میں ایک یہودی فلم ساز مارٹن اسکورسس کی ایک شرمناک فلم "The Last Temptation of Christ" نمائش کے لئے پیش کی جانے والی تھی، جس میں جناب مسیحؑ کو ایک طوائف کے ڈیرے پر دکھلایا گیا تھا۔ مسلم جیورسٹس لندن آفس کے چیئرمین جناب ریاض احمد نے برٹش فلمز انسٹی ٹیوٹ کو نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش برطانیہ کے قانون بلاس فیمی کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اس فلم کی نمائش کو نہ روکا گیا تو پھر اس کے فلم ساز اور مالکان سینما کے خلاف لندن کے مسلمان شہریوں کی جانب سے قانونی کارروائی کی جائے گی۔ اس پر وہاں کے عیسائی شہریوں کو بھی غیرت آئی اور کیتھولک چرچ کے رہنماؤں نے ان کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کا نوٹس دیا۔ اس کے بعد لندن میں ہماری اپیل پر اسلامی ملکوں کے مقیم مسلمان نوجوانوں نے برطانیہ کی جماعت اسلامی کے تعاون سے پلازہ سینما کے سامنے، جہاں اس شرم ناک فلم کی نمائش ہو رہی تھی، جمعہ 12 ستمبر 1988ء کو پکٹنگ (احتجاج) شروع کی، جس میں عیسائی فرقوں کے رہنماؤں کے علاوہ خود یہودیوں کا ایک مذہبی گروہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں لندن کے زیر زمین اسٹیشنوں میں جہاں جہاں جناب مسیحؑ کے ساتھ اس طوائف کے نیم برہنہ قد آدم پوسٹر لگائے گئے تھے، ہٹا لئے گئے اور فلم بری طرح فلاپ ہوئی۔ اس واقعہ کے ذکر سے یہ اظہار مقصود تھا کہ مسلمان تو دوسرے مذاہب اور ادیان کے پیغمبروں کے بارے میں گستاخی اور شرارت برداشت نہیں کر سکتے تو پھر وہ کیونکر اور کیسے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی شان میں کسی بے ادبی اور شرانگیزی کو برداشت کر لیتے۔

برطانیہ میں رشدی کے خلاف پرامن احتجاج

شیطان رشدی کی کتاب جیسے ہی لندن کی مارکیٹ میں فروخت کے لئے پہنچی تو وہاں کے مسلمانوں نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیا اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔

29 نومبر 1988ء کو لندن میں اسلامی ملکوں کے سفیروں کا اجلاس ہوا، جس میں پاکستان، کویت اور صومالیہ کے سفیروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے سفارتی سطح پر مذاکرات کر کے اس کتاب کی فروخت پر پابندی عائد کرائے۔

28 جنوری 1989ء کو لندن میں برطانیہ کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے کئی لاکھ مسلمانوں نے اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک بہت بڑا مشتعل، مگر پرامن منظم جلوس نکالا جو

برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑا مظاہرہ تھا، جس میں نہ صرف اس شیطانی کتاب کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس کے مصنف کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا اور مسلم ایکشن فرنٹ (The Muslim Action Front) کی تشکیل بھی عمل میں آئی تاکہ ان مطالبات کی تکمیل کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ برطانیہ کے مسلمان شہریوں کے قائدین نے گورنمنٹ سے اپیل کی کہ توہین مسیح ؑ کے قانون کی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کو بھی قابل مواخذہ (Cognizable) جرم قرار دے۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے یہ جائز مطالبہ نامنظور کر دیا۔ مگر اس کتاب کے مندرجات کا نوٹس لیتے ہوئے پوپ پال دوم نے ویٹی کن سٹی میں اس کتاب کی اشاعت، خرید اور فروخت کو ممنوع قرار دیا۔

اس کتاب کے اقتباسات جب منظر عام پر آئے تو مسلمان سراپا اضطراب بن گئے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دل و دماغ، زبان و قلم اور رگ و پے سے اس شیطانی کتاب اور اس کے شیطان صفت مصنف کے خلاف غم و غصہ اور نفرت کا لاوا ابلنے لگا۔ جس کے ہولناک نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے اس کتاب کی فوری ضبطی کا حکم دیا جس پر بلا تاخیر عمل درآمد ہوا۔ پاک و ہند کے علاوہ ملائشیا، جنوبی افریقہ، مصر، سوڈان، عمان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے بھی اس کتاب کو قابل ضبطی قرار دیا لیکن یہ کارروائی بھی مسلمانوں کے لئے وجہ تسلی نہ ہو سکی اور اس کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے طول و عرض میں مظاہروں اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کتاب کے خبیث مصنف کو عبرتناک سزا دی جائے۔ امریکہ میں بھی اس بے ہودہ اور خرافات شیطانی کتاب کے مصنف اور اس کے ناشروں کے خلاف وہاں کے مقیم مسلمانوں نے کھل کر احتجاج کیا۔ امریکہ میں یہودی لابی کے غیر معمولی کنٹرول کے باوجود غیر متعصب تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی وہاں کے کثیر الاشاعت اخبارات، جرائد اور رسائل میں اس کی مذمت کی چنانچہ 19 جنوری 1989ء کو نیویارک ٹائمز اور اس کے بعد واشنگٹن ٹائمز نے اس کتاب کے خلاف تبصرے شائع کئے اور لکھا کہ یہ کتاب نہ صرف سطحی اور گھٹیا ہے بلکہ شرانگیز بھی ہے۔ اس بات سے اہل یورپ اور امریکہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا واقف ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک انسانی اقدار اعلیٰ کا سرچشمہ ذات ختمی مرتبت ﷺ ہے، جن کے نام و ناموس کا تحفظ ان کی اپنی ذات، جان و مال اور ملک و قوم، سب سے بڑھ کر

ہے۔مسلمان ملک وقوم کی حفظ و پاسبانی اس لئے کرتے ہیں کہ ان دونوں کا تعلق براہ راست اس ذات گرامی سے ہے، جو انہیں ہر چیز سے عزیز تر ہے۔

شہدائے اسلام آباد

یوں تو اس شیطانی کتاب نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے جذبات کو سخت مجروح کیا تھا، لیکن ایران اور اسلامیان پاک و ہند ایک نہایت ہی اذیت ناک کرب و ابتلا سے گزر رہے تھے۔ پاکستان کے بزرگ سیاستدان نواب زادہ نصر اللہ خان، خبیث رشدی کی اس کمینہ حرکت پر تڑپ اٹھے۔ 7 فروری 1989ء کو ان کی تحریک استحقاق پر قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ''شیطانی خرافات'' اور اس کے مصنف کے خلاف قرارداد مذمت منظور کی اور یہ تجویز منظور کی کہ پاکستانی حکومت اور برطانیہ اور امریکہ سے اس کتاب کی ضبطی اور اس کی اشاعت کو رکوانے کے لئے سفارتی سطح پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے۔

ان ہی دنوں میں مجلس تحفظ ناموس رسالت کے سرگرم اراکین اور قائدین نواب زادہ نصر اللہ خان، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا کوثر نیازی، میجر (ریٹائرڈ) محمد امین منہاس، مولانا قاری عبدالعزیز جلالی، مولانا محمد عبداللہ اور دیگر دردمند کارکنوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت امریکہ کو مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے اور اسلامی ملکوں کو اس صورتحال سے واقف کرانے کے لئے اراکین اسمبلی، دانشوروں اور معروف دینی اور سماجی شخصیتوں کی رہنمائی میں ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس نے ایک پروگرام بنایا کہ اسلام آباد میں ایک پرامن جلوس امریکن سنٹر تک جائے گا، جس کی وساطت سے حکومت امریکہ کو اسلامیان پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت سے پیدا ہونے والے اندوہ ناک اضطراب اور گہری تشویش سے آگاہ کیا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ بھی کیا جائے گا کہ وہ اس فحش کتاب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کرے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنی ہوئی ہے چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ جلوس حکومت پاکستان سے اجازت حاصل کرنے کے بعد 12 فروری 1989ء کو لال مسجد آب پارہ سے نکل کر بلیو ایریا امریکن سنٹر کے قریب پہنچا تو وہاں پر متعین پولیس نے مرکزی حکومت کی ہدایات پر شرکائے جلوس کو امریکن سنٹر میں داخل ہو کر اپنے مطالبات پہنچانے سے روکنے کے لئے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں بالآخر حکومت اور انتظامیہ کی بے تدبیری اور سہل انگاری کی وجہ سے پولیس نے نہتے معصوم شہریوں پر اندھا دھند

فائرنگ کی، جس کے نتیجہ میں سمن زار مصطفیٰ کے سات نونہال خون شہادت سے رنگین قبا ہوئے۔ جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

1۔ نوجوان طالب علم ظفر اقبال فرزند مرزا سلطان محمد پرنسپل قندیل انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی

2- جواں سال طالب علم حافظ نوید عالم فرزند مظفر خان ساکن ایبٹ آباد

3- جواں سال طالب علم نور الہدیٰ فرزند محمد شعیب سواتی

4- جواں سال طالب علم محمد شاہد فرزند محمد یونس سکنہ راولپنڈی

5- شیر دل نوجوان حق نواز فرزند عظیم اللہ ساکن مانسہرہ

6- جاں نثار نوجوان محمد ارشد فرزند محمد صادق ساکن اٹک

7- جاں باز نوجوان محمد فاروق فرزند عبداللہ خان ساکن راولپنڈی

ان کے علاوہ بے شمار جاں نثاران مصطفیٰ اس فائرنگ سے زخمی اور مضروب ہوئے۔

یہ قافلہ بلاکشان محبت لال مسجد سے روانہ ہوا تھا، اپنے سینے اور دست و بازو پر گولیاں کھا کر انہوں نے ساری ملت کو سرخرو کیا۔ ان میں سے کسی کی پشت پر ایک خراش تک نہیں پائی گئی۔ ان معصوم نوجوانوں کی شہادت کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

حکومت نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے اس الم ناک سانحہ کی تحقیقات کے لئے لاہور ہائی کورٹ کے فاضل جج جناب جسٹس اعجاز نثار کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا، جس نے 20 فروری 1990ء سے اس بارے میں انکوائری شروع کی۔ کمیشن نے 156 گواہوں کے بیانات قلم بند کئے۔ جن میں اکابرین اور شرکائے جلوس کے علاوہ انتظامیہ اور پولیس کے گواہ بھی شامل تھے۔ کمیشن کے سامنے کل 289 دستاویزات جن میں موقع واردات کی تصاویر کے علاوہ اخبارات کے تراشے اور ویڈیو فلم بھی تھی، پیش کیے گئے۔ فاضل جج نے تمام حالات اور واقعات کا انتہائی حزم و احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد 146 صفحات پر مشتمل رپورٹ تیار کی، جواب منظر عام پر آ چکی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل فاضل جج موصوف نے راقم الحروف کی رٹ پٹیشن پر، جو ایسی ہی ایک قابل اعتراض کتاب (A Lamp Spreading Light) کی اشاعت کے خلاف تھی۔ اس کے مصنف راتنک لوتھرا اور پرنٹر پبلشر کے خلاف توہین رسالت کے جرم میں دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان کے تحت مقدمہ درج کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

سانحہ اسلام آباد کے بارے میں جو تحقیقاتی رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس میں قانون اور

انصاف کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے کمیشن جس نتیجہ پر پہنچا ہے اس کے چند اہم پہلو حسب ذیل ہیں۔

''یہ کہ جلوس مذہبی نوعیت کا تھا اس کے پیش نظر کوئی سیاسی مقاصد حاصل کرنا نہ تھا۔ کمیشن کی نظر میں مسلمانوں کا یہ جائز حق تھا کہ وہ ایسی شیطانی کتاب اور اس کے مصنف کے خلاف اپنے گہرے غم و غصہ اور تشویش کا اظہار کرتے۔ درحقیقت وہ جس کاز کو لے کر نکلے تھے، وہ عظیم تر اور لائق ستائش تھا۔ وہ تو اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے حضور جذبہ سپاس و عقیدت پیش کرنے کے لئے گئے تھے کہ ختم المرسلین ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

کمیشن نے پولیس کے اس موقف کو مسترد کر دیا کہ اس نے صرف ہوائی فائرنگ کی تھی اور قرار دیا کہ پولیس کو صورتحال قابو میں رکھنے کے لئے ایسی کاروائی ناگزیر تھی تو پھر بھی مظاہرین کے سینوں کا نشانہ لے کر فائرنگ کا کوئی جواز نہ تھا۔

کمیشن نے آخر میں کہا ہے کہ اس سانحہ میں جو قربانیاں دی گئیں ہیں وہ بلاشبہ بہت عظیم ہیں۔ ان کے خون کی کوئی بھی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ تاہم کمیشن نے حکومت کو یہ سفارش کی ہے کہ ان شہیدوں کے ورثا کو کم از کم پچاس ہزار فی کس معاوضہ ادا کیا جائے، لیکن چونکہ یہ معاملہ سیاسی نوعیت کا نہ تھا اس لئے سفارش پر حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی اور تادم تحریر مضروبین کو اور شہیدوں کے ورثاء کو کوئی خون بہا یا معاوضہ نہیں دیا گیا اور نہ ان کے وارث خون بہا لینے کے لیے تیار تھے۔

آفرین ہے ان شہیدوں کے ماں باپ اور ورثاء پر اور مضروبین راہ وفا پر کہ جن کا تعلق غریب اور متوسط گھرانوں سے ہونے کے باوجود حکومت کی اس بے حسی پر جب صاحب دل حضرات نے انہیں مالی امداد کی پیش کش کی تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ آخر ان شہیدوں کا لہو رنگ لائے بغیر نہیں رہا۔ ملت کے یہ تابندہ ستارے ہماری نظروں سے اوجھل تو ضرور ہوئے لیکن اپنے پیچھے افق پر روشنی کی ایک ایسی تابندہ لکیر چھوڑ گئے، جس کے سامنے شفق کی سرخی بھی ماند پڑ گئی۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں بھی اس ملعون رشدی کے خلاف بمبئی میں، جو اس مردود کی جنم بھومی ہے، ایک عظیم الشان جلوس نکلا۔ وہاں کی پولیس نے بھی اس کی مزاحمت کی اور نہتے شہریوں کے جلوس پر فائرنگ کی، جس کے نتیجہ میں چھ سرفروشان اسلام رتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے اور کئی جاں نثار مضروب اور زخمی ہو گئے۔ کشمیری مسلمانوں نے سری نگر، اننت ناگ اور بارہ مولا میں احتجاجی مظاہرے کئے۔ ان واقعات سے ایک مرتبہ پھر اسلامیان عالم میں اضطراب اور

بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ سانحہ اسلام آباد کے دو دن بعد ہی عظیم روحانی پیشوا امام خمینیؒ کے فتویٰ پر حکومت ایران نے شیطان رشدی کے سر کی قیمت 30 لاکھ ڈالر مقرر کی۔

انٹرنیشنل پریس نے یہ خبر اڑادی کہ ایران کے صدر نے رشدی کے قتل کا فتویٰ واپس لے لیا ہے لیکن ورلڈ ایسوسی ایشن آف جیورسٹس کے استفسار پر اس کی تردید کر دی تھی۔

رشدی کے ایجنٹ اور ہنگامہ ٹوکیو

مسلمانوں کی نفرت اور غم وغصہ صرف ''شیطانی آیات'' کے رسوائے زمانہ مصنف رشدی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس گندی اور ناپاک کتاب کے اسپانسر، پبلشر اور ناشروں کی شرارتوں کو بھی وہ برداشت نہ کر سکے چنانچہ ان کے خلاف بھی جو مظاہرے لندن، نیویارک، پیرس اور دنیا کے ان تمام شہروں میں ہوئے، جہاں جہاں اس دل آزار کتاب کی اشاعت اور فروخت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان کا کچھ تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ٹوکیو کا ایک واقعہ لاہور کے ایک سرفروش نوجوان عدنان رشید سے متعلق ہے۔ رشدی کی اس کتاب کا جاپانی زبان میں ترجمہ کرانے والے اٹلی کے ایک یہودی ایجنٹ گیانی پالما پر اس شاہین بچہ نے اس وقت قاتلانہ حملہ کر دیا جب کہ وہ ٹوکیو میں اس کتاب کی تقریب رونمائی کے لئے وہاں کے انٹرنیشنل پریس کلب میں افتتاح کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس حملہ ترکانہ کا حال خود عدنان رشید کی زبانی سنئے، جو اس نے جاپان سے اپنی رہائی کے بعد لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے کیانی ہال میں بار کی دعوت پر سنایا۔

> ''یہ واردات اس طرح ہوئی کہ اٹلی کے ایک اسپانسر پبلشر گیانی پالما نے سلمان رشدی کی کتاب ''شیطانی آیات'' (Satanic Verses) کا ترجمہ جاپانی زبان میں ہتوشی آ گاشی کے نام سے شائع کرایا، جس کی سیل کے لئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا میں زبردست پبلسٹی ہوئی جس پر جاپان کے اور جاپان میں باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں میں بے چینی اور تشویش پیدا ہوئی۔ یہ تو ہم آپ سب جانتے ہیں کہ پاکستان دین اور خاص طور پر ناموس رسالت کے معاملہ میں سب سے پیش پیش رہا ہے چنانچہ جاپان میں پاکستان ایسوسی ایشن کے چیئرمین حسین خان اور سیکرٹری جنرل رئیس صدیقی اور ٹوکیو میں رہنے والے مسلمان، جن میں، میں بھی شامل تھا، نے یہ طے کیا کہ پہلے ہم پرامن طریقہ سے حکومت جاپان سے اپیل کریں گے کہ وہ اس کتاب کی

اشاعت کو رکروانے کا انتظام کرے۔اس سلسلہ میں ہمارے وفد مسلسل ٹوکیو پولیس کمشنر اور دوسرے متعلقہ افسران سے ملتے رہے لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی کہ جاپان کا قانون انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

13 فروری 1990ء کو انٹرنیشنل پریس کلب ٹوکیو میں اس شیطانی کتاب کی رونمائی کا اعلان ہوا۔ہم نے 11 فروری کو ٹوکیو میں ایک پرامن جلوس نکالا اور کانفرنس کے منتظمین سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کانفرنس کو منسوخ کیا جائے، جو اس کتاب کی رونمائی کے لئے منعقد ہو رہی ہے لیکن نہ تو منتظمین نے اور نہ حکومت جاپان نے ہمارے اس احتجاجی جلوس کا کوئی نوٹس لیا بالآخر ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت میں 13 فروری کو ایک پریس مین (Press Man) کے ہمراہ جرنلسٹ بن کر اس کلب میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا، جس کے باہر اور اندر سخت حفاظتی انتظامات تھے۔کتاب کی رونمائی کراتے ہوئے اٹلی کے اس یہودی ایجنٹ گیانی پالما نے پہلے تو مسلمانوں کا مذاق اڑایا، جو اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں، جسے میں نے بمشکل ضبط کیا لیکن جب اس نے ہمارے رسول پاک ﷺ کے بارے میں کتاب کے حوالہ سے چند قابل اعتراض ریمارک پاس کیئے تو پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور نہیں معلوم مجھ میں اس وقت کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ حفاظتی گارڈ کی موجودگی میں، میں نے جھپٹ کر اس ملعون کو گرا لیا لیکن کسی اقدام سے پہلے فوراً ہی سکیورٹی فورس نے پوری قوت سے مجھے دبوچ لیا اور کر بڑی مشکل سے پالما کو مجھ سے چھڑا لیا۔بری طرح سے زدوکوب کرنے کے بعد گرفتار کر کے مجھے جیل میں بند کر دیا۔جاپان میں مجھ پر مقدمہ چلا اور وہاں کے قانون کے تحت مجھے ایک سال قید کی سزا ہوئی لیکن میری اس کارروائی کے بعد جاپان کے بڑے بڑے اداروں نے اس شیطان کی کتاب کو فروخت کرنا بند کر دیا۔

میری اس گرفتاری کے خلاف ٹوکیو میں جاپانی اور دیگر ملکوں کے مسلمانوں نے جلوس نکالنے شروع کیئے۔ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی جانب

سے جناب اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ نے جاپان کے سفارتخانہ سے میری رہائی کے سلسلہ میں رابطہ قائم کیا۔ پاکستان میں سیاسی تنظیموں، اداروں، سٹوڈنٹس یونینز اور تاجروں نے بھی میری گرفتاری کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے۔ پریس نے بھی میری بھرپور حمایت کی۔ شاید اسی وجہ سے وقت سے پہلے حکومت جاپان نے مجھے رہا کر کے ملک بدر کر دیا۔ رہائی کے بعد سب سے پہلے میں یہاں آپ سب حضرات کے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ کی معرفت پاکستان اور دنیا کے تمام مسلمان بھائیوں، بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جن کی دعائیں اور ہمدردیاں میرے شامل حال رہی ہے۔

سلمان رشدی کے خلاف عالم اسلام کے مقتدر دینی رہنماؤں کا اعلان

امام خمینی کا پیغام۔۔۔اسلامیان عالم کے نام

مسلمان ملکوں میں سب سے پہلے اسلامی انقلاب ایران کے عظیم دینی اور روحانی پیشوا روح اللہ امام خمینی نے شیطان صفت ''سلمان رشدی'' کے خلاف فتویٰ موت جاری کیا جو حسب ذیل ہے:

بسمہ تعالیٰ

اناللّٰہ و انآ الیہ راجعون

ساری دنیا کے غیرت مند مسلمانوں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ ''شیطانی آیات'' نامی کتاب جو اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کے خلاف لکھی گئی اور شائع کر کے منتشر کی گئی ہے۔ اس کے مولف اور کتاب کے مضامین سے باخبر ناشر واجب القتل ہیں اور ان کی سزا، سزائے موت ہے۔

میں تمام غیرت مند مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان افراد کو جہاں کہیں پائیں انہیں قتل کر دیا جائے تا کہ پھر کسی میں مسلمانوں کے مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کی جسارت پیدا نہ ہو۔

اس راہ میں قتل ہونے والے افراد شہید ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر کوئی شخص مولف تک پہنچ سکتا ہے لیکن اس میں سزائے موت دینے کی طاقت نہیں تو وہ عوام الناس کو اس (خناس) کے ٹھکانے کا پتہ بتلا دے تا کہ وہ کیفر کردار کو پہنچ جائے والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

۸ رجب المرجب ۱۴۰۹ ہجری　　　　روح اللہ الموسوی الخمینی

مجلّہ سازمان تبلیغاتِ اسلامی

نوٹ مصنف

اس فتویٰ کی تائید عالم اسلام کی محترم شخصیت مولانا ابوالحسن ندوی نے اسی وقت کر دی تھی جو شامل کتاب ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ (میڈیا) نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی علمی اور ثقافتی دانش گاہ جامعہ الازہر کی فتاویٰ کونسل اور مکہ مکرمہ کی فقہی اکادمی نے امام خمینی کے فتویٰ کو خلاف اسلام قرار دیا ہے لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ فتاوی کونسل کے سربراہ الشیخ الفاضل عبدالمشہد اور صدر شعبہ علوم دینیات جامعہ الازہر دکتور محمد حسام الدین نے بھی

''سلمان رشدی'' کو واجب القتل قرار دیا ہے لیکن ان کے فتاویٰ میں سزا سے قبل اسے صفائی کا موقع دینا شامل ہے تا کہ اس کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

اسی طرح فقہ اسلامی اکادمی مکہ مکرمہ نے اور مفتی اعظم سعودی عرب سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے شاتم رسول کے قتل کو جائز قرار دینے کا فتوی دیا ہے البتہ وضاحت کی ہے کہ رشدی کے خلاف کسی مسلمان ملک کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے اور اس کو اسلامی قانون کے مطابق اپنی صفائی پیش کرنے کا حق دیا جائے تا کہ عدل وانصاف کا تقاضا پورا ہو۔

جانشین امام خمینی موجودہ روحانی پیشوائے ایران آیت اللہ خامنہ ای کا بیان

چند بکے ہوئے ہاتھ ثقافتی اور نشریاتی سازشوں کے ذریعہ اسلامی اقدار کو لوگوں کی نظروں سے گرانا اور ذلیل وخوار کرنا چاہتے ہیں۔ اغیار کے ایجنٹ اور اس کے زرخرید قلم کار کے ہاتھوں ''شیطانی آیات'' کی تصنیف کی سازش اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے لیکن یہ ان کی بھول ہے۔ اس سے خود انہیں نقصان پہنچے گا۔

ہمارے عظیم المرتبت امام نے اس کتاب کے مصنف جو اس سازش کا نمونہ ہے کے قتل کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ یہ حکم اپنے حال پر باقی ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف ۔ رابطہ عالم اسلامی کا متفقہ فیصلہ

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے، جو رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل اور موتمر عالم اسلامی کے سربراہ ہیں، رابطہ کے ایک خصوصی نمائندہ اجلاس میں، جس میں علماء اسلام نے شرکت کی ۔ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ سنایا کہ سلمان رشدی مرتد ہے اور اسلام میں اس کی سزا موت ہے ۔ انہوں نے اسلامی ملکوں سے اپیل کی کہ کسی اسلامی ملک میں رشدی پر مقدمہ چلایا جاتے تا کہ قانون کا تقاضہ پورا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ رشدی نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا آزادی تحریر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام پر یہ ایک مجرمانہ حملہ ہے ۔ سلمان رشدی مرتد ہے اور شریعت کے مطابق ارتداد کے جرم کی سزا موت ہے ۔

قومی آواز، ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء

مولانا ابوالحسن ندوی سربراہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (انڈیا) کا فتویٰ

دنیائے اسلام کی لائق احترام اور نامور شخصیت مولانا ابوالحسن ندوی سربراہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو (انڈیا) نے ایرانی پیشوا آیت اللہ امام خمینی کے رشدی کے خلاف فرمان قتل کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہا کہ ابلیسی کتاب کے مصنف نے مذہب اسلام کی سخت توہین کی ہے جس سے پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی ہے ۔ امام خمینی کے فرمان پر مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا ہے کیونکہ اسلام میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی توہین کے مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے ۔ مسلم علماء اور مفتی سب اس معاملہ میں متفق ہیں ۔

قومی آواز، ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء

اسلام کی اعتقادی وثقافتی سرحدوں کا دفاع

اپنی جان، مال، آبرو اور اپنے دین کا دفاع کرنا انسانی فطرت وسرشت کا تقاضا ہے اور اصولاً زندہ وجود غیر دانستہ طور پر ہر طرح کی جارحیت اور ظلم وتعدی کے خلاف بھی اپنا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

اس بنیاد پر دفاع کے لازمی یا ضروری ہونے کی بات ہی نہیں کہی جاسکتی، کیونکہ دین اسلام جو انسان کی الٰہی فطرت کے عین مطابق ہے فطرت ہی کے تقاضے کے تحت دفاع کو واجب اور ضروری جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مذاہب کے علماء اور دانشور مسئلہ جہاد کی بحث کے تحت فرماتے ہیں:

اگر دشمن اسلامی شہروں یا ملکوں کی سرحدوں پر حملہ آور ہو یا بعض مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کے مال واسباب کو غارت کرنا چاہتا ہو یا ان کی عزت وآبرو پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو تمام مسلمانوں پر واجب کفائی ہے کہ دشمن کے حملہ کو روکیں اور اسے دفع کریں۔ حتی کہ اکثر علماء اس سلسلہ میں امام، خلیفہ یا مسلمانوں کے حاکم سے اجازت بھی ضروری شرط قرار نہیں دیتے۔

اس بیان میں فقہائے اسلامی ممالک کی زمینی وجغرافیائی سرحدوں پر دشمن کے حملہ کے خلاف مسلمانوں کے فریضہ کا ذکر کیا ہے لیکن آج دشمن علم وصنعت اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ اس کوشش میں بھی مشغول ہیں کہ جہاں تک ہو سکے دوسری راہوں سے مثلاً مسلمانوں کی ثقافتی، نظریاتی، تہذیبی اور اعتقادی سرحدوں پر حملے اور جارحیت کے ذریعے اسلامی ملکوں اور مسلمانوں پر تسلط جمائیں اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ یہ مہم کم خرچ ہے اور اس میں بہت تھوڑے سے افراد اور مختصر وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں علماء اور عوام کی کیا ذمہ داری ہے؟ یعنی انہیں اس طرح کے حملہ آوروں سے کیسے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

کیا یہاں بھی جان و مال اور غیرت کے دفاع کے معنی دشمن سے مقابلہ اور دین اسلام کی حمایت کرنا چاہیئے یا ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟

کیا کوئی عالم دین یا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ زمینی سرحدوں پر حملہ کے وقت تو دفاع کرنا چاہیئے۔ قتل کرنا اور قتل ہونا چاہیئے لیکن کیا اعتقادی سرحدوں اور دین اسلام کے دفاع کے سلسلے میں بھی ہم پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اعتقادی سرحدوں، دین اور اس کے اصول پر کیئے جانے والے حملے کا خطرہ زمینی سرحدوں پر ہونے والے حملے سے کم ہے؟

کیا اسلامی مذاہب کے علماء جو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی جان، مال، اپنی بیوی اور اولاد وغیرہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید نہیں؟

المقتول دون ماله شهيد والمقتول دون اهله شهيد و المقتول دون نفسه شهيد (1)

کیا وہ اسلام اور دین کے دفاع کے سلسلہ میں اس بات کے قائل نہیں ہیں؟ اسلامی مآخذ کی روشنی میں ''دین'' انسان کی تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لہذا شیعہ اور سنی دونوں سے اور محدثین سے بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ اگر انسان کو یہ اختیار دیا جائے کہ یا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو لے یا اپنا دین چھوڑ دیں تو اسے اپنی جان کو دین پر فدا کرنا چاہیئے اور اصولاً ہم ان روایات سے استفادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز بھی دین کے برابر نہیں ہو سکتی۔ نمونہ کے طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

اگر تم پر کوئی بلا نازل ہو تو اپنا مال اپنی جان پر فدا کر دو اگر بلا اس سے بھی سخت ہو تو وہ اپنا مال اور اپنی جان کو اپنے دین پر قربان کر دو بلا شبہ اسی نے اپنے آپ سے ہاتھ دھویا جو اپنا دین گنوا دے اور وہی برباد ہوا جس نے اپنا دین خراب کیا۔ (2)

اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو اپنے اموال کو اپنی جانوں پر فدا کر دو اگر کوئی سخت جانکاہ حادثہ سامنے آئے تو اپنی جانوں کو اپنے دین پر قربان کر دو اور یہ جان لو کہ وہی شخص ہلاک ہوا جس نے اپنا دین گنوا دیا۔ یہ وصیت آپ ﷺ نے حضرت علیؑ سے بھی فرمائی ہوئی ہے۔

اسلامی مکاتب فکر کی ان روایات کے پیش نظر دین کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ ہے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں قدر و قیمت کے اعتبار سے کوئی چیز بھی اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس بناء پر مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام پر ہونے والے ہر طرح کے حملے کا دفاع کریں اور استعمار اور اس کے کارندوں کے بزدلانہ حملہ کے مقابل آہنی دیوار بن جائیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور گذشتہ انبیاء اکرام علیہم السلام کی شان میں فحش اور نازیبا باتیں، دین اور قرآنی آیات کا مذاق اڑانے والوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں کیونکہ یہ خود اسلام کی بنیاد اور قرآن پر زبردست حملہ ہے اور اس کا اپنی آخری سانسوں تک مقابلہ کریں۔ کیا قرآن کا یہ فرمان نہیں!

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین لله ۝

اسلام اور قرآن کا مذاق اڑانا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں زبان وقلم سے وسیع پیمانے پر اپنے غلط تخیلات کو شائع کرنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی شخص کسی بھی صورت سے راہِ خدا میں رکاوٹ ڈالے اور لوگوں کو دین حق سے بدگمان کرے تو یہ بھی فتنہ عظیم ہے اس کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اس لئے جہاد اور جنگ صرف زمینی سرحدوں پر حملہ کرنے والوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ دین کی راہ میں جہاد اور اس کا دفاع اس سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جیسے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر کہا گیا ہے: "الفتنة اشد من القتل" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ ان دشمنوں کا سختی کے ساتھ مقابلہ ضروری ہے جو اپنے غلط پروپیگنڈوں کے ہتھیار سے اپنی غیر اخلاقی تہذیب کو رواج دے کر اسلام سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے لوگوں کے لیے موت سے کم تر سزا معین نہیں فرماتے تھے۔

" اقتباس از "شیطانی سازشیں"

شعبۂ تحقیق سازمان تبلیغاتِ اسلامی"

کتابیات باب ہفتم

1۔ کنز العمال/ ج۴/ ۴۲۵ حدیث ۱۱۲۳۸، حدیث ۱۱۲۳۳۵

2۔ کنز العمال/ ج۴/ ۴۲۵ حدیث ۱۱۲۳۸، حدیث ۱۱۲۳۳۵

3۔ اقتباس از کتاب ''شیطانی سازشیں'' شعبہ تحقیق سازمان تبلیغات اسلامی سال ۴۰۳

باب ہشتم

قانون، مقدمات اور نظائر (عدالتی فیصلے)
اور ان کا تاریخی پس منظر

گذشتہ ابواب میں ہم نے عہد رسالت مآب ﷺ، دور خلافت راشدہ اور مسلمان سلاطین کے دور حکومت میں توہین رسالت کے قانون کے بارے میں قرآن وسنت اور تاریخ کے حوالہ سے متعلقہ مواد اور اس کے وجوب اور نفاذ کے لئے عقلی دلائل اپنی فہم ودسترس کے مطابق پیش کر دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ قانون توہین مسیح کے بارے میں بائبل کا قانون، برطانیہ، یورپ اور امریکہ میں موجودہ قانون، وہاں کی اعلیٰ عدلیہ کے فیصلے اور یورپین عدالت عظمیٰ حقوق انسانی کا حتمی فیصلہ اس کے علاوہ عالمی حقوق انسانی اور موجودہ صورت حال کا جائزہ بھی کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔

اس باب میں ہم پاک وہند کے ان تعزیری قوانین کو، جن کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ قانون توہین رسالت سے ہے، مع تشریحات قارئین اور خاص طور پر قانون دان حضرات کی سہولت کی خاطر یکجا پیش کر رہے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی راج مسلط ہو گیا تو یہاں 1860ء میں گورنر جنرل ہند کی منظوری سے تعزیرات ہند (The Indian Penal Code) کو نافذ العمل کر دیا گیا۔ اس سے قبل سارے ملک میں اسلامی قانون جاری تھا۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں صادر ہوتے تھے، جن کے حوالے ''مشرقی ملکوں میں توہین رسالت کا قانون'' کے باب میں درج ہیں۔ تعزیرات ہند کی تدوین لارڈ میکالے کی سربراہی میں تشکیل شدہ کمیشن نے نپولین کوڈ کو سامنے رکھ کر کی تھی جس کا ماخذ اسلامی قانون تھا جس کو فرانس کے واضعان قانون نے حسب منشا ترمیم اور تبدیل کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں انگلش قوانین میں بھی خاص طور پر انتظامی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا گیا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انگلستان میں اس وقت بھی یعنی 1860ء میں قانون توہین مسیح بطور کامن لا (Common Law) موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ البتہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے خلاف منافرت پھیلانے یا حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی کے جرم کے لئے ایک دفعہ تعزیرات ہند میں شامل کی گئی جسے جرم بغاوت قرار دے

کر اس کی سزا، سزائے عمر قید مقرر کی گئی۔ جس کی جگہ 1898ء میں دفعہ 124 الف کو معمولی ترمیم کے ساتھ شامل تعزیرات کیا گیا مگر سزا اور نوعیت جرم وہی برقرار رہی۔

اسی سال 1898ء میں دفعہ 124 الف کے ساتھ ہی ایک مزید دفعہ 153 الف کا بھی اضافہ کیا گیا تا کہ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی وجہ سے ملک میں جو فتنے اور فسادات پیدا ہوں، ان کا سدباب کیا جا سکے اور حکومت ان خطرات سے محفوظ رہ سکے۔ دفعہ 153 الف کا متن حسب ذیل ہے:

دفعہ 153 الف

''جو کوئی الفاظ سے بذریعہ تقریر یا تحریر یا اشاروں سے یا کسی اور طریقہ سے ہندوستان میں ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں میں دشمنی یا منافرت کے جذبات ابھارے یا انہیں بھڑکانے کی کوشش کرے اسے دو سال قید تک سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں''۔

وضاحت (Explaination)

''ایسا کوئی فعل جو بدنیتی کے بغیر نیک نیتی کے ساتھ ان امور کی نشاندہی کرے، جو ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی یا منافرت کے جذبات یا رجحانات پیدا کرنے کا باعث ہوں، مذکورہ بالا جرم کی تعریف میں نہیں آئے گا''۔

تشریحات (Commentary) از مصنف

اس دفعہ کے اضافہ کا ایک مقصد یہ بھی بتلایا گیا کہ ہر میجسٹی کی رعایا کے درمیان امن وامان قائم کرنا ہے۔

شاتمان رسول کے خلاف بھی مقدمات اسی دفعہ 153 الف کے تحت قائم ہوئے۔ ان میں سب سے مشہور مقدمہ ''رنگیلا رسول'' کے ناشر راج پال کے خلاف اسی جرم کے ارتکاب پر درج ہوا اور عدالت سیشن جج سے اسے سزا دی گئی۔ جس کے خلاف اس نے لاہور ہائی کورٹ میں نگرانی دائر کی، جو سماعت کے لئے دلیپ سنگھ جج کے سامنے پیش ہوئی، جس نے نگرانی منظور کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مذہبی رہنماؤں پر تنقید یا طنز خواہ کتنا ہی غیر شائستہ اور ناپسندیدہ کیوں نہ ہو وہ 153 الف کے تحت قابل تعزیر جرم نہیں بنتا۔ اس فیصلہ کی رو سے ملزم راج پال صاف بری ہو گیا۔ جس سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہ فیصلہ آل انڈیا رپورٹر 1927ء ص 250 پر چھپ چکا ہے۔ اسکا مکمل اردو ترجمہ نظائر کے باب میں شامل کر دیا گیا ہے

تا کہ قارئین کو ان دلائل کی نامعقولیت کا اندازہ ہو سکے، جو اس فیصلہ میں دیئے گئے ہیں۔ اس فیصلہ کے خلاف اور تعزیرات ہند میں توہین رسالت کے جرم پر کوئی سزا نہ ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں مسلمانوں نے ہر پلیٹ فارم سے اس پر سخت احتجاج کیا اور بالآخر غازی علم الدین نے گستاخ رسول راج پال کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے ہاتھوں سے اسے توہین رسالت کی سزا دی اور خود جام شہادت نوش کر کے زندہ جاوید بن گیا۔ اس مقدمہ کی روئیداد ہم نے شہیدان ناموس رسالت کے باب میں درج کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ کے برخلاف لاہور ہائی کورٹ کے سپیشل بنچ نے اختلاف کرتے ہوئے ''رسالہ ورتمان'' کیس کے ملزم کو، جس نے رسول پاک ﷺ کی زندگی پر بالواسطہ طور پر طنز کیا تھا، اسی دفعہ 153 الف کے تحت سزا دی اور قرار دیا تھا کہ اس کتابچہ کی تحریر توہین آمیز ہے۔

برٹش گورنمنٹ نے جب دیکھا کہ دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ میں دفعہ 153 الف کی غلط تعبیر اور تشریح کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو رہے ہیں تو ان کی اشک شوئی کے لئے دفعہ 295 الف کو قانون فوجداری کے ترمیمی ایکٹ مجریہ سال 1927ء کے ذریعہ تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

295الف

''جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے تحریری یا تقریری یا علانیہ طور پر ہر میجسٹی کی رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یا توہین کرنے کی کوشش کرے تا کہ اس جماعت کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اسے دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں''۔

دفعہ 295۔الف میں 23 مارچ 1956ء سے صرف ''ہر میجسٹی کی رعایا'' کے الفاظ کو ''پاکستان کے شہریوں'' کے الفاظ سے تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح اس دفعہ میں سال 1961ء کے ترمیمی آرڈیننس، جس کو سال 1956ء سے موثر بہ ماضی کیا گیا تھا، کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ سال 1980ء میں دوسری ترمیمی آرڈیننس کے ذریعہ دفعہ 298۔الف کا اضافہ کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

298۔الف، ذوات قدسی کی توہین

''جو کوئی تحریری یا تقریری یا علانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً، بالواسطہ یا بلاواسطہ، امہات المومنین یا کسی اہل بیت یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا اصحاب رسول کی بے حرمتی کرے، ان

پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے، اسے دس سال قید تک کی سزا یا جرمانہ عائد کیا جائے گا یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا"۔

تبصرہ مصنف

اس دفعہ 298۔ الف تعزیرات پاکستان کے اضافہ سے صرف "امہات المومنین یا اہل بیت،" خلفائے راشدین یا اصحاب رسول کی بے حرمتی اور ان کی شان میں گستاخی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا لیکن خود اس مقدس ترین ہستی، جس سے نسبت کی وجہ سے انہیں یہ مرتبہ حاصل ہوا، ان کی جناب میں گستاخی، اہانت، توہین، تنقیص، طعنہ زنی، بہتان تراشی جیسے سنگین اور ناقابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا تجویز نہیں ہوئی، اس لئے اس کوتاہی اور کمی (Omission) کو پورا کرنے کے لئے سال 1984ء میں راقم کی طرف سے شریعت پٹیشن نمبر 1 سال 1984ء فیڈرل شریعت کورٹ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان، صدر پاکستان اور گورنر ہائے صوبہ جات پاکستان کے خلاف دائر کی گئی، جس کی تفصیل اور پس منظر اس کتاب میں موجود ہے۔ اس شریعت پٹیشن کا فیصلہ ابھی محفوظ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں ایک این۔ جی۔ او لیڈر خاتون نے بالواسطہ گستاخی کی، جس پر محترمہ آپا نثار فاطمہ نے راقم کے مشورہ سے توہین رسالت کے جرم کی سزا، سزائے موت کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا، جو فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ نمبر 3 سال 1986 کی صورت میں منظور ہوا، جس کی رو سے تعزیرات پاکستان میں 295-C کا اضافہ کیا گیا، جو حسب ذیل ہے:

موجودہ قانون توہین رسالت

دفعہ 295-C

"جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ، اشارتاً یا کنایتاً نام محمد ﷺ کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے، وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہوگا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی"۔

چونکہ توہین رسالت کے متذکرہ بالا بل میں اہانت رسول کی سزا، بطور حد کے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن اس میں سزائے موت کی متبادل سزا، سزائے عمر قید، جو دفعہ 295-C میں رکھی گئی وہ قرآن وسنت کے منافی تھی۔ اس لئے راقم نے دوبارہ اس دفعہ سے "عمر قید" حذف

کرنے کا مطالبہ بذریعہ شریعت پٹیشن کر دیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور ''حد'' صرف سزائے موت مقرر ہے اور حد میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہیں کی جا سکتی۔ یہ شریعت پٹیشن فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلہ 30 اکتوبر 1990ء کے ذریعہ منظور کر لی اور قرار دیا کہ اہانت رسول کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے جس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

فیڈرل شریعت کورٹ نے توہین رسالت کا یہ فیصلہ صدر حکومت پاکستان کو ارسال کر دیا تھا کہ 295۔سی تعزیرات پاکستان میں ترمیم کر کے ''عمر قید'' کے الفاظ 30 اپریل 1991ء تک اس دفعہ سے حذف کر دیئے جائیں ورنہ اس تاریخ سے ''عمر قید'' کے الفاظ اس دفعہ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ اس فیصلہ میں حکومت کو مزید ہدایت کی گئی کہ اس دفعہ میں ایک اور شق کا اضافہ کیا جائے، جس کی رو سے دوسرے پیغمبروں کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس فیصلہ کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جو ہمارے نوٹس پر حکومت نے واپس لے لی۔ اس طرح فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ عدالت عظمی میں بھی بحال رہا جس کی وجہ سے ''عمر قید'' کے الفاظ آئین، قانون اور فیصلہ کے مطابق 295-C سے حذف ہو کر ''عمر قید'' کی سزا غیر موثر ہو چکی ہے اور اب پاکستان میں اہانت رسول مقبول ﷺ کی سزا بحمد للہ بطور حد سزائے موت مقرر ہو کر نافذ العمل ہے۔

یہاں ہم ایک اور اہم مقدمہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جو 22 ستمبر 2005 سپریم کورٹ آف پاکستان نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے ڈاکٹر محمد امین بنام محمد محبوب میں نہایت اہم آئینی اور قانونی نکتہ پر دیا ہے جبکہ یہ کتاب زیر طباعت تھی۔ ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے محبوب ملزم کو توہین رسالت کے مقدمہ میں اس لئے بری کر دیا تھا کہ استغاثہ (Prosecution) کی شہادت اسلام کے معیار شہادت کے مطابق نہیں تھی اس حد تک تو فیصلہ درست تھا لیکن اور ایک وجہ جس کا ذکر فیصلہ میں نمایاں طور پر کیا گیا تھا وہ یہ کہ توہین رسالت کا مجرم اگر اپنے گناہ سے توبہ کر لے تو عدالت اسے معاف کرتے ہوئے بری کر سکتی ہے۔ اس عاجز نے عدالت عالیہ کے اس اختیار کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا کہ توہین رسالت کے بارے میں قرآن اور سنت اجماع اور آئین اسلامی جمہوریہ آف پاکستان کی رو سے اور فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کے فیصلہ شدہ مقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد کسی عدالت، گورنمنٹ یا اتھارٹی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجرم کو توبہ (Repetence) پر معاف کر دے۔ ایسی صورت میں گستاخان رسول کو یہ فری لائسنس مل جائے گا کہ وہ آپ ﷺ کی توہین کریں اور پھر توبہ کر کے اس جرم سے بری ہو جائیں۔

سپریم کورٹ نے ہمارے دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے قرار دیا کہ عدالتیں فیڈرل شریعت کورٹ کے (1991 FSC 10) کے فیصلہ کی پابند ہیں اور توہین رسالت کے مجرم کو معاف کر دینے کا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی نقل کتاب کے ضمیمہ میں شامل ہے۔

ہم فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے مذکورہ بالا حوالے سے اسلامی قانون حدود اور تعزیرات کے بنیادی نکتہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں: اسلام ہی نے دنیا میں سب سے پہلے نیت، ارادے، اور قصد کو جرم کا بنیادی رکن بنایا ہے اس سے قبل رومن لاء یا ہندوستان میں لاگو اینگلو سیکسن لاء میں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کے قوانین میں ارادہ قصد یا نیت کو جرم کا بنیادی رکن یا اسے جرم سے متعلق جز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج سے چودہ سو سال قبل شارع اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے ارادہ اور نیت کو جرم اور عمل کی بنیاد بنا کر انسان کو جزا اور سزا کا مستحق قرار دیا، جو دنیائے قانون وعدل میں سب سے پہلا انقلابی اقدام تھا۔ چونکہ ساری دنیا نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ جز وقانون بن چکا ہے، اس لئے اس تاریخی حقیقت کو دنیا نے فراموش کر دیا ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ کی یہ مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" یعنی ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے، اُس کی روشنی میں C-295 کو قرآن اور سنت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ہمیں اسے دو حصوں میں منقسم کرنا پڑے گا۔ ایک تو بالا رادہ جرم توہین رسالت یعنی وہ عمل جو قصداً اور عمداً اہانت رسول اور انبیائے کرام کے لئے کیا جائے، تو اس کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے۔ دوسرا جرم جو بلا ارادہ ہو، جس میں اہانت اور گستاخی کے کسی پہلو کی کوئی نیت یا ارادہ کسی صورت میں ظاہر نہ ہو یا اس میں ایسی کوئی بات نہ ہو جس پر ملزم کی مجرمانہ ذہنیت پر استدلال کیا جا سکے تو اسے حد کی سزا موت نہیں دی جائے گی مگر اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا کہ اس نے بلا قصد وارادہ سہی لیکن گستاخی کر کے حزم واحتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا، جس کی ہر عاقل بالغ شخص سے توقع کی جاتی ہے۔ البتہ جبر واکراہ میں ملزم مستوجب سزا نہیں ہے مگر جو شخص جبر واکراہ کا موجب ہو، وہ سزائے موت کا مستحق قرار پائے گا۔ قتل جیسے سنگین جرم میں اگر قتل بالا رادہ ہو تو وہ قتل عمد کہلائے گا، جس کی سزا بطور حد سزائے موت ہے۔ لیکن اگر وہ قتل بالا رادہ نہ ہو، اسے قتل خطا کہا جائے گا، جس کی سزا حد کی طرح قتل نہیں بلکہ اس سے کم تر ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں شروع ہی سے ہمارا یہی موقف رہا ہے اور وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے فیصلہ میں اس سے اتفاق کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

ایک اور بات بھی قانون ساز ادارے (Legislature) کے لئے ضروری طور پر لائق توجہ

ہے کہ حدود کے نفاذ کے لئے نصاب شہادت اور تزکیۃ الشہود کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جس کے بغیر زنا جیسے سنگین جرم میں بھی حد جاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر جرم زنا میں حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو اسے قابل تعزیر جرم قرار دے کر مجرم کو کم تر سزا دی جائے گی۔ اس لئے اگر توہین رسالت کے جرم میں شرائط حد پوری نہ ہوتی ہوں تو ایسی صورت میں اسے قابل تعزیر جرم قرار دے کر اس کے لئے قرار واقعی سزا مقرر دی جائے گی۔ یہ ضمن دفعہ 295-C میں شامل نہ بھی ہو تو عدالت تعزیری سزا دینے کی مجاز ہے اور اسلامی قانون اس کی اجازت دیتا ہے جیسا کہ ہمارے ہی ایک مقدمہ بعنوان خلیل الزماں کیس (1999 SCMR 2203) میں سپریم کورٹ نے تعزیری سزا کو جائز قرار دیا ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان

(فیصلہ بمقدمہ توہین رسالت)

☆ جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس

☆ جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی

☆ جناب جسٹس عبادت یار خان

☆ جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم

☆ جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان

شریعت پٹیشن نمبر 6 ایل، سال 1987، منفصلہ 30 اکتوبر 1990ء

مقدمہ: محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ چیئرمین
ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس، پٹیشنر

بنام

حکومت پاکستان بذریعہ سیکرٹری قانون و پارلیمانی امور، ریسپانڈنٹ

تاریخ ہائے سماعت 26 تا 29 نومبر 1989۔ 4 تا 7 مارچ 1990

جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس:

یہ فیصلہ درخواست شریعت نمبر (1984) 1/ایل اور درخواست ایل ایس نمبر 87/106 میں اٹھائے گئے (شرعی اور آئینی) نکتہ کے بارے میں صادر کیا جاتا ہے۔ درخواست گزار محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295۔سی کو جو بذریعہ آرڈیننس 1988 پاکستان میں نافذ کی گئی ان درخواست ہائے شریعت کے ذریعے چیلنج کیا ہے، قبل ازیں ایسی ہی ایک درخواست شریعت، سائل درخواست گزار نے عدالت ہذا میں دائر کی تھی مگر اس کا فیصلہ ہونے سے پیشتر قانون ساز اسمبلی نے ازخود قانون (توہین رسالت) میں ترمیم کردی اور متذکرہ بالا 295۔ سی پاکستان پینل کوڈ میں شامل کردی گئی، جس سے درخواست گزار مطمئن نہیں، اس لئے عدالت

ہذا سے رجوع کیا گیا ہے

دفعہ 295 سی کا متن حسب ذیل ہے:

دفعہ 295۔سی: رسول ﷺ پاک کے لئے اہانت آمیز الفاظ کا استعمال:

"کوئی شخص بذریعہ الفاظ زبانی، تحریری یا علانیہ، اشارتاً، کنایتاً بہتان تراشی کرے اور رسول اکرم محمد ﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے، اسے سزائے موت، یا سزائے عمر قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا"۔

2- اس دفعہ کے خلاف صریح اعتراض یہ ہے کہ اس میں متبادل سزا، سزائے عمر قید، ان احکامات اسلامی کیخلاف ہے جو قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ میں دیئے گئے ہیں۔ جو نکتہ اعتراض اٹھایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی شان میں کسی قسم کی کوئی بے ادبی یا اہانت آمیز بات شرعی حد کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کی سزا قرآن اور سنت میں بطور حد مقرر ہے، جس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ فاضل ایڈووکیٹ نے اس سلسلہ میں سورہ الانفال کی آیت 13 اور سورہ النساء کی آیت 65 پر حصر کیا ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں کہ توہین رسالت کی سزا، صرف سزائے موت ہے اور کسی عدالت کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس سے کم تر سزا یعنی عمر قید کی سزا دے۔ قرآنی آیات کے علاوہ احادیث نبوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

عدالت ہذا نے اس مقدمہ کی سماعت کے لئے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کیے اور فقہاء حضرات سے بھی معاونت طلب کی۔ مقدمہ مذکور کی لاہور، کراچی اور اسلام آباد میں متعدد تاریخوں پر سماعت ہوئی اور عدالت کو مندرجہ ذیل فقہا حضرات کا تعاون حاصل رہا۔

1- مولانا سبحان محمود

2- مولانا مفتی غلام سرور قادری

3- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف

4- مولانا محمد عبد الفلاح

5- مولانا سید عبد الشکور

6- مولانا فضل ہادی

7- مولانا سعید الدین شیر کوٹی

مولانا شیر کوٹی کے سوا تمام حضرات نے سائل کے موقف کی تائید کی کہ اس جرم کی سزا

صرف سزائے موت ہے لیکن مولانا سبحان محمود، مولانا مفتی غلام سرور قادری اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی رائے میں اگر مجرم توبہ کر لے تو سزا موقوف کر دی جائے گی۔ تاہم مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے کہا کہ کم تر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

4- مولانا سبحان محمود نے قرآن مجید کی آیات 217:2، 75:5، 65:9، 57:33،66، 1:39، 28:47 اور 2:49 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے کچھ احادیث اور فقہی آراء بیان کیں جن میں شاتم کو مرتد تصور کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید اس حدیث پر اعتماد کیا جو ابو قلابہؒ سے مروی ہے جس میں شاتم کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے قاضی عیاضؒ سے مروی حدیث پر بھی اعتماد کیا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "ہلاک کر دو اس شخص کو جو پیغمبر کو گالی دے اور اسے درے لگاؤ جو آپ ﷺ کے اصحاب کو گالی دے"۔ انہوں نے ایسی احادیث پر بھی اعتماد کیا جن کے مطابق رسول پاک ﷺ نے شاتم کو سزائے موت دی۔ انہوں نے فقہاء کے اجماع کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے مزید موقف اختیار کیا کہ عمر قید کی سزا شاتم رسول عورت یا غیر مسلم کو دی جا سکتی ہے۔

5- مولانا مفتی غلام سرور قادری نے آیات قرآنی 104:4، 61:9، 62، 57:33،65، 57:49، 8:58 اور بعض احادیث پر اعتماد کیا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ شاتم کے لئے صرف سزائے موت ہی مقرر ہے ان کے علاوہ انہوں نے ان احادیث کے حوالے بھی دیئے، جن میں رسول ﷺ نے شاتم کو معاف کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث رسول پاک پیش کیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ اس نکتہ پر واضح ہیں کہ کس جرم میں توبہ قابل قبول ہے۔ مقتدر حنفی فقہا خصوصاً ابن عابدین، کے اقوال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ شاتم کی توبہ قابل قبول ہے اور بتلایا یہی فقہاء حنفیہ کا ترجیحی نظریہ ہے۔

6- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے حنفی فقہا کے نظریہ پر اعتماد کیا کہ شاتم کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ لیکن انہوں نے آیات قرآنی اور رسول پاک ﷺ کی احادیث کے حوالے بھی دیئے، بالخصوص ایک حدیث جو ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کی جاتی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) بدل دے"۔ ان کے مطابق شاتم چونکہ مرتد ہو جاتا ہے پس اسے سزائے موت دی جانی چاہئے۔ انہوں نے ابن تیمیہؒ کی رائے کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے امام مالکؒ

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے فتاویٰ پر بھی اعتماد کیا، (جن کے مطابق شاتم کی سزا قتل قرار دی گئی ہے۔

7- مولانا محمد عبدالفلاح نے دوسری آیات کے ساتھ ساتھ اس قرآنی آیت 46:4 اور احادیث رسول پاک پر اعتماد کیا جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاتم کی سزا موت مقرر فرمائی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

8- مولانا سید عبدالشکور نے آیات 12:9، 24 اور 33 57:33 کا حوالہ دیا۔ انہوں نے احادیث رسول پاک بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے گستاخان رسول کو سزائے موت دی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' مصنفہ عبدالرحمٰن الجزیری، جلد پنجم صفحات 274-275 اور ''ردالمختار'' جلد سوم، صفحات 290-291 سے مختلف فقہا کی آراء بھی پیش کیں۔

9- مولانا فضل ہادی نے آیات 12:9، 57،28:33، 58، 2:49، 22:66 اور 65:66 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے رسول پاک ﷺ کی کچھ احادیث کا حوالہ بھی دیا جن میں شاتم رسول کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے فقہاء کی آراء بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

10- مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے قرآن مجید کی آیات 2:187، 229، 4:13، 33:57، 9:48 اور 2:49، 3، 53 کے حوالے دیئے۔ انہوں نے متعدد احادیث بھی پیش کیں، جن میں رسول پاک ﷺ نے بعض گستاخان رسالت کو سزائے موت دی اور بعض کو معاف بھی فرمایا۔ انہوں نے فقہا کی بہت سی آراء کا حوالہ بھی دیا خصوصاً جن کا ذکر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''امدادالفتاویٰ'' جلد پنجم، صفحات 166-168 پر کیا ہے۔

11- تقریباً تمام فقہا نے مندرجہ ذیل آیات پر اعتماد کیا ہے جو یوں ہیں:

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے''۔ (الاحزاب 57:)

اس بات کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

''ہر چیز جو رسول پاک ﷺ کی ایذا کا سبب بن جائے، خواہ وہ مختلف معنی کے حامل الفاظ کے حوالہ سے ہو یا ایسے عمل سے جو آپ ﷺ کی اذیت کے تحت آتا ہے''۔

الجامع الاحکام القرآن، جلد 14، صفحہ (238)

علامہ اسماعیل حقی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے کا مطلب، دراصل صرف رسول ﷺ کو اذیت دینا ہے اور اللہ کا ذکر صرف عظمت اور سرفرازی کے لئے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ رسول ﷺ کو اذیت دینا، دراصل اللہ کو اذیت دینا ہے"۔

12- دوسری آیت جس پر اعتماد کیا گیا ہے، اس طرح ہے:

"ان میں سے کچھ لوگ ہیں، جو اپنی باتوں سے نبی ﷺ کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ کہو وہ تمہاری بھلائی کے لئے ایسا ہے، وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے اور سراسر رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایماندار ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ دیتے ہیں، ان کے لئے دردناک سزا ہے"۔(61:9) "یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور رسول ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں" (التوبہ 61،62)

ابن تیمیہؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سورہ التوبہ کی "آیت 62 اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ہے" (الصارم المسلول، ص 20،21)

13- ابن تیمیہؒ مزید لکھتے ہیں "ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب شاتمان رسول کے گروہ میں سے ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: تم اور تمہارے دوست مجھ پر کیوں سب وشتم کرتے ہیں، جس پر وہ شخص چلا گیا اور اپنے دوستوں کو لے آیا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا انہوں نے آپ ﷺ کو برا بھلا نہیں کہا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

"جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا، وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے، جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور اپنے نزدیک یہ سمجھیں گے کہ اس سے ان کا کچھ کام بن جائے گا۔ خوب جان لو، وہ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں"۔(18:58)

"شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دلوں سے بھلا دی ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو، شیطان کی پارٹی والے ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں"۔(المجادلہ 19:58،18)

یہ آیات مندرجہ ذیل آیت سے منسلک ہیں۔

"یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتے ہیں"۔(المجادلہ:20)

14- اس طرح ان آیات قرآن پاک سے بھی ظاہر ہے کہ یہ گالی دینے والے اور شاتم، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں، جن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

"اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور پور پور پر چوٹ لگاؤ۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لئے نہایت سخت گیر ہے"۔(الانفال:13،12)

"اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ہی"۔(2:59)

"یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کیا اور جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے، اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے"۔(الحشر:3، 4)

چنانچہ یہ آیات واضح طور سے سزائے موت مقرر کرتی ہیں، ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں، جن میں شاتمان رسول شامل ہیں۔

15- قرآن پاک اس ضمن میں مزید بیان کرتا ہے:

"اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔ (60:33) "ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے"۔(الاحزاب33:60-61)

16- قرآن پاک نے رسول ﷺ کی تعظیم اور تکریم ایک دوسرے طریقہ سے بھی بیان کی ہے اور مسلمانوں کو اسے قائم رکھنے اور اس معاملہ میں احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے ورنہ ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ فرمایا:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی ﷺ

کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔ (الحجرات:2)

ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مومنین کو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ان کی بلند آوازی ان کے اچھے اعمال کو غارت نہ کر دے اور وہ اس سے بے خبر ہوں"۔

17- قرآن کی مختلف آیات سے یہ واضح ہے کہ کفر اور ارتداد انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو: اس میں لڑنا بہت برا ہے، مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک، اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ، قتل سے شدید ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں (اور خوب سمجھ لو کہ) کہ تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا، اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے"۔ (البقرہ:217)

"آج تمہارے لئے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں، خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ ہو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو اور جس کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا"۔ (المائدہ:5)

"یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ، وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے، رہنمائی کرتا ہے، لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا"۔ (الانعام:88)

"تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاءؑ کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے"۔ (الزمر:65)

"کیونکہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے"۔ (محمد:9)

18- جناب رسالت مآب ﷺ کے خلاف الزام تراشی کو روکنے کے لئے قرآن پاک نے مومنوں کو ذو معنی الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ یہودی رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لئے کرتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"اے ایمان والو! راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو عذاب عظیم کے مستحق ہیں"۔ (البقرہ 104)

مولانا محمد علی صدیقی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہود یہ لفظ رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لئے استعمال کرتے تھے۔ لفظ راعنا کے دو معنی ہیں: اچھے اور برے۔ اس کے اچھے معنی ہیں "ہم پر مہربانی کیجئے اور توجہ فرمایئے"۔ برے معنی ہیں جو یہود راعینا کہتے تھے یعنی "اے ہمارے گڈریئے" اور وہ یہ لفظ رسول ﷺ کی شان گھٹانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ پس یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے جو توہین رسالت کے برابر ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا تھا، تاکہ وہ تمام راستے بند ہو جائیں جو رسول ﷺ کی اہانت کا باعث ہوں"(3)

19- یہود لفظ راعنا کو راعینا کی طرح استعمال کرتے تھے، تاکہ اسلام کو عیب لگائیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"جو لوگ یہودی بن گئے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لئے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا حالانکہ اگر وہ کہتے سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ انہی کے لئے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ، مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے، اس لئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں"۔ (النساء 46)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا تاکہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے راستے مسدود ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محروم مذہب سے انحراف ہے"۔ (معالم القرآن از محمد علی صدیقی، جلد اول، صفحات 463 تا 468)

20- عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ یہودی نے فیصلہ کے لئے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور منافق نے اسے کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لئے کہا بہر حال دونوں رسول پاک ﷺ کی خدمت میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ منافق اس فیصلہ پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ وہ تنازعہ حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو بتا دیا کہ رسول پاک ﷺ پہلے ہی میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ یہ شخص اس پر راضی نہ تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے منافق سے کہا کیا یہ ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں حضرت عمرؓ اندر گئے، اپنی تلوار لی اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا اس شخص کے لئے میرا یہی فیصلہ ہے جو رسول پاک ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا اس پر یہ آیت 65:4 نازل ہوئی (روح المعانی، جلد پنجم، صفحہ 67)

''نہیں، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔ (النساء: 65)

حضرت عمرؓ کے اس عمل کی قرآن کریم نے توثیق کی اور یہ اہانت رسول پاک کے لئے سزائے موت کی نظیر ہے۔

21- قرآن پاک نے مزید اعلان کیا ہے کہ اہانت رسول ارتداد ہے، خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

''اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو، کیا تمہاری ہنسی اور دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی؟'' اب عذر نہ تراشو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیا تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے''۔ (التوبہ: 65-66)

22- ابن تیمیہؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑانے کے بارے میں ہے پس اہانت کو کفر سے بھی شدید تر گردانا جائے گا جیسا کہ ان آیات سے اخذ ہوتا ہے کہ جو کوئی رسول ﷺ کی توہین کرتا ہے مرتد ہو جاتا ہے'' (الصارم المسلول، صفحہ 31)

ابوبکر بن عربی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''منافقین یہ لفظ دانستہ بولتے تھے یا بطور استہزاء، بہر حال صورت جو بھی ہو یہ کفر ہے کیونکہ کفریہ الفاظ سے مذاق کرنا بھی کفر ہے'' (احکام القرآن: جلد دوم، صفحہ 924)

23- قرآن نے رسول پاک ﷺ کی عظمت وشان کے پیش نظر ذرا سی بھی وجہ ناراضی سے منع کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا مومنوں کے لئے ممنوع ہے تاکہ اہانت رسول کا ذریعہ نہ بن سکے۔ قرآن کہتا ہے:

''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو، نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ۔ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے''۔ (الاحزاب:53)

24- رسول پاک ﷺ قرآن حکیم کے بہترین شارح ہیں اور یہ آپ ﷺ کی سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کا شاتم سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے:

(1) حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کو قتل کرو جو ایک نبی کو گالی دیتا ہے اور جو میرے صحابہؓ کو گالی دے اسے درے لگاؤ''۔ (الشفاء از قاضی عیاض، جلد دوم، صفحہ 194)

(2) ابن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا شخص کے پاس ایک لونڈی تھی، جو رسول پاک ﷺ پر سب وشتم کیا کرتی تھی۔ اس نابینا شخص نے اسے اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا اور اسے ایسا نہ کرنے کی تنبیہ کی مگر اس نے پروانہ کی۔ ایک شب جب وہ حسب معمول رسول پاک ﷺ کو گالیاں دے رہی تھی، اس نابینا شخص نے چھری اٹھائی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اگلی صبح جب اس عورت کے قتل کا مقدمہ رسول پاک ﷺ کی عدالت میں

پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا "یہ کام کس نے کیا ہے، کھڑا ہو جائے اور اقبال کرے، کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے باعث میرا اس پر حق ہے"۔ اس پر نابینا شخص کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو چیرتا ہوا رسول پاک ﷺ کے سامنے آیا اور بولا "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس لونڈی کو قتل کیا ہے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کو گالیاں دی تھیں۔ میں نے مسلسل اسے منع کیا مگر اس نے کوئی پروانہ کی۔ اس سے میرے دو خوبصورت بیٹے ہیں اور وہ میری بہت اچھی ساتھی تھی مگر کل جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا شروع کیں تو میں نے اپنی چھری اٹھائی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور اسے ہلاک کر دیا۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "اے لوگو، گواہ رہنا اس عورت کا خون رائیگاں گیا"۔ (4)

(3) حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ اس کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ رسول پاک ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔

(4) ابو برزہؓ کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ جب وہ ایک شخص پر برہم ہوئے، میں نے ان سے کہا "اے خلیفہ رسول! مجھے حکم دیجئے میں اسے قتل کر دوں۔ اتنی دیر میں ان کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ اندر گئے اور مجھے بلایا اور کہا "تم نے کیا کہا تھا؟" میں نے عرض کیا "مجھے حکم دیجئے اسے قتل کرنے کا"۔ آپ نے فرمایا "اگر میں تمہیں حکم دے دیتا تو کیا تم اسے قتل کر دیتے؟" میں نے کہا "ہاں" انہوں نے کہا "نہیں" اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص اس حیثیت میں نہیں کہ اُن کو برا کہنے والا قتل کیا جائے"۔ (5-ب)

(5) جابر بن عبداللہؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "کعب بن اشرف کے خلاف کون میری مدد کرے گا۔ بلاشبہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی"۔ اس پر محمد ابن مسلمہؓ کھڑے ہوئے اور بولے "اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کر دوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ چنانچہ وہ عباس ابن جابرؓ اور عباد ابن بشرؓ کے ہمراہ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ 88)

(6) ۔ براء ابن عازب سے سند کے ساتھ روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول پاک ﷺ نے انصار کے کچھ آدمی عبداللہ ابن عتیق کی سرکردگی میں ایک یہودی ابو رافع نامی کے پاس بھیجے، جو رسول پاک ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا"۔ (الصارم المسلول، صفحہ 152)

(7) عمیر ابن امیہ کی سند سے روایت ہے کہ اس کی ایک مشرکہ بہن تھی جو اس کو رسول ﷺ سے

ملاقات پر طعنے دیتی تھی اور رسول ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی آخر کار ایک دن انہوں نے اپنی تلوار سے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بیٹے چلائے اور بولے "ہم ان قاتلوں کو جانتے ہیں جنہوں نے ہماری ماں کو ہلاک کیا اور ان لوگوں کے والدین مشرک ہیں"۔ عمیرؓ نے سوچا کہ اس عورت کے بیٹے کہیں غلط اشخاص کو قتل نہ کر ڈالیں۔ وہ رسول ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورے معاملہ کی اطلاع آپ ﷺ کو دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا "کیا تم نے اپنی بہن کو مار ڈالا؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا "کیوں؟" انہوں نے کہا کہ وہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے نقصان پہنچا رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے بیٹوں کو بلایا اور قاتلوں کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کی بطور قاتل نشاندہی کی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اصل واقعہ بتایا اور اس کی موت کو رائیگاں قرار دیا۔ (مجمع الزوائد ومنابع الفوائد، جلد پنجم، صفحہ 260)

(8) بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عام معافی کے اعلان کے بعد ابن خطل اور اس کی لونڈیوں کے قتل کا حکم دیا، جو رسول ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھیں۔ (الشفاء، جلد دوم، صفحہ 284)

(9) قاضی عیاضؒ نے الشفا میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا "اس شخص کو کون ہلاک کرے گا؟"۔ اس پر خالد بن ولیدؓ نے کہا "میں اسے قتل کروں گا"۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (الشفاء از قاضی عیاضؒ، جلد دوم، ص 284)

(10) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بولا "اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے باپ نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہا میں برداشت نہ کر سکا اور اسے قتل کر دیا"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اس عمل کی توثیق فرمائی (الشفاء، جلد دوم، صفحہ 285)

(11) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت جو بنی خطمہ سے تعلق رکھتی تھی، رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "اس بدزبان عورت سے کون انتقام لے گا"۔ اس کے قبیلہ کے ایک شخص نے یہ ذمہ داری اٹھائی اور اسے قتل کر دیا پھر وہ رسول پاک ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس قبیلہ میں دو بکریاں بھی نہیں لڑیں گی اور لوگ اتحاد ویگانگت سے رہیں گے"۔ (الشفاء، جلد دوم، صفحہ 286)

25- حضرت عبدالرزاق نے اپنی "تصنیف" میں مندرجہ ذیل احادیث توہین رسول پاک اور اس کی سزا کے متعلق بیان کی ہیں:

(1) حدیث نمبر 9704: حضرت عکرمہؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے اس دشمن کیخلاف کون میری مدد کرے گا"۔ زبیرؓ نے کہا "میں" پس وہ (زبیر) اس سے لڑے اور اسے قتل کر دیا۔

(2) حدیث نمبر 9705: عروہ ابن محمد کی سند سے روایت ہے کہ (جو نبی ﷺ کے ایک صحابی کے حوالے سے کہتے ہیں) ایک عورت رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا۔" اس پر خالد بن ولیدؓ اس کے تعاقب میں گئے اور اسے قتل کر دیا۔

(3) حدیث نمبر 9706: عبدالرزاق کی سند سے بیان کیا جاتا ہے (جو اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں) کہ جب ایوب ابن یحییٰ عدنان کے پاس گئے، ان کو ایک آدمی کی نشاندہی کی گئی جو رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ انہوں نے اس معاملہ میں علماء سے صلاح مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن ابن یزید سنانی نے انہیں مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں ایک حدیث سنائی تھی کہ وہ حضرت عمرؓ سے ملے اور ان سے بہت علم حاصل کیا۔ ایوب نے اس عمل کا ذکر عبدالملک (یا ولید ابن عبدالملک) سے بھی کیا۔ انہوں نے جواباً ان کے عمل کی تعریف کی۔

(4) حدیث نمبر 9707: سعید ابن جبیر کی سند سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی نقل کی۔ آپ ﷺ نے علی اور زبیر کو بھیجا اور ان سے کہا "جب تم اسے پاؤ تو قتل کر دو"۔

(5) حدیث نمبر 9708: ابن تیمی کی سند سے روایت ہے، جو اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، کہ حضرت علیؓ نے اس آدمی کے قتل کا حکم دیا جس نے رسول اللہ ﷺ پر الزام لگایا

(مصنف عبدالرزاق، جلد پنجم، صفحات 377-378)

26- یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے بعض شاتمین کو معاف فرما دیا تھا لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ رسول ﷺ کو بذات خود ہی معافی کا اختیار تھا لیکن امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتمین کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ الصارم المسلول از ابن تیمیہ، صفحات 222-223)

27- ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ ابوسلیمان خطابی نے کہا:

"اگر شاتم رسول مسلمان ہو تو اس کی سزا موت ہے اور اس میں میرے علم کے مطابق

مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں'' (الصارم المسلول، صفحہ 4)

28- قاضی عیاض لکھتے ہیں:

''اس نکتہ پر ائمہ کا اجماع ہے کہ ایک مسلمان مرتکب توہین رسالت کی سزا موت ہے''۔ (الشفاء جلد دوم صفحہ 211)

قاضی عیاض مزید رقم طراز ہیں:

''ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، آپ ﷺ میں کوئی نقص نکالے یا آپ ﷺ کے نسب میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت میں آپ ﷺ کی طرف کوئی کنایہ کرے یا کسی دوسری چیز سے آپ ﷺ کی مشابہت کرے۔ آپ ﷺ کی توہین، بے عزتی، تذلیل کرے یا نقص کے طور پر، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاتم ہے اور وہ قتل کیا جائے گا اور علماء وفقہاء کا اس نکتہ پر اجماع صحابہ کے زمانہ سے آج تک ہے۔ (الشفاء، جلد دوم، صفحہ 214)

29- ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں کہ ایک مسلمان جو دانستہ رسول اللہ ﷺ کی تضحیک و توہین کرتا ہے، مرتد ہو جاتا ہے اور سزائے موت کا مستوجب ہوتا ہے''۔ (احکام القرآن، جلد ہشتم، صفحہ 106)

یہاں ایک اور حدیث بیان کرنا مفید ہوگا۔

''عبداللہ ابن عباس کی سند سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) تبدیل کرتا ہے''۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ 123)

30- قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے شاتم رسول کی سزا کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ عراق کے کچھ فقہاء نے اس کو درے لگانا تجویز کیا ہے۔ اس پر امام مالکؒ غضب ناک ہو گئے اور کہا:

''اے امیر المومنین! اس امت کو زندہ رہنے کا کیا حق حاصل ہے جب اس کے رسول ﷺ کو گالیاں دی جائیں پس اس شخص کو، جو رسول ﷺ کو برا بھلا کہے، قتل کرو اور اس کو درے لگاؤ جو آپ ﷺ کے صحابہ کو برا بھلا کہے''۔ (الشفاء، جلد دوم، صفحہ 215)

31- ابن تیمیہ اس ضمن میں فقہاء کی آرا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابوبکر فارسی شافعی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم رسول

کی سزا موت ہے، اگر وہ مسلمان ہے“۔ (الصارم المسلول، صفحہ 3)

32- مندرجہ بالا بحث سے کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا کہ قرآن پاک کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور اس کے بعد امت میں تواتر سے اسی پر عمل ہو رہا کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کی سزا موت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نے سزا میں کمی یا معافی کا حق استعمال نہیں کیا اور نہ کسی کو اس کا اختیار تھا۔ اس طرح مقدمہ میں پیدا ہونے والا دوسرا سوال اہانت رسول کا تعین یا اس کی واضح تعریف ہے۔

33- سب وشتم کے الفاظ اور اذی، توہین رسول کے لئے قرآن پاک اور سنت میں استعمال ہوئے ہیں۔ سب کے معنی تکلیف دینے، نقصان پہنچانے، تنگ کرنے، اہانت کرنے، بے عزتی کرنے، ناراض کرنے، مجروح کرنے، تکلیف میں مبتلا کرنے، بدنام کرنے، درجہ گھٹانے اور طنز کرنے کے ہیں۔ (Arabic English (Dictionary, E.W. Lane, Book1, part 1 page 24)

لفظ شتم کے معنی ہیں بے عزتی کرنا، گالی دینا، ملامت کرنا، جھڑ کنا، بددعا دینا، بدنام کرنا۔ (ایضاً صفحات 212-249)

علامہ رشید رضا لفظ ”اذی“ کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کے معنی کوئی ایسی چیز ہے جس سے زندہ شخص کے جسم یا ذہن کو تکلیف پہنچے، خواہ ہلکی ہی ہو“۔ (تفسیر المنار، جلد دہم، صفحہ 445)

علامہ ابن تیمیہؒ توہین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کے معنی رسول ﷺ کو لعنت کرنے، ان کے لئے کسی مشکل کی دعا کرنے یا ان کی طرف کسی ایسی چیز کو منسوب کرنا ہے جو ان کے رتبہ کے لحاظ سے نازیبا ہو یا کوئی توہین آمیز، جھوٹے اور نامناسب الفاظ استعمال کرنا یا ان سے جہالت منسوب کرنا یا ان پر کسی انسانی کمزوری کا الزام لگانا وغیرہ“۔ (الصارم المسلول، صفحہ 526)

34- ابن تیمیہؒ توہین رسالت کے جرم کے دائرہ اور لزوم پر بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعض اوقات ایک حالت میں ایک لفظ ہی ضرر اور توہین بن جاتا ہے، جبکہ دوسرے موقع پر ایسا لفظ ضرر بنتا ہے نہ توہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ذومعنی اور مختلف مطالب والے لفظ کی توضیح، حالات اور مواقع کے ساتھ بدل جاتی ہے“۔ (الصارم المسلول، صفحہ 540)

35- فوجداری مسئولیت کے لئے خطا کاری دانستہ طور پر ارادتاً ہونا چاہئے یا کسی مجرمانہ غرض

سے کی جائے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غفلت سے کی گئی ہو اور ہر موقع پر فاعل کی ذہنی کیفیت ایسی ہو جو سزا کو موثر بنا سکے۔ اگر ایک شخص دانستہ غلط کاری اختیار کرتا ہے تو تعزیری نظام آئندہ کے لئے اسے راہ راست اختیار کرنے کے لئے وافر قوت محرکہ فراہم کرے گا۔ اگر دوسری طرف اس سے ممنوعہ فعل خطا کارانہ نیت کے بغیر سرزد ہوا ہے، تب بھی نقصان دہ نتائج کے امکان کو محسوس کرتے ہوئے سزا آئندہ کے بہتر طرز عمل کے لئے موثر ترغیب ہو سکتی ہے۔

36- تاہم دوسرے ایسے مواقع بھی ہو سکتے ہیں جہاں کافی یا ناکافی وجوہ کی بناء پر قانون ایک کم درجہ کے مجرمانہ ذہن پر مطمئن ہو۔ یہ صورت غفلت کے جرائم کی ہے۔ ایک شخص کو کسی جرم کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے اگر اس نے وہ فعل ایک معقول انسان کی طرح متوقع نتائج سے بچنے کے لئے نہ کیا ہو۔ دوسرے معاملہ میں قانون اس سے آگے جا سکتا ہے اور ایک شخص کو بلا لحاظ کسی مجرمانہ ذہنی کیفیت یا قابل مواخذہ غفلت کے اس کے فعل کا ذمہ دار قرار دے سکتا ہے۔ ایسی خطا کاریاں، جو غلطی سے مبرا ہوں، شدید ذمہ داری والی خطا کاری سے ممیز کی جا سکتی ہیں۔

37- خطا کاریاں تین قسم کی ہیں:

1- دانستہ یا غفلت کی خطا کاریاں، جن میں مجرمانہ نیت، مقصد، منصوبہ یا کم از کم پیش بینی شامل ہو۔

2- غفلت کی خطا کاریاں، جہاں مجرمانہ ذہن محض غفلت کی کم اہم شکل اختیار کر لیتا ہے جو مجرمانہ نیت یا پیش بینی سے متضاد ہے۔ ایسی خطا کاریوں میں غلطی جیسا دفاعی موقف صرف مجرمانہ ذہن کی نفی کرے گا، اگر غلطی بذات خود غفلت نہ ہو۔

3- شدید ذمہ داری کی خطا کاریاں: جن میں مجرمانہ ذہن کی ضرورت نہیں اور نہ مجرمانہ یا قابل مواخذہ غفلت کو ذمہ داری کی لازمی شرط تصور کیا جائے گا یہاں اس قسم کے دفاعی موقف، جیسے غلطی سے کسی فعل کا سرزد ہونا قابل قبول نہیں۔

38- اس طرح نیت وہ مقصد یا منصوبہ ہے جس کے تحت ایک فعل کیا گیا ہو۔ فرض کریں ایک آدمی بندوق خریدتا ہے اس کی نیت شکار کھیلنے کی ہو سکتی ہے، اپنے دفاع کیلئے استعمال کی ہو سکتی ہے یا کسی پر گولی چلا کر اسے جان سے مار دینے کی ہو سکتی ہے تاہم اگر موخر الذکر فعل ذاتی مدافعت ثابت نہیں ہوتا بلکہ قتل ثابت ہوتا ہے تب نیت ایسا ہی کرنے کی کہی جا سکتی ہے یعنی جان سے مار دینے کی۔

39- ایک غیر ارادی فعل وہ ہے جس میں ایسا مقصد یا منصوبہ مفقود ہو۔ ایک فعل جیسے جان سے

مارنا، جوایک وجہ اور اثر کا حامل ہے، اس وقت غیر ارادی ہوسکتا ہے جب کہ فاعل ایسے نتائج برآمد کرتا ہے جو اس کی نیت نہ تھے۔ کوئی شخص غلطی سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے جیسے شکار پر گولی چلاتے ہوئے یا غلط فہمی سے اس کو کوئی اور شخص تصور کرتے ہوئے۔ پہلے بیان کردہ صورتوں میں وہ عواقب کا اندازہ نہیں لگا سکتا جب کہ موخر الذکر صورت میں وہ بعض حالات سے ناواقف ہے۔

40- تاہم نظام قانون یہ اصول فراہم کرسکتا ہے کہ ایسے نتائج کے لئے آدمی کو قابل مواخذہ قرار دیا جائے چاہے یہ اس کی نیت نہ رہی ہوں۔ اولاً ایسا اصول ذہنی عناصر کی مشکل تفتیش کا تدارک کرے گا، دوم اور زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ اصول اس بناء پر معقول ہوگا کہ کسی شخص کو ایسے افعال نہیں کرنے چاہئیں جن کو وہ سمجھتا ہو کہ دوسروں کے لئے باعث آزار ہوں گے۔ خواہ اس کی نیت یہ آزار پہنچانے کی ہو یا نہ ہو۔ ایسا رویہ بظاہر غیر محتاط اور مورد الزام ہے، تاوقتیکہ خطرہ کا جواز خود فعل کے معاشرتی مفاد کی بنا پر نہ پیش کیا جا سکے۔

41- اس خاص تعلق سے اور عموماً ہر دو صورتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ قانون میں یہ اختیار ہوسکتا ہے اور بعض اوقات ہوتا ہے کہ نیت کی محدود تعریف سے باہر اس بناء پر ذمہ داری منسوب کی جائے جس کو تاویلی نیت کہا جاتا ہے۔ وہ نتائج جو دراصل محض غفلت کی پیداوار ہیں، قانون میں بعض اوقات دانستہ گردانے جاتے ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے کو شدید جسمانی نقصان پہنچاتا ہے، خواہ اسے ہلاک کرنے کی خواہش یا اس کی یقینی موت کی توقع کے بغیر ہی کیوں نہ ہو، موت واقع ہو جانے کی صورت میں وہ قتل کا مجرم ہوگا۔

42- اگر چہ کہ قانون اکثر بلا استثنا ہمیشہ اس قسم کے تغافل سے پیدا ہونے والے عواقب کو، جسے بے احتیاطی سے ممیز کیا جا سکے، دانستہ گردانتا ہے یعنی جہاں فاعل اپنے خطا کارانہ فعل کے متوقع عواقب کی پیش بینی کرسکتا ہے۔ بے شک ایک معقول آدمی کی پیش بینی بظاہر ایک مفید شہادتی کسوٹی ہے جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فاعل نے خود کیا بھانپ لیا تھا۔ لیکن متذکرہ اصول نے اسے ایک قانونی قیاس کی شکل دے دی ہے، جو بظاہر رد نہیں کی جا سکتی۔ یوں نیت کے تحت وہ افعال آتے ہیں جو صریحاً مد نظر ہوں یا جو غفلت سے کئے گئے ہوں۔

43- شریعت میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مجرمانہ نیت پہلے سے تھی یا جرم کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی۔ دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہے۔ اس اصول کی تائید درج ذیل حدیث رسول اکرم سے ہوتی ہے:

''اللہ تعالیٰ وہ تمام خیالات معاف فرما دیتا ہے جو میری امت کے افراد کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، جن کو وہ ظاہر نہیں کرتے یا جن پر وہ عمل نہیں کرتے''۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت پہلے سے طے شدہ قتل انسانی اور ایذا رسانی اور بغیر سوچے سمجھے قتل یا ایذا کے درمیان کوئی خط تفریق نہیں کھینچتی اور دونوں صورتوں میں بعینہ وہی سزا مقرر کرتی ہے۔ قتل کی مقررہ سزا قصاص ہے، خواہ وہ سوچا سمجھا ہوا ہو یا نہ ہو۔

44- نیت پختہ یا غیر پختہ ہو سکتی ہے۔ کسی مجرم کی کسی بھی شخص کو صاف ضرر پہنچانے کی نیت ایک واضح نیت سمجھی جائے گی۔ اگر مجرم اپنے نتائج پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو باوجود غیر واضح نتائج کے اس کا جرم ایک واضح فعل گردانا جائے گا، خواہ اس سے کچھ بھی نتائج پیدا ہوں۔ حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعی فقہاء مجرمانہ معاملات بشمول قتل کی واضح اور غیر واضح نیت میں کوئی تمیز روا نہیں رکھتے لہٰذا اگر مجرم کا فعل قتل پر منتج ہوتا ہے تو وہ دانستہ قاتل ہے، خواہ اس کی نیت کسی خاص مقتول کی نہ ہو۔

مزید برآں مجرم کی ذمہ داری کا تعین اور اس جرم کی قسم طے کرنے کے لئے، جس کا وہ مرتکب ہے، فقاء پختہ اور غیر پختہ نیت کو ایک سطح پر رکھتے ہیں اور انہیں ایک ہی حکم کے تابع خیال کرتے ہیں سوائے اس کے کہ جرم میں قتل اور نا پختہ نیت جرم شامل ہو۔

45- شریعت نے مجرمانہ نیت اور مقصد جرم کے فرق کو ابتداء ہی سے پیش نظر رکھا ہے مگر ارتکاب پر مقصد کے اثر اور طرز جرم اور اس پر عائد سزا کو تسلیم نہیں کیا۔ یوں شرع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقصد جرم پسندیدہ ہے، جیسے اپنے کسی قریبی عزیز کے قصاص یا مجرم کے ہاتھوں اس کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے یا یہ کہ مقصد جرم غیر پسندیدہ ہے جیسے روپے کے لالچ یا سرقہ کے لئے قتل کرنا۔

46- دوسرے الفاظ میں مقصد جرم کا مجرمانہ نیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے طرز جرم یا اس کی سزا متاثر ہوتی ہے، پس عملاً یہ ممکن ہے کہ جہاں تک حد اور قصاص کے جرائم کا تعلق ہے، مقصد کے اثر کو مسترد کر دیا جائے مگر ایسا کرنا تعزیری سزاؤں کے معاملات میں ممکن نہیں۔ مقصد حد اور قصاص کے جرائم کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ قانون ساز ہستی نے ارتکاب جرم کے پس پردہ مقصد پر غور کو قبول نہ کر کے عدالت کے اختیار کو مقررہ سزاؤں تک محدود کر دیا ہے۔ لیکن تعزیری سزاؤں کے مقدمات میں اس نے عدالت کو مقدار سزا اور قسم سزا متعین کرنے کا اختیار دیا ہے تاکہ عدالت کے لئے مقدار سزا کے تعین میں مقصد جرم کو پیش نظر رکھنا ممکن ہو۔

47- دوسرے الفاظ میں انسان کے بنائے ہوئے رائج الوقت قوانین اور شریعت اسلامی میں یہ

فرق ہے کہ موخر الذکر ان مقدمات میں، جو حدود اور قصاص کے زمرہ میں آتے ہیں، مقصد کے اثر کو تسلیم نہیں کرتا۔ شریعت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو عدالت کے لئے مقصد جرم پر غور کرنے پر مانع ہو اگرچہ اصولاً یہ سزا اس کے اثر کو تسلیم نہیں کرتی۔

48- مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہے کہ شریعت کسی جرم کو صرف اس وقت قابل حد تسلیم کرتی ہے جب اس کے ساتھ واضح نیت موجود ہو۔ شریعت سزائے حد موقوف کر دیتی ہے اگر اس امر میں کوئی شک ہو کیونکہ شبہات حد کو زائل کر دیتے ہیں۔

49- چنانچہ پیرا 37 کی صرف پہلی قسم کی خطائیں سزائے حد کو اپنی طرف متوجہ کریں گی اور اس کا اطلاق شاتم رسول پر ہوگا مزید یہ کہ چونکہ نیت کا پتہ وقوعہ کے گرد کے حالات سے چل سکتا ہے، دوسری اور تیسری قسم کے اعمال حدوں کی سزاؤں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کریں گے بشرطیکہ ملزم یہ ثابت کرے کہ اس کا ارادہ کبھی بھی جرم کرنے کا نہ تھا اور وہ نادم ہو۔ اگر کہے گئے الفاظ، کیے گئے اشارے یا عمل، مبہم ہوں یا وہ مجرمانہ ذہن یا بغض کے کچھ رجحانات ظاہر کرتے ہوں۔ یہاں ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ توہین رسول کے جرم میں ندامت کا فائدہ یہ ظاہر کرنے کے لئے اٹھایا جا سکتا ہے کہ مجرم کے ذہن میں کوئی مجرمانہ خیال یا بغض نہ تھا اور سزا اسی بناء پر موقوف کر دی جائے گی، اس لئے نہیں کہ ندامت ایک سوچی سمجھی توہین کو ختم کر دے گی۔

قرآن پاک کہتا ہے:

”نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لئے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو، اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے“۔ (الاحزاب:5)

”جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم وکرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے“۔ (الانعام:54)

”جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے“۔ (النحل:6)

”اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا

رکھے ہیں''۔(المؤمن:19)

50- حضرت عمرؓ کی سند سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے نبی ﷺ کو کہتے سنا:
''اعمال کی جزا کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو جو اس کی نیت رہی ہو گی اسی کے مطابق جزا ملے گی''۔ پس جنہوں نے دنیاوی فائدے کے لئے ہجرت کی اس کی ہجرت اس فائدے کے لئے تھی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔'' (بخاری، جلد اول، صفحہ 1، حدیث 1)

51- ابی ابن کعب کی سند سے روایت ہے کہ ''انصار میں ایک شخص تھا، جس کا گھر مدینہ کے آخری سرے پر تھا۔ لیکن اس نے رسول ﷺ کے ساتھ اپنی کوئی نماز قضا نہ ہونے دی ہمیں اس پر ترس آیا اور اس سے کہا: اے بھلے آدمی! تم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کوئی گھر کیوں نہیں خرید لیتے تا کہ تم گرمی اور اتنی دور سے آنے کی تکلیف سے بچ سکو۔ اس نے کہا: سنو اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میرا گھر رسول اللہ ﷺ کے قریب واقع ہو۔ مجھے اس کے یہ الفاظ برے لگے اور اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو (ان الفاظ کی) اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اس نے بالکل وہی کہا، جو اس نے ابی ابن کعب سے کہا تھا، مگر یہ بھی کہا کہ وہ اپنے ہر قدم کی جزا چاہتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حقیقت میں تمہارے لئے وہ جزا ہے جس کی تم نے نیت کی''۔ (مسلم، جلد اول، انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدیقی، صفحات 325-324 حدیث 404)۔ مندرجہ بالا حدیث صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ بظاہر جو الفاظ کہے گئے، وہ توہین آمیز معلوم ہوتے ہیں مگر یہ کہنے والے کی نیت نہ تھی پس اسے سزا سے مبرا قرار دیا گیا۔

52- یحییٰ ابن سعد کی سند سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے جب کہ مدینہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی۔ ایک آدمی نے اچانک قبر میں جھانکا اور بولا ایک مومن کی بری آرام گاہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پلٹ کر فرمایا: ''کیا بری شے تم نے دیکھی ہے''۔ اس شخص نے بات کھول کر کہی میرا یہ مطلب نہ تھا بلکہ میرا مطلب تھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد بہتر ہے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے تین مرتبہ کہا ''اللہ کی راہ میں مرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں، دنیا میں کوئی دوسرا خطہ زمین ایسا نہیں سوائے جہاد کے جہاں میں اپنی قبر پسند کروں'' (مشکوٰۃ جلد سوم، صفحات 663-662 انگریزی ترجمہ از فضل الکریم، حدیث 575)

53- یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ صرف یہ حقیقت کہ کہے گئے الفاظ رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی ہیں، جرم نہیں جب تک کہ یہ پرخاش یا تذلیل پر مبنی نہ ہوں مثلاً رسول اللہ ﷺ

کے روبرو بلند آواز میں بولنا منع ہے۔

قرآن پاک کہتا ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔ (الحجرات:2)

اس ضمن میں علامہ قرطبی آیت 49:2 کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چیخنے اور اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی، تاہم یہ جرم نہیں اگر بغرض جنگ یا دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لئے کیا گیا ہو"۔ (6)

54- علامہ آلوسی اس آیت 49:2 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب یہ آیت نازل ہوئی، ثابت ابن قیس، جن کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی، اپنے گھر گئے اور دروازہ بند کر کے رونا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے نبی ﷺ کی مجالس میں لمبے عرصہ تک حاضری نہ دی تو رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ انہوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا ہے اور گھر کے اندر رو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلوایا اور پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا "اے اللہ کے نبی ﷺ جب سے یہ آیت نازل ہوئی بلند آواز کا مالک ہونے کی وجہ سے مجھے خوف آیا کہ میں ان میں سے ایک نہ ہوں، جن کے نیک اعمال ضائع کر دیے جائیں گے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا "تم ان میں سے نہیں، تم برکتوں کے ساتھ زندہ رہو گے اور برکتوں کے ساتھ ہی وفات پاؤ گے"۔ علامہ آلوسی کے مطابق اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان کی بلند آوازی قدرتی چیز تھی کیونکہ وہ گونگے اور بہرے تھے اور ایسے افراد اکثر بلند آواز سے بولتے ہیں چنانچہ ان کی بلند آواز رسول اللہ ﷺ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے نہ تھی جیسا کہ منافقین کی جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"۔ (روح المعانی، جلد 26، صفحات 124-125)

55- علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ کے سامنے ان کا چیخ کر بولنا دو طرح کا ہے:

(ا) جو اچھے اعمال کو غارت نہیں کرتا۔

(ب) جو نیک اعمال کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔

اول بغض اور توہین کرنے والے عمل پر مبنی نہیں جیسے کہ جنگوں میں چیخنا اور اونچی آواز سے بولنا، دشمنوں کے ساتھ جھگڑے کے دوران ضرب اور توہین کے لئے، جیسے رسول ﷺ نے یوم غزوۂ حنین پر حضرت عباسؓ کو لوگوں کو بلند آواز سے پکارنے کا حکم دیا اور انہوں نے لوگوں کو ایسی بلند آواز سے پکارا کہ اس سے حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑے۔ دوسری قسم بغض اور توہین آمیز اعمال پر مبنی ہے جیسا کہ منافقین اور کفار کرتے تھے"۔ (روح المعانی، جلد 26 ص 124-125)

56- قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا آخری حصہ ایک شخص کے متعلق نازل ہوا جو کہتا تھا "اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کروں گا"۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت اذیت ہوئی۔ اس موقع پر وہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ کے لئے جناب رسالت مآب ﷺ کی ازواج سے نکاح ممنوع قرار دیا اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "اس دنیا میں میری ازواج آخرت میں بھی میری ازواج ہوں گی"۔ لیکن اس آیت کے نزول سے قبل عملاً یہ ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ایک زوجہ کو طلاق دے دی اور انہوں نے عکرمہ ابن ابوجہل سے نکاح کر لیا اور بعض کے نزدیک، انہوں نے ابن قیس کندی سے نکاح کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ان کے خیال میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سے نکاح یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد نکاح کا اظہار باعث اذیت رسول نہ تھا کیونکہ یہ ممنوع نہ ہوا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن، ص 230)

57- رسول اللہ ﷺ نے مسطح، حسانؓ اور حمنہؓ کو، جنہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام تراشی میں حصہ لیا تھا، سزا نہیں دی اور آپ ﷺ نے انہیں منافق بھی قرار نہیں دیا۔ (3) ابن تیمیہؒ اس صورت حال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی نیت اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا دینے کی نہ تھی اور اس کی کوئی علامت بھی موجود نہ تھی جبکہ ابن کعب ایذا کی نیت رکھتا تھا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اس وقت یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ کی اس دنیا میں ازواج دوسری دنیا میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ ان کی بیویوں کے لئے عرف عام میں ممکن تھا یہی وجہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ان کے معاملہ میں تذبذب فرمایا اور علیؓ وزیدؓ سے مشورہ کیا (4) اور بریرہؓ سے دریافت کیا اور ان لوگوں کو منافق قرار نہیں دیا جن کی نیت نبی ﷺ کے ایذا کی نہ تھی۔ ان کے ذہن میں اس امکان کی بناء پر کہ شاید رسول پاک ﷺ اپنی متہم بیوی کو طلاق دے دیں لیکن اس حکم کے بعد کہ اس دنیا میں

آپ ﷺ کی ازواج آخرت میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ وہ امہات المومنین ہیں، ان پر الزام لگانا ہر قیمت پر نبی ﷺ کی اذیت ہوگا"۔ (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول، ص49)

58- مولانا احمد یار خاں بدایونی لکھتے ہیں:

"شاتم کی نیت اہانت رسول اللہ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے اگر ایک شخص نے کہا رسول اللہ ﷺ غریب تھے اور خوش قسمت نہ تھے، تو وہ صرف اس وقت کافر ہو جائے گا جب اس سے اس کی نیت اہانت رسول ہو"۔ (نور العرفان، حصہ دہم، ص74)

59- تاہم بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر اہانت رسول اکرم واضح اور صریح الفاظ میں ہے تو شاتم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کی نیت کیا تھی لیکن اگر الفاظ ایسے ہیں جو مختلف معنی اور مفہوم رکھتے ہیں یا اس امر کی صلاحیت رکھتے ہیں جن میں سے صرف ایک مفہوم توہین کا حامل ہے تو اس سے اس کی نیت دریافت کی جائے گی (الشفاء، جلد دوم، ص221)

60- تاہم ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ اولاً الفاظ کے معنی و مفہوم موقع محل سے بدل جاتے ہیں، سیاق و سباق بھی مختلف معنی ظاہر کر سکتا ہے لہٰذا ملزم کو وضاحت کا موقع دینا چاہئے، تاکہ کہیں کوئی معصوم شخص سزا نہ پا جائے۔ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک مجرم کو بری کر دینے کی غلطی ایک معصوم شخص کو سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے"۔ (سنن البیہقی، جلد ہشتم، ص184)

قرآن بھی ہر ملزم کو حق دیتا ہے کہ اسے سنا جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ گو اللہ قادر مطلق جانتا ہے کہ جو کچھ امین فرشتوں نے ایک شخص کے اعمال نامہ میں اس کے اس دنیا کے اعمال کے بارے میں لکھا ہے، صحیح و غیر مشکوک ہے پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کو سنا جائے گا اور اگر اسے فرشتوں کے لکھے پر اعتراض ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت طلب کرے گا، اس کے اپنے ہاتھوں، پیروں، آنکھوں اور کانوں سے ملاحظہ ہو: القرآن 13:17، 14، 65:36۔ ان سنن سے، جن کا حوالہ پیرا 36، 41 میں دیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ملزم کا حق وضاحت وصفائی موجود ہے جسے سلب نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کے بعد ہی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہے گئے الفاظ تہمت کی غرض سے تھے یا وہ بدخواہی اور گستاخی سے استعمال ہوئے تھے یا غیر ارادی طور پر منہ سے نکل گئے تھے۔

61- عبیداللہ بن رافع کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہتے سنا:

"اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو یہ کہہ بھیجا کہ "جاؤ! یہاں تک کہ تم روضہ خاخ پہنچو وہاں تمہیں ایک عورت ایک خط کے ساتھ ملے گی، اس خط کو حاصل کرلو"۔ چنانچہ ہم

روانہ ہو گئے اور ہمارے گھوڑے پوری رفتار سے دوڑے، یہاں تک کہ ہم الروضہ پہنچے، جہاں ہم نے ایک عورت کو پالیا اور اسے کہا ''خط نکالو''۔ اس نے کہا کہ ''میرے پاس کوئی خط نہیں''۔ ہم نے دھمکی دی کہ ''خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے''۔ اس پر اس نے وہ خط اپنی چوٹی سے نکال کر دیا۔ ہم خط اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس میں حاطب ابن ابی بلتعہ کا ایک پیغام بعض کفار مکہ کے نام تھا، جس میں انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے بعض ارادوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ تب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟'' حاطب نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میرے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنے میں عجلت نہ کیجئے۔ میں قریش سے قریبی تعلق رکھنے والا آدمی تھا، لیکن میں اس قبیلہ سے نہ تھا جبکہ آپ ﷺ کے ساتھ دوسرے مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں ہیں جو ان کے زیر کفالت افراد اور ان کی جائیداد کی حفاظت کریں گے چنانچہ میں نے ان سے اپنے خونی رشتہ کی کمی کو ان کے ساتھ ایک مہربانی سے پورا کرنا چاہا تاکہ وہ میرے کفیلوں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ نہ تو کفر کی وجہ سے کیا نہ ارتداد کی بناء پر اور نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کے لئے''۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا ''حاطب تم نے حقیقت بتا دی ہے''۔ (بخاری، جلد چہارم، صفحات 154-155 حدیث 201)۔ بخاری کتاب المغازی حدیث نمبر 4274

62- ایک حنفی فقیہہ علامہ محی الدین لکھتے ہیں:

''فقہا کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملات میں حاکم یا جج کو موقع محل اور شاتم کا عام رویہ معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھنا چاہیئے''۔ (احکام المرتد، نعمان عبدالرزق سمرقی، ص 109)

63- ایک مشہور اور معروف ہندوستانی عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''کلمات کفر اور اس شخص کی نوعیت میں فرق ہے، جو ان الفاظ کا حوالہ دیتا ہے اور ان الفاظ میں جن میں سے وہ کافر ہو جاتا ہے''۔ (تمہید ایمان، ص 59)

وہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

''لفظ راعنا کا استعمال اب توہین نہیں کیونکہ یہ آج کل توہین رسول کے سیاق وسباق میں نہیں کہا جاتا''۔ (ختم نبوت، ص 71)

64- بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث نے گوشت میں زہر ملا دیا اور

رسول کریم ﷺ کو پیش کیا، جو بکرے کی دستی کا گوشت کھانا پسند فرماتے تھے۔ اس نے گوشت کے اس حصہ میں زہر ملا دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بشر بن براء نے، جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اس میں سے کھا لیا لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے محسوس فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے، تو آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلایا اور اس سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے گوشت میں زہر ملانے کا اقبال کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ ﷺ بادشاہ ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ ایک نبی ﷺ ہیں تو آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ (اقضیۃ الرسول از محمد ابن فرج، اردو ترجمہ، صفحات189-190)

65- یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں کوئی امتیاز یا حیثیت کا فرق نہیں رکھا حالانکہ اس نے ان میں سے بعض پر دوسروں کی نسبت زیادہ نعمتیں نازل فرمائیں۔ یہاں ہم حوالہ کے لئے قرآن پاک سے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

''ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم ہی نے داؤد کو زبور دی تھی''۔ (بنی اسرائیل:55)

''یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) جنہیں ہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کئے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیئے اور روح القدس سے عیسیٰ کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے، وہ آپس میں لڑتے مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے، اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا۔ پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔ (البقرہ 253)

''مسلمانو! کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے ماننے والے ہیں''۔ (البقرہ:136)

''کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور اللہ کے تابع فرمان مسلمان ہیں''۔ (ال عمران:84)

مزید ملاحظہ ہو۔ البقرۃ 85، النساء 152-150۔

66- عملاً تمام فقہاء اور علماء نے اتفاق کیا کہ مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر اور تمام پیغمبروں کے ہم مرتبہ ہونے کے سبب سے وہی سزائے موت جو اوپر قرار دی گئی ہے اس معاملہ میں بھی لاگو ہوگی جہاں کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی توہین آمیز بات کہتا یا کسی طرح کی گستاخی کرتا ہے۔

67- مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا، جیسا کہ دفعہ 295۔سی ضابطہ تعزیرات پاکستان میں مقرر ہے، احکامات اسلام سے متصادم ہے جو قرآن پاک اور سنت میں دیے گئے ہیں لہٰذا یہ الفاظ اس میں سے حذف کر دیئے جائیں۔

68- ایک شق کا مزید اضافہ اس دفعہ میں کیا جائے، تاکہ وہی اعمال اور چیزیں جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں وہ بھی اسی سزا کے مستوجب جرم بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔

69- اس حکم کی ایک نقل صدر پاکستان کو دستور کی آرٹیکل 203(3) کے تحت ارسال کی جائے تاکہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کئے جائیں اور اسے احکامات اسلامی کے مطابق بنایا جائے۔ اگر 30 اپریل 1991ء تک ایسا نہیں کیا جائے تو ''یا عمر قید'' کے الفاظ دفعہ 295۔سی تعزیرات پاکستان میں اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ (PLD 1991 FSC 10)

تشریحات (Commentary) از مصنف

1- پہلی شریعت پٹیشن نمبر 1 ایل 1984ء میں دفعہ 295اے تعزیرات پاکستان کو چیلنج کیا گیا تھا جس میں توہین مذہب کی سزا دو سال مقرر تھی اور گستاخ رسول کی سزا بھی یہی تھی۔ اس لئے مطالبہ کیا گیا تھا کہ توہین رسالت کی سزا، سزائے موت بطور حد مقرر کی جائے۔

2- مقننہ نے توہین مذہب کی سزا میں جو دو سال تھی از خود ترمیم نہیں کی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب فاضل عدالت نے پہلی درخواست توہین رسالت پر اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تو درخواست گزار نے 295۔سی کا مسودہ قانون تیار کیا جسے مرحومہ آپا نثار فاطمہ ایم این اے نے قومی اسمبلی میں پیش کیا

جس میں ترمیم کی گئی کہ عدالت ان دونوں سزاؤں میں جو سزا بھی مناسب سمجھے توہین رسالت کے مجرم کو دے سکتی ہے۔ جس پر دوبارہ مقدمہ مذکورہ الصدر وفاقی شرعی عدالت میں دائر کیا گیا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ صدر مملکت اور حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ توہین رسالت کی سزا بطور حد صرف سزائے موت مقرر کریں۔

4- زیدؓ سے نہیں بلکہ اسامہ بن زیدؓ سے حضور ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تھا۔ فاضل عدالت سے تسامح ہوا ہے۔

5- حزم واحتیاط کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ ادب میں اب بھی راعنا لفظ استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اس وقت بھی اس کے مخاطب اہل ایمان ہی تھے جو اس لفظ کے سوائے ''توجہ فرمایئے'' کے کوئی اور معنی سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے لفظ ''راعنا'' کا استعمال تا قیامت ممنوع قرار دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اذہان میں اس لفظ کا گستاخانہ مفہوم آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود انہیں بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا گیا۔ بایں وجہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی رائے سے بصد ادب اختلاف ہے کہ لفظ راعنا کا استعمال اب توہین نہیں رہا۔

6- جہاں تک رسالت کا تعلق ہے تفریق نہیں کی گئی لیکن جہاں انبیائے کرام علیہ السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کا تعلق ہے اس سے قرآن نے انکار نہیں کیا بلکہ تصدیق کی ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور ختمی مرتبت امام الانبیاء ہیں۔

7- فیصلہ کے پیرا نمبر 57 میں سہواً یہ لکھا گیا ہے کہ مسطحؓ، حسانؓ اور حمنہؓ کو سزا نہیں دی گئی جبکہ ان تینوں کو حد قذف کی سزا دی گئی تھی۔ یہاں بھی وفاقی شرعی عدالت سے تسامح سہو ہوا ہے یا پرنٹ کی غلطی ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد

شریعت پٹیشن نمبر 1/L سال 1984

شریعت پٹیشن (ثانی) 6/L برائے سزائے توہین رسالت

محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان، لاہور

بنام

1- اسلامی جمہوریہ پاکستان بذریعہ جنرل محمد ضیاء الحق صدر حکومت پاکستان

2- صوبہ پنجاب بذریعہ گورنر صوبہ پنجاب

3- صوبہ سندھ بذریعہ گورنر صوبہ سندھ

4- صوبہ سرحد بذریعہ گورنر صوبہ سرحد

5- صوبہ بلوچستان بذریعہ گورنر صوبہ بلوچستان (مسؤل علیہم)

درخواست زیر آرٹیکل 203۔ڈی آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان (ترمیم شدہ بروئے صدارتی حکم نمبر 1 سال 1983ء) بایں نمط کہ تعزیرات پاکستان کے دفعات متعلقہ جرائم تحقیر مذہب و تنقیص نفوس قدسیہ کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے کہ وہ قرآن وسنت کے منافی ہیں تاکہ مسئول علیہم اس کے مطابق قانون میں ترمیم واضافہ کرسکیں اور توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت جاری کرنے کا حکم جاری کیا جائے۔

موجبات درخواست حسب ذیل ہیں:

1- یہ کہ تعزیرات پاکستان کا باب پنجم توہین مذہب سے متعلق ہے جس میں دو دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) 295 الف......عمداً توہین مذہب

''جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے زبانی یا تحریری یا علانیہ طور پر پاکستانی شہریوں کے کسی طبقہ کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتے ہوئے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کا مرتکب ہو وہ دو سال تک سزا یا سزائے جرمانہ کے ساتھ دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا''۔

(ب) دفعہ 295 الف......ذوات قدسی کی توہین:

''جو کوئی تحریری یا تقریری یا علانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً بالواسطہ یا بلاواسطہ امہات المومنین میں سے

کسی ام المومنین یا کسی اہل بیت یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا اصحاب رسول کی بے حرمتی کرے، ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے اسے تین سال تک قید کی سزا اور سزائے جرمانہ دی جائے گی یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا"۔

2- یہ کہ دفعہ 295 الف تعزیرات پاکستان حسب ذیل وجوہ کی بناء پر قرآن وسنت کے منافی ہے:

(الف) یہ کہ اسلام میں حق تعالیٰ کی توحید، عظمت اور کبریائی کے ساتھ ناموس رسالت کا عقیدہ بھی ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے اور جو کوئی اس عقیدہ کو ٹھیس پہنچا کر ذات حق کی تنقیص یا توہین رسالت کا ارتکاب کرے، اس کی سزا قرآن اور سنت کی رو سے سزائے موت ہے۔ اس کے لئے اول تو کوئی سزا موجود نہیں اگر A-295 میں مذکورہ دو سال قید یا جرمانہ کی سزا کو اس کے لئے شامل سمجھا جائے تو یہ صریحاً قرآن اور سنت کی مقرر کردہ سزا کے خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی متعلقہ آیات درج ذیل ہیں:

ان الذین یوذون اللّٰہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا (سورہ احزاب:57)

ترجمہ: "بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے"۔

جرمانہ کی سزا یا دو سال کی سزائے قید "رسوا کن عذاب" کی تعریف میں نہیں آتے، حالانکہ ان سے معمولی جرائم کی سزائیں نسبتاً زیادہ سنگین ہیں۔ دنیا میں تعذیب (Punishment) کا اجرا (Execution) ریاست یا انتظامیہ کے ذریعہ سے ہوگا۔

(ب) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف سورہ انفال میں قتال کا حکم دیا گیا ہے:

ذالک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ و من یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقاب (سورہ انفال:13)

ترجمہ: یہ (حکم قتال) اس لئے دیا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ اس کے لئے نہایت سخت گیر ہے"۔

(ج) ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آیات الٰہی سے استہزاء کرنے والوں کو قرآن نے کافر قرار دیا ہے کیونکہ ان کی یہ حرکت ارتداد کفر ہے اور مرتد کی سزا

اسلام میں سزائے موت ہے جس پر ساری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

ولئن سالتهم ليقولن انما كنا نخوض و نلعب قل ابا لله و ايته و رسوله كنتم تستهزئون o لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف عن طائفة منكم نعذب طائفته بانهم كانوا مجرمين o (سورۂ توبہ: 66-65)

ترجمہ: ''اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟) تو یہ ضرور جواب میں کہیں گے ''ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے۔ تم (ان سے) کہو کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ بہانے نہ بناؤ! حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کے اقرار کے بعد پھر کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تاہم ایک گروہ کو ضرور عذاب دیں گے اس لئے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے''۔

(د) فرمان رسول ﷺ:

من بدل دينه فاقتلوه ''جو اپنے دین کو تبدیل کرے اسے قتل کر دیا جائے''۔

ان الدين عند الله الاسلام (آل عمران: 19)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔

قتل مرتد اور عمل صحابہ:

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس وقت وہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بطور گورنر کام کر رہے تھے۔ جب ایک یہودی جو مسلمان ہو کر پھر یہودی ہو گیا تھا، آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس وقت تک سواری سے اترنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس مرتد کی گردن نہ اڑا دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

-3 (الف) توہین رسالت کے جرم کی سزا قرآن اور سنت کی رو سے سزائے موت ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات واحادیث پیش ہیں:

(i) حضور رسالت مآب ﷺ کے ادب واحترام اور تکریم کے بارے میں قرآن کا یہ واضح حکم موجود ہے:

يا ايها الذين امنو لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى ولا تجهروا له بالقول

کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون (سورہ الحجرات: 2)

ترجمہ: ''اے اہل ایمان! اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''۔

تفسیر: سورہ الحجرات کی آیت **لا ترفعوا اصواتکم** کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب ''الجامع الاحکام القرآن'' لکھتے ہیں:

لیس الغرض برفع الصوت و الجھر ما یقصد به الا ستخفاف ولا استھانته لان ذالک الکفر والمخاطبون مومنون

''اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی بلند آوازی نہیں جس کا مقصد آنحضور کا استخفاف واہانت ہو کیونکہ ایسی بلند آوازی تو کفر ہے''۔

ملاحظہ ہو: الجامع لاحکام القرآن، ج 16 طبع مصر ـ 1967ء مصنف ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی

(ب) اسی سورہ الحجرات میں اگلی آیت **لا تجھروا له بالقول** کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

''یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ آنحضور کو کسی قول و فعل کے ذریعہ تکلیف پہنچانا کفر ہے، جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا جس سے آپ ﷺ کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو اور اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص بھی ایذائے رسول کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے اور اس کی معافی اور توبہ قابل قبول نہیں۔

(ملاحظہ ہو: روح المعانی 18: 137-136، طبع مصر 1301ھ)

(ج) یہودیت اختیار کرنے والوں میں سے وہ لوگ جو شرارتاً ذومعنی الفاظ استعمال کرتے تھے ان کے لئے یہ سخت وعید نازل ہوئی:

من الذین ھا دوا یحرفون الکلم عن مواضعه و یقولون سمعنا و عصینا و اسمع غیر مسمع و راعنا لیا بالسنتھم وطعنا فی الدین ولو انھم قالو سمعنا و اطعنا و اسمع و انظرنا لکان خیرا لھم و اقوم ولکن لعنھم اللہ بکفرھم فلا یومنون الا قلیلا (سورہ النساء: 46)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر!) وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو لفظوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور (جب تم سے ملتے ہیں) تو اس خیال سے کہ دین حق کے خلاف طعن وتشنیع کریں زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور و اسمع غیر مسمع اور راعنا اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے اور ان شرارت آمیز لفظوں کی جگہ سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور یہی درستگی کی بات تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔ پس ایک چھوٹے گروہ کے سوا سب ایمان سے محروم رہیں گے''۔

حدیث

جب حضرت سعد بن معاذ ؓ کو معلوم ہوا کہ یہودی لفظ راعنا کا لفظ بارگاہ رسالت میں بطور طعن وتشنیع استعمال کرتے ہیں (جس کی ایک معنی تو ''ہماری طرف التفات کیجئے'' کے علاوہ یہ بھی ہیں ''اے ہمارے چرواہے'' تو آپ نے یہودیوں سے کہا:

''تم پر اللہ کی پھٹکار ہو آئندہ سے اگر میں نے تم میں کسی کو لفظ راعنا کہتے ہوئے سنا تو اس کی گردن ماردوں گا''۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر القرطبی 2: 57، طبع مصر، 1967ء)

جصاص اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ لفظ جس میں معنی خیر وشر دونوں کا احتمال ہو اس لفظ کا استعمال اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی قید نہ لگائی جائے جس سے خیر کا پہلو نمایاں ہو''۔

ملاحظہ ہو: احکام القرآن جلد پنجم، صفحات 67-66، طبع مصر 1347 ہجری)

(د) سورہ نور میں پیغمبر ﷺ کے حضور آداب گفتگو کی تعلیم دیتے ہوئے حکم دیا گیا:

ترجمہ: ''تم لوگ اپنے درمیان رسول ﷺ کو بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو''۔

تفسیر: مسلمانو! تم پر واجب ہے کہ تم پیغمبر کی عزت وتکریم، تعظیم وتوقیر کرو۔ آپ ﷺ کے حفظ مراتب کا خیال رکھو اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھو اور آپ ﷺ کو نبی اور رسول اللہ ﷺ جیسے الفاظ سے مخاطب کرو''۔

(ر) سورہ توبہ میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، دردناک عذاب کی خبر دی گئی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و منهم الذين یوذون النبی و یقولون هو اذن قل اذن خیرلکم یؤمن باللہ و یؤمن للمومنین و رحمته للذین امنو منکم و الذین یوذون رسول اللہ لهم عذاب الیم ٥ یحلفون باللہ لکم لیرضو کم و اللہ و رسوله احق ان یرضوه ان کانو مومنین (سورہ توبہ 62:61)

ترجمہ: ''اور ان ہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا (یعنی کان کا کچا ہے اے پیغمبر!) تم کہو ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لئے۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور وہ مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے اور وہ ان کے لئے سر تا سر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے لئے عذاب ہے، دردناک عذاب!

(مسلمانو) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی رکھیں''۔

(ز) سورہ النساء میں ایمان اور کفر کا فرق واضح کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ پیغمبر حق کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی عین ایمان ہے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرنا صریحاً کفر ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (سورۃ النساء:65)

ترجمہ: ''پس اے محمد تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنالیں اور پھر جو کچھ بھی فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ اسے سربسر تسلیم کر لیں''۔

شان نزول

سورہ النساء کی متذکرہ صدر آیت مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہو گیا۔ دونوں اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق

میں صادر فرمایا جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اس کے اصرار پر یہ دونوں معاملہ کو لے کر از سر نو فیصلہ کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے (جو ان دنوں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدینہ منورہ میں تنازعات اور خصومات کا فیصلہ کیا کرتے تھے)۔ آپ نے دونوں سے روئیداد مقدمہ سنی اور جب آپ کو علم ہوا کہ آنحضورؐ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں تو آپ نے خود اس منافق سے اس کی تصدیق کر لی تو اسی وقت تلوار سے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔

ملاحظہ ہو: تفسیر روح المعانی، جلد پنجم، صفحہ 67، مطبوعہ بیروت)

اس کے بعد آپؓ نے فرمایا:

ھکذا اقضی لمن لم یرض بقضاء اللہ و رسولہ

"اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے"۔

مقتول کے ورثا نے حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں حضرت عمرؓ کے خلاف قتل کا دعویٰ کر دیا جس پر سورہ النساء کی یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کے خطاب سے سرفراز فرمایا (ملاحظہ ہو: تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی، صفحہ 114)

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے جس کا مرتکب واجب القتل ہے اور اس کی تصدیق سورہ النساء کی اس آیۂ مبارکہ نے کر دی۔

احکام الحدیث:

(الف) حدیث قولی

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی تکذیب کی۔ آنحضورؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس کی طرف روانہ کیا اور فرمایا اگر وہ تم کو مل جائے تو اسے قتل کر دو"۔

حوالہ:۔ المصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر 9707 صفحہ 308،

(ب) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے جن کی کنیز حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور منع کرنے پر بھی وہ اس سے باز نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے آنحضورؐ کی شان اقدس میں بے حد گستاخی کی تو نابینا صحابی نے اسے خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ جب اس قتل کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا خون کس

نے کیا ہے؟ اس پر وہ صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں کانپتے ہوئے پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! وہ عورت میری رفیق حیات تھی اور اس کے بطن سے میرے دو بچے بھی ہیں اور وہ میری خدمت بھی کرتی تھی لیکن رات اس نے پھر آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اس لئے میں نے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا اشھدوا ان دمھا ھدر

"تم سب گواہ رہو کہ اس عورت کا خون ضائع ہو گیا یعنی اس کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا"۔(8)

(ج) فرمایا امیر المومنین حضرت علیؓ نے کہ ایک یہودی عورت حضور علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے ہمیشہ کے لئے اس کا منہ بند کر دیا (یعنی اسے مار دیا گیا)۔ آنحضور ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا (اس کے خون کا بدلہ قصاص یا دیت کی صورت میں نہیں دلوایا گیا) (9)

(د) ایک شاعر، جو حضور ﷺ کو اپنے کلام کے ذریعہ ہدف طعن و تشنیع بناتا تھا، اسے قتل کر دیا گیا (البخاری، باب المغازی :9)

(ر) حضرت ابو برزہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں "میں امیر المومنین حضرت ابو بکرؓ کے پاس موجود تھا۔ آپ ایک شخص پر ناراض ہوئے اور اسے سخت سست کہا۔ میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اگر اجازت ہو تو میں اس (گستاخ) کی گردن اڑا دوں یہ سن کر آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور اٹھ کر اندر چلے گئے پھر آپ نے مجھ (ابو برزہ) کو اندر بلا بھیجا اور پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے جواب دیا اگر اجازت ہو تو اس کی گردن مار دوں۔ اس پر آپ نے پوچھا اگر میں اجازت دیتا تو کیا تم ایسا کر گزرتے میں نے جواب دیا ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ مرتبہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں (کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے)

عمل صحابہ:

(الف) روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے ایک غلام کو جو گستاخ رسول تھا، قتل کروا دیا

المصنف امام عبدالرزاق، حدیث نمبر 9704 صفحہ 307 جلد نمبر 5

(ب) ابن وہب نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک راہب نے حضور علیہ السلام کی جناب میں گستاخی کی۔ جب اس کا تذکرہ جناب ابن عمرؓ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سامعین نے اس کو زندہ کیوں چھوڑ دیا؟

(کتاب الشفا، صفحہ 449، جلد دوم، مصنف قاضی عیاض، مکتبہ نبویہ لاہور)

فتویٰ امام مالکؒ

ابن قاسم سے روایت ہے کہ امام مالکؒ سے ایک نصرانی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اس دریدہ دہن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، اس کو کیا سزا دی جائے۔ جس پر امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے (کتاب الشفا، مذکورہ الصدر، صفحہ 452)

فتویٰ امام ابن تیمیہؒ

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں فتویٰ دیا ہے کہ شاتم الرسول واجب القتل ہے اور اس کی توبہ اور معافی قابل قبول نہیں۔

دفعہ 298 الف تعزیرات پاکستان بھی قرآن اور سنت سے ہم آہنگ نہیں دفعہ مذکور درج ذیل ہے۔

دفعہ 298 الف...... ذوات قدسی کی توہین واہانت

"جو کوئی تحریری یا تقریری یا اعلانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً بالواسطہ یا بلاواسطہ امہات المومنین میں سے کسی ام المومنین یا کسی اہل بیت یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا اصحاب رسول کریم کی بے حرمتی کرے، ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے اسے تین سال تک کی قید کی سزا یا سزائے جرمانہ دی جائے گی یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا"۔ یہ دفعہ لائق ترمیم ہے:

وجوہات:

1- یہ کہ دفعہ 298 الف مذکور کی رو سے ذوات قدسی (Holy Personages) میں صرف امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام شامل ہیں جن کی بزرگی اور تقدیس مسلمہ اور شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن اس عظمت وتقدیس کی اصل وجہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان کی نسبت ہے۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ذوات قدسی (Holy Personages) میں سرفہرست ہونا چاہئے تھا۔ قرآن مجید نے گروہ قدوسین میں سب سے پہلے انبیائے کرام کا ذکر کیا چنانچہ سورہ النساء میں فرمایا:

ومن یطع اللہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصلحین و حسن اولئک رفیقا (سورہ النساء: 69)

ترجمہ: ’’اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں‘‘۔

2- یہ کہ دفعہ 298 الف کی رو سے مذکور الصدر پاکباز ہستیوں کی توہین و اہانت، بے ادبی اور گستاخی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا لیکن خود اس مقدس ترین ہستی جن سے نسبت کی وجہ سے انہیں یہ مرتبہ تقدیس حاصل ہوا، ان کی جناب میں گستاخی، اہانت، توہین و تنقیص جیسے سنگین اور نا قابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی جو اصل کو چھوڑ کر فروع کے استحقاق کو قانونی شکل دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا قرآن اور سنت کے احکام کے منافی ہے کیونکہ قرآن اور سنت کے احکام متذکرالصدر کی روشنی میں توہین رسالت کے جرم کی سزا بطور حد کے سزائے موت مقرر ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی توہین رسالت اور ارتداد کی سزا، سزائے موت مقرر کرنے کی سفارش کر دی ہے۔

بحالات بالا گذارش ہے دفعات 295 الف اور 298 الف تعزیرات پاکستان کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر فیصلہ صادر فرمایا جائے کہ توہین رسالت کی مقرر کردہ سزا قرآن و سنت کے منافی ہے لہٰذا توہین رسالت کے انتہائی سنگین جرم کی سزا قرآن و سنت کی رو سے سزائے موت قرار دی جائے۔

محمد اسماعیل قریشی

سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

کنوینر ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس (پاکستان)

4- مزنگ روڈ، لاہور

پٹیشنر دکونسل

تصدیق:

شریعت پٹیشن ہذا پہلی مرتبہ دائر کی جا رہی ہے۔ اس سے قبل ان دفعات متذکرہ کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ گزارش ہے کہ شریعت پٹیشن ہذا کی سماعت لاہور میں کی جائے کیونکہ تمام مکاتب فکر کے علماء جنہوں نے اس پر دستخط کیے ہیں لاہور میں موجود ہیں۔

محمد اسماعیل قریشی

حوالہ کتب مندرجہ شریعت پٹیشن

1- القرآن الحکیم

(الف) سورہ احزاب:57 　(ب) سورہ انفال 13

(ج) سورہ توبہ:65-66 　(د) سورہ الحجرات:2

(ر) سورہ نساء:65-64 　(ز) سورہ توبہ:60-62

2۔ کتاب الحدیث

(الف) سنن ابی داؤد، 6:2 (طبع کانپور)

3- تفاسیر:

(الف) روح المعانی8: 173-174 طبع مصر130 ہجری

(ب) احکام القرآن1: 66 طبع مصر1347 ہجری

(ج) تفسیر مظہری9: 41 طبع ندوۃ المصنفین دہلی

(د) الصارم المسلول علی شاتم الرسول امام ابن تیمیہ

(ر) کتاب الشفاء، صفحہ 449 جلد دوم قاضی عیاض اندلس

4- موجودہ آئین وقانون

(الف) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳

(ب) تعزیرات پاکستان

اسمائے گرامی فاضل وکلاء اور علماء حضرات جنہوں نے درخواست گزار کو پیروی مقدمہ کے لئے اختیارات تفویض کئے۔

اسمائے گرامی فاضل وکلا اور حضرات علما جنہوں نے درخواست پر بطور مدعی دستخط کئے۔

1- ڈاکٹر ظفر علی راجا
سیکرٹری جنرل، ورلڈ ایسوسی ایشن
آف مسلم جیورسٹس

2- مولانا مفتی محمد حسین نعیمی
سرپرست وناظم اعلیٰ
جامعہ نعیمیہ، لاہور

3- شیخ غیاث محمد سینئر ایڈووکیٹ
وسابق اٹارنی جنرل پاکستان

4- علامہ سید علی غضنفر کراروی
صدر اتحاد بین المسلمین

5-بی۔زیڈ۔کیکاؤس
سابق جج سپریم کورٹ

6-مولانا محمد عبدالستار خان نیازی
نائب صدر، ورلڈ اسلامک مشن

7-ایس ایم ظفر سینئر ایڈووکیٹ
سپریم کورٹ

8-مولانا محمد اجمل خان
مرکزی نائب امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان

9-جہانگیر اے جھوجہ
ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، لاہور

10-علامہ احسان الٰہی ظہیر
صدر جمعیت اہل حدیث پاکستان

11-ڈاکٹر بابر عزیز
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

12-مولانا محمد مالک کاندھلوی
ممبر وفاقی مجلس شوریٰ پاکستان، لاہور

13-بشیر الدین احمد خان
سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ

14- گلزار احمد مظاہری
صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان

15-پروفیسر ابوالاعجاز قادری
ایڈووکیٹ

16-مولانا سید محمد عبدالقادر آزاد
خطیب بادشاہی مسجد و چیئرمین مجلس علماء پاکستان

17- شیخ مقبول احمد
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

18-ملک محمد اکبر ساقی
جنرل سیکرٹری، ورلڈ اسلامک مشن

19- خواجہ محمد اصغر
ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

20-پیر سید اعجاز شاہ
فنانس سیکرٹری، جمعیت علمائے پاکستان

21- ایم رفیق بٹ بار ایٹ لاء ایڈووکیٹ
سپریم کورٹ

22- حامد خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف
پاکستان

23-عابد نواز ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ

24-سردار ایم ایم لودھی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

25-خادم محی الدین ایڈووکیٹ

26-بشیر احمد علوی ایڈووکیٹ لاہور

27- سردار محمد خورشید ایڈووکیٹ

28- سی ایم لطیف ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

29- محمد ارشد خان ایڈووکیٹ

30-بدرالدین قادری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

31- عبدالستار زاہد ایڈووکیٹ

32-ملک الطاف سکندر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

33- ریاض علی عباسی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

34- رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

35-رانا طارق ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

36-غلام سرور چودھری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

37- گلزار حسن ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

38- محمد اشرف ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

39- منور احمد وڑائچ ایڈووکیٹ

40- سید فاروق حسن نقوی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

41- سید توقیر اللہ شاہ ایڈووکیٹ

42- ایس ایم ناظم ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

43- سردار محبت علی ڈوگر ایڈووکیٹ

44- محمد اسحاق ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

45- ضیاء اللہ خان ذکی ایڈووکیٹ

46- محمد وحید اختر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

47- ولایت عمر چودھری ایڈووکیٹ

48- ضمیر احمد خان، بار ایٹ لا ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

49- بشیر احمد ایڈووکیٹ

50- محمد ناصر علی خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

51- عبدالخالق خان ایڈووکیٹ

52- نظام الدین نعمانی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

53- مبشر اقبال علوی ایڈووکیٹ

54- ملک وقار سلیم ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

55- چودھری اعجاز احمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

56- مشتاق چودھری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

57- میاں نذیر اختر ایڈووکیٹ سپریم و ہائی کورٹ

58- بشیر اے مجاہد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ سیکرٹری لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن

59- سید محمد جلال الدین خلد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

60- محمد رفیق عارف ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

61- رانا عبدالرحیم خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

62- ارشاد احمد قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

63- راجہ محمد اکرم ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

64- اے کے ڈوگر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

65- الٰہی بخش وجدانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

66- محمد عارف سابق ایڈووکیٹ جنرل

67- رانا محمد سرور سابق جج لاہور ہائی کورٹ

68- میاں شیر عالم سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و سابق صدر لاہور ہائی کورٹ

69- چودھری محمد فاروق وائس چیئرمین پنجاب بار کونسل

70- محمد صدیق سینئر ایڈووکیٹ سابق جج لاہور ہائی کورٹ

71- کرنل محمد اقبال بدر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

72- سید افضل حیدر صدر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن، صدر لاہور

73- خان اے حمید ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

74- مولانا محمد اجمل قادری مدیر خدام الدین

75- مولانا عبید اللہ انور امیر انجمن خدام الدین لاہور

76- محمد شاہ نواز خان ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

77- سردار احمد خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

78- افتخار علی شیخ سینئر ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ

توہین رسالت (بلاس فیمی) سے متعلق یورپین ہیومن رائٹس کورٹ، سپریم کورٹ آف برطانیہ، سپریم کورٹ آف امریکہ، سپریم کورٹ، ہائی کورٹ آف پاکستان اور انڈیا کے فیصلے

Blasphemy Rulings of

Human Rights Court of Europe, Supreme Court of U.K., U.S.A and Pakistan and High Courts of Pakistan & India

1. Lahore High Court Judgment in Rajpal Vs. Emperor case AIR-1927-LAH-250
2. European Court of Human Rights Judgment dated 25 November 1996 in Vingrove Vs. United Kingdom Case.
3. House of Lords Judgment (U.K) 1979-AC-617
4. British Court Judgment in White House Vs. Lemon case.
5. Supreme Court of U.S.A Judgment in State Vs. Mockus 14-ALR-871.
6. Supreme Court of Pakistan Judgment dated 13.09.2005 in Dr. Muhammad Amin Vs. Muhammad Mehboob case whereby the Judgment of Muhammad Ismail Qureshy Vs. General Muhammad Zia-ul-Haq was upheld.
7. Federal Shariat Court of Pakistan Judgment dated 07.03.1990 in Muhammad Ismail Qureshy Vs. General Muhammad Zia-ul-Haq PLD-1991-FSC-10.

   citation of cases decided by the Supreme Court and High Court of Pakistan.
8. Supreme Court of Pakistan in Ayub Masih Vs. The State PLD-2002-SC-1048.
9. Lahore High Court Saleem Masih etc Vs. State2003-YLR-2422.
10. PLD-2002-LAH-587
11. 1995-MLD-667
12. 1995-MLD-676

جدول(Schedule)مقدمات

اے آئی آر1927لاہور250

جسٹس دلیپ سنگھ

راج پال سائل بنام ایمپرر

فوجداری نگرانی نمبر286 1927ء برخلاف حکم سیشن جج لاہور منفصلہ7.2.1927:

مذہبی رہنماؤں پر تنقید خواہ کتنی ہی غیر شائستہ کیوں نہ ہو قابل تعزیر نہیں۔

جی سی نارنگ، ایل بدری داس اور رام لال آنند برائے سائل

وکیل سرکار...... برائے تاج شاہی

فیصلہ

اس مقدمہ میں سائل راج پال کو دفعہ 153-اے ہندوستانی قانون فوجداری کے تحت سزا سنائی گئی ہے اور بصورت دیگر اسے چھ ماہ قید با مشقت کا حکم دیا گیا ہے۔

زیر نظر نگرانی میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ معلوم حقائق دفعہ 153 اے کے تحت جرم نہیں بنتا پہلے یہ کہا گیا ہے کہ لفظ' کلاسز' مذہبی فرقوں پر مشتمل نہیں بلکہ اس سے مراد قبیلے ہیں۔ میں اس دلیل کو قبول نہیں کر سکتا۔ جس کے لئے کوئی نظیر پیش نہ کی گئی ہو اور جو لفظ'' کلاسز'' کے معنی کو یوں محدود کر دے جس کا کوئی جواز خود دفعہ میں موجود نہ ہو۔

مزید یہ کہا گیا ہے کہ بہر طور ایک مذہبی پیشوا پر تنقید یا طنز اس دفعہ کے احاطہ میں نہیں آتے۔

ماتحت عدالت نے قرار دیا کہ ملزم کی نیت اس کے سوائے اور کچھ نہ تھی کہ پیغمبر اسلام پر جارحانہ حملہ کیا جائے، آپ ﷺ کی شان میں تمسخر کیا جائے، آپ کو حقیر گردانا جائے، ان کے مذہب کا مذاق اڑایا جائے اور اس طرح آپ ﷺ کے پیروکاروں کے احساسات کو مجروح کیا جائے اس لئے قرار دیا کہ اگر ملزم کی یہ نیت تھی تو عدالت کو کوئی شک نہیں کہ اس کا فعل دفعہ 153 اے کے احاطہ میں آتا ہے۔

اپیل کے فیصلہ میں فاضل سیشن جج نے قرار دیا کہ پمفلٹ کے پورے مطالعے سے یہ واضح ہے کہ پمفلٹ ارادۃً جارحانہ، دریدہ دہن اور مسلمان قوم کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والا تھا اور بلا شبہ کینہ ور لہجہ اور نیت کا حامل تھا اور اس کی اشاعت کے معاملہ میں بظاہر نیت ایک مخصوص

طبقہ کے جذبات کی توہین اور انہیں مجروح کرنا تھی۔

سائل کے کونسل کا موقف ہے کہ پمفلٹ ایسی کسی نیت کو ظاہر نہیں کرتا اور اس کا مقصد صرف تعداد ازواج اور غیر مساوی عمر کی شادیوں کی برائیاں ظاہر کرنا تھا۔ کتاب مذکور کی اس توضیح کو مسترد کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں بلاشبہ یہ مذہب اسلام کے بانی پر گستاخانہ طنز کے سوا کچھ اور نہیں لیکن میں اس میں کوئی ایسی بات نہیں پاتا جو ظاہر کرے کہ اس کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا یا مسلمانوں کو دشمنی اور نفرت کا نشانہ بنانا ہو۔ اس کے برخلاف کتاب میں واضح طور پر کہا گیا کہ لوگوں کو اسی طرح کرنا چاہیۓ جس طرح محمد ﷺ نے کہا ہے لیکن انہیں اس طرح عمل نہیں کرنا چاہیۓ جس طرح انہوں نے خود عمل کیا۔ کتاب کا لہجہ بے شک مجموعی طور پر کینہ پرور ہے اور بظاہر مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنے والا ہے۔ خواہ وہ ان کی زیادہ معقول توہین کا سزاوار نہ ہو۔ تاہم فیصلہ طلب سوال یہ ہے کہ آیا کسی مذہبی رہنما کی ذاتی زندگی پر کینہ ور طنز دفعہ 153 اے کے احاطہ میں آتا ہے یا نہیں۔ جلسہ کے صدر کی شہادت، جو کتاب کی مذمت میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کے مصنف کے خلاف مسلمانوں کا غصہ بھڑک اٹھا۔ بلاشبہ ایسی کتاب کا منطقی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ملزم خود کتاب کا مصنف نہیں لیکن وہ اس کا تسلیم شدہ ناشر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تقریباً چار جلدیں مسلمانوں کے ہاتھ فروخت ہوئیں اور باقی آریا سماجی کتب فروشوں یا مختلف طبقوں کے افراد کو بیچی گئیں۔ فاضل وکیل سرکار کا انحصار شہنشاہ بنام رحمت علی اور گور کے قانون فوجداری جلد اول صفحہ 894 اور سیتھل پرشاد، بنام شہنشاہ کے عدالتی اظہار خیال پر ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اولاً تو کسی مذہب کے بانی پر طنز لازماً اس کے پیروکاروں پر طنز کی دلالت کرتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسرے فاضل وکلاء سرکار نے ایک مفروضہ بنایا ہے کہ کسی مذہبی پیشوا پر ایسے شخص کی طرف سے طنز، جو اس کا پیرو نہ ہو دفعہ 153 اے کے دائرہ میں آتا ہے۔ اگر کوئی چیز یہ ظاہر کرتی ہو کہ وہ مذہبی پیشوا پر اس لئے طنز کر رہا ہے کہ وہ خود کسی دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

انہوں نے تیسری دلیل یہ دی ہے کہ اس مخصوص مقدمہ میں بطور جماعت مسلمانوں کے خلاف ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مگر میں ایسے الفاظ تلاش نہیں کر سکا۔

چہارم ان کا موقف یہ ہے کہ بہر طور اس کتاب کے ہندو قارئین میں مسلمانوں کے لئے حقارت کے جذبات ابھریں گے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ماتحت عدالتوں میں مقدمہ کے اس پہلو

پر قطعاً غور نہیں کیا گیا۔

جواباً سائل کے کونسل کا موقف ہے کہ ''توہین، نفرت یا دشمنی نہیں اور ہندوستانی قانون فوجداری کی دفعہ 144 اے کے الفاظ ان الفاظ سے جو دفعہ 153 اے میں استعمال ہوئے ہیں سے زیادہ وسیع ہیں۔

فاضل وکیل سرکار کا مزید موقف ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کشیدگی اور اس امر کے پیش نظر کہ مسلمان قوم مذہب کے سلسلہ میں دوسری قوموں سے زیادہ سخت ہے، مذہب اسلام کے بانی پر کوئی طنز عوام کے درمیان نفرت اور دشمنی پیدا کرنے کا زیادہ موجب ہوسکتا ہے بمقابلہ کسی دوسرے مذہب کے بانی مثلاً عیسائیت کے بانی پر طنز کے۔ میں یہ دلیل قبول نہیں کرسکتا کہ کسی مخصوص فرقہ کی کم علمی اور کٹر پن سے کسی فعل کا تعین کیا جائے۔ بعض صورتوں میں اس سے جرم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

لیکن محض اس بناء پر ایک فرقہ دوسرے کے مقابلہ میں ایک بانی مذہب کے متعلق مستعملہ الفاظ کو دوسرے بانی مذہب کے متعلق مستعملہ الفاظ سے زیادہ برا مانے گا، یہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ پہلی صورت میں وہ الفاظ دفعہ 153 اے کے احاطہ میں نہ آ سکیں اور دوسری صورت میں اس کے احاطہ میں آ جائیں۔ فعل کی نوعیت یعنی کہ وہ جرم ہے یا نہیں، کسی خاص طبقہ کے ردعمل سے متعین نہیں ہوسکتی۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ ایک مذہب کے بانی پر طنز ایک ایسی چیز ہے، جو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس لئے ایسا کر رہا ہے کہ وہ دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی جو کسی مذہب کے پیشوا کو مانتا ہے، اس پر طنز نہیں کرے گا چنانچہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی مذہبی پیشوا پر طنز ہوگا اور یہ دریافت کرنا ناممکن ہوگا کہ مصنف کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، تب اس کے پیروکاروں کے جذبات ان سب کے خلاف بھڑکیں گے، جو اس مذہب کے پیرو نہیں۔ میں قیاس نہیں کرتا کہ دفعہ 153-اے کا مقصد اسے اتنے وسیع معنی میں استعمال کرنا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا منشاء لوگوں کو کسی خاص فرقہ پر اس کی موجودہ صورت میں حملہ کرنے سے باز رکھنا تھا۔ اس کا منشاء گزرے ہوئے مذہبی پیشواؤں پر بحث ومناظرہ روکنا نہیں تھا، خواہ ایسے اعتراضات کتنے ہی گستاخانہ اور نازیبا کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اگر یہ حقیقت کہ مسلمان اپنے پیغمبر پر حملہ کو برا مانتے ہیں، اس بات کا پیمانہ ہو کہ آیا دفعہ 153-اے لاگو ہوتی ہے یا نہیں تو کسی سنجیدہ مورخ کی ایک تاریخی تصنیف، جس میں پیغمبر کی زندگی زیر غور آئی ہو اور ان کے کردار پر رائے دی گئی ہو، دفعہ 153 اے کی تعریف میں آ سکتی ہے۔ میں یہ قرار دینے سے قاصر ہوں کہ

دفعہ 153-اے کا مقصد یا منشاء کسی مذہبی پیشوا کی زندگی اور کردار پر مخالفانہ بحث روکنا ہے۔ یہ مخصوص کتاب معاملہ پر اس انداز سے بحث کرتی ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمام معقول اشخاص کی حقارت ہی کو بیدار کرے گی، خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں اور بعض مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرسکتا ہے۔ لیکن میں یہ قرار نہیں دے سکتا کہ یہ ہزمیجسٹی کی رعایا کے مختلف طبقوں میں دشمنی اور نفرت کے جذبات کو برانگیختہ کرے گی۔ یہ نتیجہ تو ہوسکتا ہے مگر جیسا کہ میں نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اس کو دفعہ مذکورہ کی آزمائش کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ فاضل وکیل سرکار تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری کوئی اور دفعہ نہیں جو اس مخصوص مقدمہ پر لاگو ہوسکے۔ شہنشاہ بنام رحمت علی کا مقدمہ زیر دفعہ 153 تھا اور اس میں بہتان ایک زندہ شخص پر تھا اور کتاب دانستہ اس شخص کے پیروؤں کے درمیان تقسیم کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ دفعہ 153 کے دائرے میں آئی ہوگی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دفعہ 297 میں ایک شق کا اضافہ ہونا چاہئے تھا جس کے ذریعہ کسی شخص کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے یا کسی شخص کے مذہب کی توہین کی نیت سے شائع کردہ کتاب کو جرم قرار دیا جاتا۔

میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں، اپنی حد تک بات کرتے ہوئے کہ میں ایسی شق کی عدم موجودگی پر افسوس کرسکتا ہوں، مگر میں یہ قرار نہیں دے سکتا کہ یہ خاص مقدمہ دفعہ 153اے کے دائرہ میں آتا ہے لہٰذا میں پس وپیش کے ساتھ یہ نگرانی منظور کرتا ہوں اور سائل کو بری کرتا ہوں۔

Blasphemy Rulings

European Court of Human Rights

In Re:

Nigel Wingrove Vs. The United Kingdom

Judgment dated 25 November 1996

The Judgment entitled above is one of the most important judgments of European Court of Human Rights relating to the law of Blasphemy which was declared it to be social necessity of a democratic country. It shows how Europe is conservative in maintaining its own orthodox laws, but on the other hand Pakistan's ruling class is making amendments in the just and equitable laws of Islam in an attempt to show the country as secular modern state. (Author's note)

Precis of the detailed and exhaustive judgment of the apex court of Human Rights of Europe.

The brief facts and law of the case are as follows: -

Mr. Nigel Wingrove directed the making of a video film entitled "Visions of Ecstasy". The idea for the film alleged to have been derived from the life and writings of St. Teresa of Avila, the Sixteenth century nun and founder of many convents, who experienced powerful ecstatic visions of Jesus Christ.

The action of the film centers upon a youthful actress intended to represent St. Teresa. It begins with the nun, dressed in a black habit, stabbing her own hand with a large nail and spreading her blood over her naked breasts and clothing. In the meanwhile, a second female said to represent St. Tresa's psyche, slowly crawls and upon reaching St. Treasa's person, the psyche exchanges passionate kisses with her. Thereafter one sees the body of the Christ fastened to the cross which is lying on the ground. St. Tresa first kisses the stigmata of his feet before

moving up his body and licking the gaping wound. All the time moving in a motion reflecting intense erotic arousal, kisses his lips. For a moment, it appears that he responds to her kisses. The film "Vision of Ecstasy" was submitted to the British Board of Film Classification (hereinafter referred to as "the Board") for permission to sell it to the viewers. But the Board rejected his application on the ground that the film comes within the mischief of provisions of criminal law of blasphemy as tested in 'Gay News' case. It is stated that the video submitted to the Board depicts the mingling of religious ecstasy and sexual passion of St. Teresa with no attempt to explain its historical background. Its presentation is bounded to give rise to outrage the feelings of Christian Community due to unacceptable treatment of a sacred subject. Mr. Wingrove went up to the appeal committee "The VAC" on the ground that the Board was wrong to conclude that the film infringes the criminal law of blasphemy. It is an artistic and imaginative interpretation of 'ecstasy' of 16th century nun St. Teresa. The Board's stand before the appeal committee was that the film is "soft core pornography". The appellate committee accepted the contentions of the Board and held that the film is blasphemous, hence the appeal was dismissed. Mr. Wingrove filed a petition to the House of Lords which was pleased to refuse to grant the leave for judicial review against the judgment of the Board. The House of Lords considered the arguments in regard to the leave for judicial review and held that it would be a futile exercise as it has already held in an exhaustive judgment of "Lemons' appeal case" that the mental element in the offence of blasphemy (mens rea) did not depend upon the factum that the accused committed the offence having an intent to blasphemy. It is said in the judgment that it was sufficient for the prosecution to prove that the publication had been intentional and that matter published was blasphemous. In a judicial

Review of the Magistrate's case who refused to issue summons for blasphemy against Salman Rashdee and the publishers of "The Satanic verses", Lord Watkins observed:

"We have no doubt that as the law now stands does not extend to religions other than Christianity like Islam, we think it right to say that, were it open to extend to cover religions other than Christianity we should refrain from doing so. (All England law Reports 306 (318).

Lord Diplock was sitting as member of House of Lords in the above case. It is significant to note that he was counsel in Maulvi Tamizuddin case on behalf of bureaucrat Governor General Ghulam Muhammad who had dissolved the first National Assembly of Pakistan to sustain his despotic rule in newly established democracy. Lord Diplock was of the same view in Wingrove case as that of Lord Watkin. Diplock J observed:

"In this case it would take just the same instance if it were asked to grant a certificate to a video film which, for instance, was contemptuous of Mohamad or Budha".

Lord Scarman, who is known as a liberal Judge in almost all democratic countries of the world has said in his judgment that Law of Blasphemy is an essential law in order to protect the national security and territorial integrity of a country and it should be extended to other religion and citizens of multidenominational society like Britain. He observed that it is unnecessary to speculate whether an outraged Christian would feel provoked by the words and illustration to commit a breach of peace, the true test is whether the words are calculated to outrage and insult the Christian feelings.

Mr. Wingrove was a obstinate person, so he went upto the European Court of Human Rights (hereinafter called as the court) as a last resort invoking Article 10 of its convention (constitution) which

reads as under:

Article 10 (1): Every one has the right to freedom of expression. The right shall include freedom to hold opinions and to receive and impart information and ideas without interference by public authority and regardless of frontiers. Paragraph (2) of Article 10 of the convention in so far as relevant, reads as under: -

(2) The exercise of these freedoms, since it carries with its duties and responsibilities, may be subject to such conditions and restrictions as are prescribed by law and are necessary in a democratic country for protection of morals and protection of the reputation or rights of others or for maintaining the authority and impartiality of the judiciary or it is deemed to be a social necessity.

The petitioner, Mr. Wingrove in his petition prayed to the court to determine whether such an interference by the Board entails a violation of the convention and to examine whether or not such an interference was "necessary in a democratic society". The main ground was that it could not be expected to forsee the result of speculations of the Board.

The court summoned the United Kingdom (U.K) which was represented by the Government of the Britain. It contested the claim of the petitioner and contended that the video film is clearly a provocative and indecent veneration. Its distribution would have been sufficiently public and widespread to cause offence and that it amounted to an attack on religious belief of Christians which is insulting and offensive. Therefore refusing to grant certificate for the video film, the national authorities only acted within their margin of appreciation. The Human Rights Court consisted of nine Judges from different countries of Europe examined the record and evidence and heard the arguments of both the petitioner Mr. Wingrove and the Government of Britain. The Court in its judgment observed that the freedom of expression constitute one of the

essential foundations of democratic society, as article 10 of the convention expressly recognizes it. It is for this European Court to give a final ruling on the restriction's compatibility with the convention and it will do so by assessing the circumstances of a particular case, inter alia, whether the interference corresponded to a pressing social need".

The court finally held that Article 10 expressly recognizes the freedom of expression but that freedom carries with it duties and responsibilities. Amongst them, in the context of religious belief, may legitimately be included a duty to avoid an expression that is in regard to objects of veneration, graciously offensive to others and profanatory. It is true that the English law of blasphemy only extends to the Christian faith. However, it is not for the European Court of Human Rights to rule "in abstracto" as to the compatibility of the domestic law with the convention. The much emphasized point was that the English law of Blasphemy does not treat on equal footing the different religions practiced in the United Kingdom. So far as Salman Rushdi's case is concerned, the English law of Blasphemy does not protects other beliefs and it is not point in issue before this European Court of Humans Right.

In view of the above circumstances and foregoing background the court finally held that the national authorities of the United Kingdom were entitled to take the impugned measure to ban the blasphemous video film before its sale in the market. This was justified as being "social necessity" in a democratic country within the meaning of paragraph 2 of Article 10. There has therefore been no violation of Article 10 of the convention (constitution). Hence the petition of Mr. Nigel Wingrove is declared to be not sustainable in the eye of law of the European Court of Human Rights.

United Kingdom Ruling

Before the House of Lords

(Appellate Jurisdiction)

In

Lemon Vs Whitehouse

"In appeal the judgment of the Trial Court was upheld. The observation of Lord Scarman, who is well-known as liberal Judge is very important and relevant to Law of Blasphemy in Pakistan.(Author's Note:)

The relevant paragraph of judgment reads as under: -

"I do not subscribe to the view that the common law offense of blasphemous libel serves no useful purpose in the law. On the contrary, I think there is a case for legislation extending it to protect the religious beliefs and feelings of non-Christians. The offences designed to safeguard the internal tranquality of the kingdom. In an increasingly pluralist society such as that of modern Britain it is necessary not only to respect the differing religious beliefs, feelings and practices of all but also to protect them from scurrility, vilification, ridicule, and contempt.

Gay News Case AC516

Reference: Richard Webster, *Brief History of Blasphemy*, pp. 64-65 (New York, The Orwell Press, 1990).

Author's Note: In Pakistan, the penalty for contempt of Prophet of the scriptures (Bible and Torah) is the same as prescribed for the blasphemy of Holy Prophet of Islam (PBUH)

Abstract from the Judgments of British Court

Operative Part of Trial Court Judgment

In

Lemon Vs Whitehouse

"Sincerity" and an "atmosphere of reverence" are not a sufficient defence against blasphemy. The 1978 conviction of Denis Lemon, editor of "Gay News", for publishing a poem suggesting that Jesus was a promiscuous homosexual established that the intention, or motive of an artist is irrelevant. It is a question of fact: Is Christian religious feeling "outraged and insulted"?

The law is clear: Every publication is said to be blasphemous which contains ay contemptuous, reviling, scurrilous or ludicrous matter ralating to God, Jesus Christ, or the Bible." The law allows you to attack, subvert or deny the Christian religion, but not in a way that is " indecent" or "intemperate".

Reference: Blasphemy and Bigotry

The Times (London) (27.8.1988)

Judgement of Supreme Court of USA

Inre: State Vs Mockus

The operative part of elaborate judgment.

"The first requested instruction relates to religious freedom, as vouchsafed by articles 1 &3 of the constitution of this state, wherein it is provided that the right to worship Almighty God according to the dictates of one's own conscience shall not be restrained, nor shall one be hurt, molested, nor restrained because of his religious professions or sentiments, provided he does not disturb the public peace nor obstruct others in their religious worship. The second requested instruction relates to freedom of speech, as vouchsated by articles 1 & 4 of the same consitution, wherein it is provided that every citizen may freely speak, write and publish his sentiments on any subject being responsible for the abuse of this liberty. In the present case these two requests correlate; the respondent claiming fr eedom o f speech r egarding h is r eligious profession or sentiments. We do not understand that upon the occasion in question the respondent claims that he was worshipping Almighty God according to the dictates of his conscience, or that the state by this proceeding is attempting to hurt, molest, or restrain him for such worship. These two constitutional rights, within constitutional limits, are not to be violated, destroyed, or denied. The rights are always vigorously claimed, but the limitations are not always carefully scrutinized or respected. In a charge which for clearness of thought, beauty of diction, accuracy of law, and impartiality of statement is seldom equated, the learned justice who presided at the trial well said. The great degrees of liberty which we enjoy in this country, the degree of personal liberty which every man and woman enjoys, is limited by a like degree of liberty in every other person, and it is the duty of men, and the duty of women,

in their conduct, in the exercise of the liberty which they enjoy, to consider that every other man and woman has the right to exercise the same degree of liberty that when one person enters into society --- and society is the state in which personal liberty exists --- each gives up something of that liberty in order that the other may enjoy the same degree of liberty. It is a conception that perhaps some people find difficult to understand, but it is the conception of liberty which we enjoy. "The difficult task imposed in most instances is to ascertain, determine, and declare in concrete from, what those limitations are and where they mark the line beyond which one may not cross with safety either to himself or to society. In this state the constitutional limitations of religious freedom are non disturbance of the public peace and non-obstruction of other in their religious worship, while the constitutional limitation of free speech is only responsibility for the liberty. These are broad, far reaching limitations, and they travel pari passu with liberty in whatever paths she may desire to travel.

It is farthest from our thought to claim superiority for any religious sect, society or denomiation, or even to admit that there exists any distinct, avowed connection between church and state in these united states or in any individual state, but as distinguished from the religions of confucius. Gautama, Muhammad, or even Abraham, it may be truly said that, by reason of the number, influence, and station of its devotees within our territorial boundaries, the religion of Christ is the prevailing religion of this country and of this state. With equal truth may it be said that from the dawn of civilization, the religion of a country is a most important factor in determining its from of government, and that stability of government in no small measure depends upon the reverence and respect which a nation maintains towards its prevalent religion.

Within the limits of an opinion it would not be expected that all the

tenets of the Christian religion could be expounded, or even enumerated, but for our purpose it will be enough to say that this religion teaches acknowledgment of the existence, presence, knowledge and power of God, as related to human beings in all their walks of life. This religion teaches dependence upon God: this religion teaches reverence toward God and respect for Holy Scripture. Even as we are writing these words the man who is about to assume the duties of the high and responsible station of President of these United States, following the unbroken custom of more than a century, and to the end that his official vow may be more impressive and binding, reverently says, "So help me God" and then pausing with equal reverence, salutes the Holy Scripture by a kiss.

Congress and state Legistature open their sessions with prayer addressed to the God of the Christian religion. Judicial tribunals, anxious to discover and apply the truth, the whole truth and nothing but the truth, require those who are to give testimony in the court of justice to be sworn by an oath which recognizes deity. Thus it will be seen that there is acknowledgement of God in each coordinate branch of goverment. Lest any argument in support of the recognition of God in the fundamental law of our state should be overlooked we point to the very preamble of our Constitution: "We the people of Maine, in order to establish justice, insure tranquility, provide for our mutual defence, promote our common welfare, and secure to ourselves and our posterity the blessings of liberty, acknowledging with grateful hearts the goodness of the sovereign Rule of the Universe in affording us an opportunity so favourable to the design: and imploring His aid and direction in its accomplishment to ordain and establish the following constitution". In view at all these things, shall we say that any word or deed which would

expose the God of the Christian religion, or the Holy Scriptures. "Is to contempt and redicule". Or which would rob official oaths of any of their sanctity, thus undermining the foundations of their binding force, would be protected by a constitutional religious freedom whose constitutional limitation is non-disturbance of the public peace? We register a most emphatic negative."

Comments of the author: It is significant that inspite of separtion of Church from the state, the secularized countries of the west keep the flame of Christianity alive without being apologetic. This open secret is apparent on very face of the pronouncements of the apex courts of the Great Britain and the United state, Which we have quoted above. In strict senso the American law of blasphemy is nearer to the conservative religion or Christianity than that of Islam.

(Corpus Juris Secundum Vol.XI page 359-360)

IN THE SUPREME COURT OF PAKISTAN

(Appellate jurisdiction)

Present

Mr. Justice Abdul Hameed Dogar
Mr. Justiced Khalil-ur-Rehman Ramday
Mr. Justice Nasir-ul-Mulk

CRIMINAL PETITION No.774-of 2002

(On appeal from the judgment dated 20.8.2002 of the Lahore High Court Lahore, passed in Criminal Appeal No.1815 of 2001 and Murder Reference No.61-T of 2001)

.....

Dr. Muhammad Amin ...Petitioner

Versus

Muhammad Mehboob and another ...Respondents

....

For the petitioner:	Mr. Muhammad Ismail Qureshi, Sr. ASC.
For the Respondent:	Not represented
Date of Hearing:	13.9.2005

....

JUDGEMENT

KHALIL-UR-REHMAN RAMDAY, J. One Muhammad Mehboob was accused, through FIR No.466 dated 26.9.1999 of Police Station Khushab, of the commission of offences punishable under sections 295-A and 295-C of the PPC. He was tried by a learned Special Judge at Sargodh; was found guilty of the said charges and was punished with death under section 295-C PPC while on the charge under section 295-A PPC he was ordered to suffer ten years R.I. On an appeal filed by him in the Lahore High Court bearing Criminal Appeal No.1815 of 2001, he was acquitted of the said charges through a judgment dated 20.8.2002.

2. Muhammad Amin complainant is now before us through this petition and has been heard through Mr. Muhammad Ismail Qureshi, Sr.

ASC.

3. The learned S.r ASC conceded at the very outset that he was not aggrieved of the acquittal recorded by the learned High Court in favour of the accused-respondent but was aggrieved only of certain observations made in paras 27, 30 and 31 of the impugned judgment of the Lahore High Court. Adds that the final jurisdiction in the matters relating to the injunctions of Islam vested in the Federal Shariat Court subject of course to any decision in the matter of the Shariat Appellate Bench of this court and that the impugned observations traveled beyond the purview of the High Court on account of the provisions of Article of 203 GG of the Constitution and that he would be satisfied if it was observed that what has biding effect is the declaration made by the Federal Shariat Court on the subject and not the impugned observations of the learned High Court.

4. This is pricesly what stands declared by Article 203GG of the Constitution and it is observed that binding decision in the matter is one rendered, if at all, by the learned Federal Shariat Court.

5. It is a principle of law too well established by now that the courts do not interfere with the matters of investigation of criminal cases which is the exclusive domain of the Officer incharge of a Police Station in terms of sections 156 and 157 of the Cr.P.C. Therefore, the directions issued by the learned High Court to the Inspector General of Police in Para 30 of the impugned judgment are not strictly tenable in law but as the same appear to be intended to cater for a better quality of investigation of cases and is likely to be a step to advance the cause of justice and not to impede the system, therefore, we do not consider it appropriate to interfere with the said directions. It may, however, be clarified that the purpose of investigation as defined buy section 4 (1) of the Cr.P.C is merely to collect evidence for the purposes of placing the same before a competent trial court and it is then this court which is

qualified to determine the guilt or innocence of an accused person and further that the power of the police office to investigate a case does not include the power to determine the guilt or innocence of an accused person.

6. Subject to what has been observed above, this petition is disposed of.

Islamabad, the 13th September

Comments: It is a unique judgment in the above titled case in the sense that the learned author judge had appeared in the Federal Shariat Court case titled Muhammad Ismail Qureshi Vs Pakistan as a counsel representing the respondent Provincial Government of Punjab while he was Advocate General of the Province. It is interesting to note that the issue in the above Federal Shariat Court judgment and the present judgment of the Supreme Court was pertaining to the punishment for unpardonable offence of the blasphemy of the Holy Prophet (PBUM)

قانونِ توہینِ رسالت میں ترمیم کے مضمرات (از مصنف)

مملکتِ خداداد پاکستان کے صدر جناب جنرل پرویز مشرف نے سال 2000ء میں اعلان کیا تھا کہ قانونِ توہینِ رسالت کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ اسی لئے اس کے ضابطۂ کار (Procedural Law) کو تبدیل کرنا ہوگا۔ راقم نے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کی جانب سے اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے اس پر گہری تشویش کا اظہار کیا کہ موجودہ طریق کار میں تبدیلی اس قانون کو غلط طور پر موثر بنانے کی ناروا کوشش ہے جو قومی اشتعال انگیزی کا باعث ہوگا اور اس کے پسِ پردہ امریکہ اور یورپ کی متعصب ذہنیت کارفرما ہے۔

پاکستان کی دینی اور سیاسی جماعتوں نے اس ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔ اس دوران جنرل موصوف بیرونِ ملک دوروں پر تھے وہاں انہیں اس بگڑتی ہوئی صورتحال سے آگاہ کیا گیا۔ اس لئے انہوں نے واپسی پر ائرپورٹ ہی سے قوم سے براہِ راست خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حکومت کے چند اہلکاروں کی طرف سے صرف ایک تجویز تھی جو نادانستہ طور پر پیش ہوگئی۔ قوم اگر اسے ناپسند کرتی ہے تو ہم قانونِ توہینِ رسالت کے طریقہ کار میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کیسے کر سکتے ہیں! اس لئے یہ تجویز فوری طور پر واپس لے لی گئی اگرچہ کہ امریکہ اور یورپ یہ جانتے تھے کہ جنرل مشرف نے یہ بات مصلحتاً کہہ دی ہے لیکن اس کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکے۔ اس لئے امریکہ کی نیوکونز (نئی قدامت پسند عیسائی) گورنمنٹ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ڈیموکریسی اور ہیومن رائٹس بیورو کے حوالے سے سال 2003ء میں انٹرنیشنل رپورٹ تیار کی ہے جو سال 2004ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس رپورٹ میں قانون توہین رسالت کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے مذہبی آزادی اور حقوق انسانی سلب ہو رہے ہیں۔ اقلیتوں خاص طور پر قادیانی/ احمدی گروہ کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ ان کی زندگی، جان اور مال محفوظ نہیں اگرچہ کہ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قانون کے سال 1991ء میں نافذ ہونے کے بعد سے اب تک ہائیکورٹ فیڈرل شریعت کورٹ یا سپریم کورٹ سے کسی شخص کو بھی سزائے موت نہیں دی گئی اور نہ ہی کوئی اس جرم میں سزایاب ہوا ہے لیکن رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ پاکستان میں ابھی 67 مقدمات زیرِ سماعت ہیں۔ 15 کروڑ آبادی کے اس ملک میں یہ صورتحال بھی ان کی نظر میں تشویشناک ہے۔ جونہی یہ رپورٹ جنرل صدر

مشرف کے نوٹس میں لائی گئی اُس پراُن کو ہمہ مقتدر صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش کی دستِ راست کینڈ ولیزا رائیس کی وہ وارننگ یاد آ گئی کہ اگر پاکستان نے امریکن گورنمنٹ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا تو اس کی گاجر سے تواضع ختم ہو جائے گی پھر چھڑی (Stick) کے زور سے اسے راہ راست پر لایا جائے گا چونکہ صدر جنرل پرویز مشرف ایک امن پسند اور صلح جو جنرل ہیں اس لئے انہوں نے نہایت پھرتی سے یوٹرن (U-turn) لیا اور الٹی زقند لگائی۔ ایسی زقند وہ کونڈی رائس کے پیشِ رو کولن پاؤل کی ایک کال پر بش کی خوشنودی کے لےء ان کی مسلم ملک افغانستان کے خلاف اعلان صلیبی جنگ (Crusade) پر لگا چکے ہیں۔ اس مرتبہ یوٹرن 2004ء میں جنرل موصوف نے ضابطہ کار سے بھی آگے بڑھ کر قانونِ توہین رسالت پر نظر ثانی کا اعلان داغ دیا۔ اس اعلان میں حدود لاز کے بارے میں بتلایا گیا کہ یہ قوانین بھی انسانی ذہن کی تخلیق ہیں یعنی سرقہ، ڈکیتی/حرابہ، بدکاری، قذف کے جرائم کی قرآن وسنت میں مقررہ سزائیں ماڈرن اجتہاد کی روشنی میں معاذ اللہ، وضعی یا انسان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں۔ اس پر مسلمان عوام، مسلم قائدین اور دینی رہنما حکومت کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ دوسری طرف سے وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج بھی میدان میں اتر گئی۔ سیکولر دستے پہلے ہی ان کی مدد کے لئے موجود تھے مگر مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر طے پایا کہ تمام اسلامی قوانین پر نظر ثانی کی بجائے صرف قانون قصاص و دیت میں ترمیم کی جائے۔ یہ ترمیم پرائیویٹ بل کے طور پر پیش کی گئی۔ اس میں قانون توہین رسالت میں کسی قسم کی کوئی ترمیم شامل نہ تھی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے ''پرائیویٹ'' ٹی وی چینل Jeo نے 13 مئی 2004 کو توہین رسالت کے سلسلے میں ایک اہم مذاکرے کا (Capital Talk) کے عنوان سے اہتمام کیا۔ جس میں راقم، وزیر مذہبی امور میاں اعجاز الحق اور پی پی کی رکنِ قومی اسمبلی فوزیہ وہاب کے علاوہ محبوب صدا ڈائریکٹر کرسچن سٹڈیز کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے کمپیئر جناب حامد میر تھے۔ اس مذاکرے میں یہ امور زیر بحث آئے۔ کیا حکومت امریکہ کے دباؤ میں توہین رسالت کا قانون ختم کرنا چاہتی ہے؟ کیا طریقۂ کار میں تبدیلی سے قانون کا غلط استعمال رک جائے گا؟ کیا سزائے موت ختم کرنے سے فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کی خلاف ورزی ہوگی؟

امریکی دباؤ کے بارے میں ہمارا موقف واضح تھا کہ یہ امریکن ایجنڈے کا حصہ ہے۔

اس کی تائید میں ہم نے امریکن ہیومن رائٹس بیورو کی رپورٹ کا دستاویزی ثبوت پیش کیا لیکن

وزیر مذہبی امور اور مسز فوزیہ وہاب کا کہنا تھا کہ پاکستان امریکہ کے زیر اثر ایسا کوئی کام نہیں کر رہا۔ مسٹر محبوب صدا اور مسز فوزیہ وہاب ایم این اے کی رائے تھی کہ اس قانون کو ختم کر دینا چاہئے اور پارلیمنٹ جو ایک با اختیار ادارہ ہے اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ مسز فوزیہ وہاب نے ایک متبادل تجویز پیش کی کہ اگر اس قانون کو ختم کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے تو زیادہ سے زیادہ توہین رسالت کی سزا سات سال ہونی چاہئے۔ جب موصوفہ سے پوچھا گیا کہ تنسیخ یا ترمیم کے مطالبہ کا کیا جواز ہے جس پر انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات میں عفوو درگزر کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایذا دینے والوں کو معاف کر دیا تھا۔ مزید دریافت پر کہ کیا وہ ریاستِ مدینہ کی اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ اللہ وسلم کا کوئی ایسا فیصلہ بتلا سکتی ہیں جب آپ نے توہین رسالت کے ملزموں کو معاف فرما دیا تھا۔ اس پر موصوفہ نے تسلیم کیا کہ اس سلسلے میں ان کا مطالعہ اتنا وسیع نہیں ہے۔ اس لئے وہ فی الوقت اس کا جواب نہیں دے سکتیں۔ کرسچن کمیونٹی کے نمائندے محبوب صدا کی توجہ اس طرف دلائی گئی کہ خود بائبل میں پیغمبروں کی توہین کی سزا سزائے موت بذریعہ سنگسار ہے۔ اس بارے میں آپ کیا فرمائیں گے! کہنے لگے بائبل کا قانون دنیا میں کہیں لاگو نہیں ہے جب بتلایا گیا کہ برطانیہ یورپ اور امریکہ میں جو اپنے آپ کو سیکولر ہونے کے دعویدار ہیں وہاں بھی توہین مسیح کی سزا موت تھی لیکن سزائے موت موقوف ہونے کے بعد توہین مسیح کی سزا عمر قید کر دی گئی ہے۔ جس پر انہوں نے کہا کہ ہمارا یورپ برطانیہ اور امریکہ سے کوئی تعلق نہیں ہم تو پاکستان کی بات کرتے ہیں۔ اگر برطانیہ امریکہ میں کوئی فیصلے ہوئے ہیں تو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں لیکن انہوں نے تسلیم کیا کہ پاکستان میں ابھی تک کسی ایک شخص کو بھی توہین رسالت کی سزا نہیں دی گئی۔

وزیر مذہبی امور میاں اعجاز الحق نے برملا اعتراف کیا کہ حکومت کو توہین رسالت کی سزا میں ترمیم یا تنسیخ کا کوئی اختیار نہیں اور نہ حکومت کا ایسا کوئی ارادہ ہے لیکن چونکہ قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ اس لئے حکومت چاہتی ہے کہ اصل قانون میں کسی تبدیلی کے بغیر طریقہ کار (Procedural Law) میں تبدیلی کی جائے۔ کیسی تبدیلی؟ کے جواب میں کہ اگر کسی نے توہین رسالت کا غلط مقدمہ درج کرایا اور تفتیش یا انکوائری میں وہ مقدمہ غلط ثابت ہو اور عدالت سے ملزم بری ہو جائے تو غلط مقدمہ درج کرانے والے کو سزائے موت دی جائے گی۔ اس پر راقم نے شرکائے مذاکرہ کو ہارون رشید کے دور کا ایک مشہور واقعہ سنایا کہ منتفی اس کے دربار کا بہت بڑا

قصیدہ گوشاعر تھا مگر بلانوش شرابی بھی۔ ہارون کے دورِ حکومت میں ایک سخت گیر محتسبِ اعلیٰ (Ombudsman) کا تقرر رہا جو نشہ کی حالت میں پکڑے جانے والے شخص کو موقع پر ہی اسی کوڑوں کی سزا دیا کرتا تھا۔ اس پر متنبّی نے خلیفہ کی خدمت میں لکھا کہ ان حالات میں وہ دربار کی حاضری سے قاصر ہے۔ ہارون رشید کو مشکل یہ آن پڑی کہ شراب نوشی کی سزائے تازیانہ موقوف کر دے تو رعایا کی مخالفت کا خطرہ موجود ہے تو دوسری طرف اُس کا درباری شاعر ایسے محتسب کی موجودگی میں اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ بادشاہ کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے اس کے وزیرانِ باتدبیر نے اسے مشورہ دیا کہ اگر قانون کی بجائے قانون کے طریقہ کار میں ترمیم کی جائے تو یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ شراب نوشی کی اسی کوڑوں والی اسلامی سزا کو نہ چھیڑا جائے۔ وہ برقرار رہے لیکن طریقہ کار میں ترمیم کر کے شرابی کے خلاف رپورٹ کرنے والے کو سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس زمانے کے لوگ معلوم ہوتا ہے کچھ انتہا پسند تھے جو اس ترمیم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس پر ہارون رشید جیسے شہنشاہِ وقت کو بھی اس ترمیم کو منسوخ کرنا پڑا۔

اس مذاکرے میں سب سے دلچسپ اور فیصلہ کن مرحلہ اس وقت آیا جب وزیر مذہبی امور میاں اعجاز الحق سے پوچھا گیا کہ بدنام زمانہ رشدی اگر ان کے سامنے آجائے تو وہ کیا کریں گے؟ جس پر انہوں نے بے ساختہ وہی جواب دیا جو دراصل مسلمانوں کی قومی نفسیات کا ترجمان تھا۔ ان کے لاشعور میں یہ تہہ نشین خواہش تھی جو شیطانی آیات کے مصنف کا نام سنتے ہی بے اختیار ان کی زبان پر آگئی جسے وہ روک نہ سکے اور کہا کہ وہ اسے گولی ماردیں گے۔ طریقِ کار میں ترمیم کی بات بھی اس وقت ان کے ذہن سے فراموش ہوگئی سب سے بڑھ کر وہ توہین رسالت کے ملزم کو عدالت میں صفائی کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا بھی یہی موقف تھا کہ ملزم گستاخ رسول کو موقع پر ہی اس کی نیت ارادہ اور مقصد معلوم کئے بغیر ہی جان سے مار دینا چاہئے جبکہ ہمارا واضح موقف شروع سے ہی فیڈرل شریعت کورٹ، ہائیکورٹ سپریم کورٹ میں یہی چلا آرہا ہے کہ توہین رسالت کے قانون کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملزم کو پوری طرح اپنی صفائی پیش کرنے کا حق دیا جائے جو قرآن، قانون اور عدل وانصاف کا تقاضہ ہے۔ نیت اور ارادہ کے بغیر توہین رسالت کی حدود میں سزا کسی کو نہیں دی جاسکتی۔

اب رہ گیا یہ اہم سوال کہ کیا توہینِ رسالت طریق کار میں ترمیم سے اس قانون کا غلط استعمال رک جائے گا؟ اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ طریقہ کار میں ترمیم کی وجہ سے

قانون کے غلط استعمال کا زیادہ احتمال موجود ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ کاروکاری قتل وغارت کے پرائیویٹ بل میں توہین رسالت کے قانون میں یا اس کے طریقہ کار میں ترمیم کا کہیں ذکر موجود نہیں لیکن سرکار کے وزیر انچارج نے کاروکاری اور قتلِ غیرت (Honour Killing) جیسے گھناؤنے جرائم کو نمایاں کر کے توہین رسالت کے طریقہ کار میں ترمیم کو کمال ہوشیاری سے قصاص ودیت کے بل میں خلط ملط کر دیا اور ترمیم کی غرض وغایت کے بیان میں بھی اسے نظر انداز کر دیا گیا جو پارلیمانی قواعد کے مطابق ضروری تھا۔ قصاص دیت کے ترمیمی بل کے طریقہ کار پر سرکار دربار کے حاشیہ نشینوں کے سوا ملک کی اپوزیشن ایم ایم اے اور اے آر ڈی کے ممبران اسمبلی احتجاج کرتے ہوئے ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔ ملک کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے شہریوں نے اس غیر اسلامی ترمیمات کو یکسر مسترد کر دیا۔ این جی اوز تک نے بھی اس طرح بل کو غیر پارلیمانی طریقہ سے منظور کرنے پر اس بل کو متنازعہ قرار دیا۔ اسی لئے یہ بل اور خاص طور پر توہین رسالت کا ترمیمی بل قانون بن جانے کے بعد بھی ناقابل قبول رہے گا۔

پہلے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 156 کی رو سے پولیس اسٹیشن کے انچارج افسر کو قابل دست اندازی پولیس جرائم قتل توہین رسالت اور دیگر سنگین جرائم میں اطلاع دینے یا رپورٹ کرنے پر مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کرنے کے بعد تفتیش کا اختیار حاصل تھا جس سے مدعی کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ قانون ملزم کے خلاف حرکت میں آ گیا ہے۔ اس طریقہ کار میں ملزم پولیس کی تحویل میں آ جانے سے قاتلانہ حملے یا واردات قتل سے بھی محفوظ ہو جاتا اور اسے علاقے یا ملک سے فرار ہونے کے راستے بھی بند ہو جاتے رہے ہیں چونکہ پولیس تھانے اور چوکیاں شہر کے اندر قریب قریب اور دیہاتوں اور ہر قریہ میں جرائم کے انسداد اور لا اینڈ آرڈر کو برقرار رکھنے کے لیے قائم ہیں۔ دفعہ 156-A ضابطہ فوجداری میں اضافی ترمیم کے ذریعہ توہین رسالت کے جرائم 295-C تعزیرات کی تفتیش کا اختیار صرف پولیس کے اعلیٰ افسر S-P کو دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ایس پی کو اپنے ہیڈ کوارٹر آفس سے اٹھا کر ملک بھر کے شہروں اور دیہاتوں کے ہزاروں لاکھوں تھانوں کے اندر لا کر بٹھایا تو نہیں جا سکتا۔ ایس پی صاحبان تو صدر مملکت، گورنر، قطار اندر قطار وزیروں، مشیروں اور افسران سرکار جن کے دم قدم سے اس ملک کی بقا اور استحکام وابستہ ہے کے جان و مال کے تحفظ کے لئے شب و روز مصروف کار ہوتے ہیں۔ مزید برآں اپوزیشن کے جلسے جلوسوں کی روک تھام بھی ان کی ذمہ اریوں میں شامل ہے۔ ایسے ہمہ گیر مصروف اعلیٰ پولیس

افسروں کو توہین رسالت کے ملزموں کے خلاف رپورٹ کی تفتیش اور انکوائری کی مہلت کہاں! ان حالات میں توہین رسالت کے مدعی کو جس کے دل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت اس کی جان و مال ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وہ ایس پی صاحبان کی تلاش میں تگ و دو کے بعد بھی ان کے دفتروں کے چکر لگانے کے لئے صبر ایوب کہاں سے لائے گا۔ اس کے علاوہ توہین رسالت کی مدعی کی ایس پی کو درخواست ملزم کے لئے یورپ اور امریکہ جانے کا ویزا بن جائے گی۔

تاریخ کے واقعات کا تسلسل ہمیں بتلاتا ہے کہ جہاں بھی توہین رسالت کا قانون موجود نہ ہو یا اگر ہو بھی تو وہ غیر موثر ہو تو پھر جس کسی مسلمان کے سامنے اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب ہو گا وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مجرم کو موقع واردات پر ہی سزا دے گا۔ توہین رسالت کا قانون ہونے کے باوجود بھی سرفروش لوگوں کی کمی نہیں جو توہین رسالت کے ملزموں کے مقدمات میں تاخیر بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ لاہور ہی کی جیل کے اندر ہمارے ہی مقدمہ توہین رسالت کے ملزم یوسف کذاب کے متعلق ایک قیدی کو معلوم ہو گیا کہ اس گستاخ رسول کو ضمانت پر رہا ہونے کے بعد یورپ کی گورنمنٹ ایجنسیاں اسے اپنے ملک میں لے جانے کے لئے منتظر ہیں تو اس قیدی نے یوسف کذاب کو اسی جیل کے اندر گولی مار کر ہلاک کر دیا اور ساتھ ہی اقرار جرم بھی کر لیا۔ اس گستاخ رسول کو مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی۔ کچھ عرصہ قبل لبنان کی ایک مشہور گلوکارہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف توہین آمیز گیت گائے تو اس کے شوہر نے اس کا گلہ کاٹ دیا۔ نیوز ویک ماہِ نومبر 2004ء کی ایک رپورٹ کے مطابق جب ہالینڈ کے ایک بدقماش فلم ساز تھیوداں گوغ نے قرآن ناطق صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات وحی کی تضحیک اور بے حرمتی ایک نیم برہنہ اداکارہ سے کرائی تو ایک مراکشی نوجوان اٹھا اور اس نے کام تمام کر دیا۔ معلوم نہیں کیوں مہذب یورپ کے انتہا پسند شہری اسلامی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایسی ناشائستہ اور انسانیت سوز شیطانی حرکتوں سے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرتے رہتے ہیں۔ انہیں روکنے کی بجائے الٹا مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی نیوز ویک کے ایک کالم نویس نے ہنٹنگٹن (Huntington) کے نفرت انگیز نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

That the clash of civilization taking place at the global level

between Muslims and Christians"
''مسلمانوں اور عیسائیوں کا تہذیبی تصادم اب عالمی سطح پر پہنچ گیا ہے''۔ ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں قانونِ توہینِ رسالت کے ضابطۂ کار میں ترمیم کے ذریعے اسے غیر موثر بنانے کی کوشش ملک اور قوم کے لئے انتہائی خطرناک ہوگی۔ اس سے مسلمانوں کے ہیجان انگیز جذبات کا طوفانی بند (Flood Gate) کھل جائے گا جسے بند کرنا حکومت کے بس کی بات نہیں رہے گی۔ اس لئے ایسی ترمیم کی تنسیخ حکومت کا دانش مندانہ اقدام ہوگا۔ قانون توہین رسالت منسوخ کرکے کوئی اسلامی ریاست اور حکومت زندہ اور سلامت نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اس قانون وغیر موثر کرنے کے لئے طریقہ کار میں ترمیم کا چور دروازہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی غرض وغایت ترمیم بل میں نہیں بتلائی گئی جس کے بغیر ترمیمی بل ہی ناقابلِ پیش رفت تھا۔ ترمیم کی ایک وجہ جو اخبارات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے وہ یہ کہ توہین رسالت کے قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ لوگوں کے خلاف اور خاص طور پر غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف توہین رسالت کے جھوٹے مقدمے درج ہو رہے ہیں جس کا حوالہ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس امریکن بیورو کی رپورٹ سال 2003ء میں دیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ پاکستان کی ہیومن رائٹس این جی او کی فراہم کردہ ہیں جس کا سربراہ پاکستان کا عیسائی بشپ ہے۔ یہ رپورٹ خود بر خود غلط ہے۔ سارے پاکستان میں بارہ سال کے دوران عیسائی یا دیگر غیر مسلموں کے خلاف پندرہ سے زیادہ مقدمات دائر نہیں ہوئے جن میں تمام ملزمان اسلامی قانون شہادت کے غیر معمولی معیار اور تحفظات کی بدولت بری ہو چکے ہیں۔
قانون رسالت کے بارے میں غلط استعمال ہونے کے اعتراض کا الزامی جواب یہ ہے کہ دنیا کا وہ کون سا قانون ہے جس کا غلط استعمال نہیں ہوتا۔ خود پاکستان میں جتنے تعزیراتی قوانین ہیں کیا ان کا بے دریغ غلط استعمال نہیں ہو رہا؟ روزانہ سینکڑوں قتل، چوری، ڈکیتی، عصمت دری کرپشن کے مقدمات پولیس اور تھانوں کے ذریعے ہی عدالتوں میں آتے ہیں اور ان میں سے اکثر ہائیکورٹ پہنچ کر بری ہو جاتے ہیں۔ خود پاکستان کی سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کے شوہر مسٹر آصف زرداری کے خلاف سرکار کی جانب سے کئی مقدمات درج ہوئے جن کی پاداش میں وہ آٹھ سال کے طویل عرصے تک جیل میں بند رہے۔ پاکستان میں ایسے سخت گیر قوانین (Draconian Laws) کی عمل داری ہے جو مرگِ مفاجات سے کم نہیں۔ اسلامی ریاست میں ایسے خطرناک قوانین کو اور ان کے بنیادی حقوق سے منافی پروسیجر کو تبدیل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن برسر اقتدار طبقہ

اس کی تبدیلی کے لئے قطعاً تیار نہیں۔

دوران جنگ جس طرح انسانوں کا قتل عام ہوا ہے اس سے زیادہ لاقانونیت کے ہاتھوں انسانیت کی تباہی آئی ہے۔ اس سے قطع نظر اگر چند غلط مقدمات کی وجہ سے حکومت کو قانون توہین رسالت کے غلط استعمال کے بارے میں کچھ رپورٹس موصول ہوئی ہیں تو کیا حکومت کو یہ علم نہیں کہ غلط مقدمات کے سدباب کے لئے نہایت موثر قانون خود تعزیرات پاکستان میں موجود ہے! قانون تعزیرات کی دفعہ 194 کی رو سے اگر کوئی شخص کسی بے گناہ کو سزائے عمر قید یا سزائے قتل دلانے کے ارادے سے غلط بیانی کرے یا جھوٹی شہادت دے تو اس کو عمر قید کی سزا دی جائے گی اور اگر کسی شخص پر سزائے موت لاگو ہو جائے اور بعد میں ثابت ہو کہ اس کی وجہ جھوٹی شہادت تھی تو ایسے جھوٹے گواہ یا گواہوں کو سزائے موت دی جائے گی اگر کبھی کہیں قانون توہین رسالت کا غلط استعمال ہوا ہے تو معلوم نہیں کیوں گورنمنٹ اس تعزیراتی قانون پر عملدرآمد سے گریزاں رہی ہے۔ عدالت بھی از خود نوٹس لے کر ایسے افراد کو قرار واقعی سزا دے سکتی ہے جو توہین رسالت کے نام پر جھوٹے مقدمات میں لوگوں کو ملوث کرتے ہیں۔ جب جھوٹے اور غلط مقدمات کے لئے پہلے ہی سے ملک میں تعزیری قانون موجود ہے تو پھر صرف قانون توہین رسالت کے طریق کار میں ترمیم کا کیا جواز ہے؟ دوسرے سنگین جرائم کا بھی پاکستان میں جھوٹے مقدمات کے ذریعے غلط استعمال ہو رہا ہے تو ان کے طریق کار میں کوئی ترمیم کیوں نہیں کی جاتی؟ صرف قانون توہین رسالت کے طریق کار میں یہ ترمیم کیوں مسلط کر دی گئی ہے؟ عوام یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ یہ ساری کارروائی امریکہ اور یورپ کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔

مشاہیر ادب وسیاست کے تاثرات

بیان میاں محمد نواز شریف

قانون توہین رسالت کے فیصلہ کے خلاف سپریم ورٹ میں اپیل کسی اہلکار کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ اگر توہین رسالت کی سزا موت سے بھی زیادہ سخت ہوتی تو اس پر بھی عملدر آمد کیا جاتا۔ یہ قانون کسی اقلیت کے خلاف نہیں بلکہ صرف گستاخان رسول کے خلاف بنایا گیا ہے خواہ ان کا تعلق اسلام ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس لئے اقلیتوں کو اس سے خوف زدہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ اس قانون سے اقلیتوں کے جان و مال اور تمام شہری حقوق کی حفاظت ہوگی، اس لئے میں نے سرکاری وکیل کو سپریم کورٹ سے توہین رسالت میں ترمیم کے لئے دائر اپیل کو فوری طور پر واپس لینے کی ہدایت جاری کر دی ہیں۔

میاں محمد نواز شریف
وزیر اعظم پاکستان

نوٹ: وزیر اعظم کی ہدایات پر وفاقی حکومت بنام محمد اسماعیل قریشی توہین رسالت کی اپیل سپریم کورٹ سے دستبرداری کی وجہ سے خارج ہوئی۔

☆☆☆

جناب اسماعیل قریشی نے قانون توہین رسالت کو ملک عزیز میں ازسرنو روشناس کر کے اقلیتوں کے جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے اور اپنی تصنیف ناموس رسول اور قانون توہین رسالت میں اسلامی قانون عدل و شہادت کو جس انداز سے واضح کیا گیا یہ وہ قابل قدر ہے۔

ملک معراج خالد
ریکٹر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

☆☆☆

ناموس رسول اور قانون توہین رسالت میں جناب اسماعیل قریشی نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کے قانون شہادت کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا ہے۔ اس سے یورپ ایک صدی قبل نا آشنا تھا۔ اس لئے قانون توہین رسالت جیسے سنگین جرم کے لئے بھی اسلام میں وہی معیار شہادت ہے جو دوسرے جرائم کے لئے مقرر ہے اور یہ قانون انسانی حقوق کے منافی

نہیں بلکہ ان حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے۔ اس موضوع پر یہ کتاب جامع ہے جس کے لئے مصنف لائق مبارکباد ہیں۔

ایس۔ایم ظفر سابق وزیر قانون
چیئرمین ہیومن رائٹس کمیشن

☆☆☆

قانون توہین رسالت کو اسلامی ریاست پاکستان میں نافذ کرنے کے لئے جناب اسماعیل قریشی کی سعی اور کاوش قابل ستائش ہے۔ ان کی کتاب ناموس رسول اور قانون توہین رسالت نے ان تمام مسائل کو احاطہ کیا ہوا ہے جو قانون اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

راجہ ظفر الحق
وزیر وزارت امور مذہبی

☆☆☆

جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب کی بلند پایہ تصنیف ناموس رسول اور قانون توہین رسالت میں پاکستانی سیاست اور اسلامی ادب میں عظمت رسول علیہ السلام کی نشاندہی جس انداز میں کی گئی ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ انہیں رقم کرسکوں۔

دراصل یہ گستاخان رسول کے خلاف غازی علم الدین شہید اور شہیدان ناموس رسالت کی طرح جہاد مسلسل ہے۔ محترم قریشی صاحب یہ کتاب لکھ کر امام ابن تیمیہؒ اور قاضی عیاضؒ جیسے عالی مقام مصنفین کی صف میں شامل ہوگئے ہیں۔

میاں محمد اسماعیل
سابق سفیر مصر

☆☆☆

ملک کے معروف قانون داں جناب محمد اسماعیل قریشی نے اہانت رسول کی سزا کے بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ سے فیصلہ کروا کر ہم سب کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ موصوف نے قرآن وسنت کی روشنی میں تمام مکاتب فکر کے فقہا کا نقطہ نظر علمی اور فکری انداز میں

پیش کیا ہے۔ یہ کتاب فی الحقیقت لائق مطالعہ ہے۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد

☆☆☆

مغرب روحانی اقدار سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اسماعیل قریشی صاحب نے ناموس رسول اور قانون توہین رسالت لکھ کر مغرب کو بتلایا ہے کہ توہین رسالت کے قانون نے اقلیتوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔ یہ کوئی غیر منصفانہ قانون نہیں بلکہ انسانی حقوق اور اسلامی عقائد کے عین مطابق ہے۔

قاضی حسین احمد صاحب

امیر جماعت اسلامی پاکستان

☆☆☆

یورپ کے نام نہاد مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کا علمی اور فکری انداز میں جواب دیا جائے۔ اسماعیل قریشی صاحب مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ناموس رسول اور قانون توہین رسالت جیسی گراں قدر کتاب لکھ کر اس صدی میں یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

نوابزادہ نصر اللہ خان

☆☆☆

توہین رسالت کی سزائے موت کے بارے میں جمہور مسلمانوں کے درمیان نہ کبھی اختلاف رہا ہے اور نہ کوئی شک وشبہ ہے جس کسی کو تحقیق کا شوق ہو اس کے لئے اسماعیل قریشی کی ناموس رسول اور قانون توہین رسالت، ابن تیمیہؒ کی الصارم المسلول، تقی الدین سبکی کی السیف المسلول اور ابن عابدین شامی کی تنبیہ الولاۃ جیسی معرکۃ الآرا کتابوں کا مطالعہ کافی ہے۔

خرم مراد

چیف ایڈیٹر ترجمان القرآن

☆☆☆

جناب اسماعیل قریشی صاحب نے "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" جیسی کتاب کی تخلیق، اس کی تشکیل اور تعمیر میں اپنی زندگی کے اسی نصب العین کو پیش نظر رکھا ہے جسے میں عدل

کہتا ہوں۔

قریشی صاحب نے عدل یعنی سچ کی تلاش میں اپنے ذہن کی ہر صلاحیت، ہر اہلیت اور ہر سعی کو وقف کر دیا ہے اور اس کتاب میں تلاش تفحص اور جستجو کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایک انتہائی اہم اور اس قدر نازک مسئلہ میں پوری طرح عدل یعنی سچائی کی پاسداری کی ہے۔ ان کی تحریر رواں دواں سلیس ہے اور خوبصورت ہے۔

مرزا ادیب

☆☆☆

جناب اسماعیل قریشی کی ''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' اپنی نظیر آپ ہے اس میں معارف و بصائر کے خزینے ہیں۔ اس کا مطالعہ ان غلط فہمیوں کو رفع کرے گا جو ایک خاص زاویہ نظر سے پھیلائی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید

☆☆☆

''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی منفرد کتاب ہے جس میں حضور رسالت مآب ﷺ کی ذاتی گرامی سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت کے ساتھ مصنف کتاب جناب محمد اسماعیل قریشی نے اپنے موضوع اور دعویٰ کے ثبوت میں قرآن و سنت، قانونی نظائر اور تاریخ کے حوالے سے علمی حقائق کو متکلمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

اردو ڈائجسٹ لاہور

☆☆☆

جناب اسماعیل قریشی صاحب کے زور خطابت میں جس طرح منطق اور استدلال ان کے ہم رکاب رہتے ہیں اسی طرح انہوں نے ''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' جیسی بلند پایہ کتاب لکھ کر ناقابل تردید براہین اور دلائل سے، تحقیق اور ریسرچ کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا ہے اور اسلامی ادب میں بھی قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے سکالرز، اہل قلم، اساتذہ، طلباء اور عوام یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

کموڈور طارق مجید

روزنامہ مسلم۔ اسلام آباد

☆☆☆

''ناموس رسول اور قانون توہین رسالت'' دراصل جناب اسماعیل قریشی کی تحفظ ناموس رسالت کے لئے طویل جدوجہد کی ایمان افروز اور دل نشین روئیداد ہے جس کا تعلق عشق رسالت مآب علیہ وسلم سے ہے اس لئے یہ زندہ رہنے والی کتاب ہے۔

مجیب الرحمٰن شامی

چیف ایڈیٹر ہفت روزہ زندگی

☆☆☆

RELEVANT PORTION FROM ARTICLE AGAINST THE BLASPHEMY LAW IN READER DIGEST AND SUNDAY TIMES MAGAZINE TILTED "PAKISTAN'S WAR ON CHRISTIANS"

An article appeared in Reader's Digest of January 2000 at page 146 by Cathy Scott-Clark and Andrian Levy which also appeared in Sunday Times Magazine under the provocative caption "Pakistan's war on Christians". This is the most prejudicial article based on incorrect facts narrated therein. We are reproducing the relevant portion of the article which reads as under: -

"A High Court Lawyer, Ismaeel Quereishi, drafted a new blasphemy law passed by the Senate in 1992, it stated, "Whoever, by any imputation, innuendo or insinuation, directly or indirectly defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad, shall be punished with death."

Dozens were arrested, most of them Christians. Since only "innuendo" was required to accuse and convict, four months after the law was enacted, the first Christian was on death row. On October 14, 1996, trainee architect Ayub Masih, a Catholic who studied in Karachi, came home to find his village of Arifwala gripped by a dispute. A Muslim family had tried to seize land from his parents. Ayub attended meeting and was beaten by the villagers, who took him to police station, where he was charged under Quereishi's law and jailed."

The authors have mischievously omitted to state that the accused was acquitted of the charge by the High Court as the ingredients of the offence did not establish the case against him. There is also ignorant of the law and the due process of law of blasphemy. This law is introduce in Pakistan to protect the life, owner and proproty of the accused may be Muslim or non-Muslim, no one has been convicted under this law after its commencement in the year 1992.

The accused was handed over to the police, but he was neither beaten to death which was the practice before the promulgation of law of contempt of the Holy Prophet in India and Pakistan.

اشاریہ (INDEX)

اشاریہ میں اسماء موضوعات شخصیات اور مقامات وغیرہ کے متعلقہ صفحات درج ہیں۔

ترتیب جواد طحہٰ اور حمیرا طحہٰ قریشی

چ

ح

خ

د

ذ

ر

اسماعیل قریشی صاحب نے "توہین رسالت" کے مجرموں کے لیے سزائے موت کا قانون نافذ کرانے میں بڑی دلچسپی لی تھی۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں مقدمہ لڑا اور جیتا تھا۔ جسٹس گل محمد مرحوم نے ان ہی کی درخواست پر شریعت کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے وہ معرکے کا فیصلہ لکھا تھا' جو اس دنیا میں بھی ان کے کام آیا کہ وہ کروڑوں مسلمانوں کے محبوب بن گئے اور اگلی دنیا میں بھی (انشاء اللہ) ان کے کام آ رہا ہو گا۔

قریشی صاحب نے اس ساری جدوجہد اور اس معاملے پر ملت اسلامیہ کے مسلسل اجماع کو کتاب کی صورت دے دی ہے اور ایک ایسا کام کر دکھایا ہے جس پر تحسین کے پھول نچھاور کئے جانے چاہئیں۔

مجیب الرحمٰن شامی

چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان

"ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں دیانت دارانہ تحقیق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ کی متفقہ رائے کے مطابق توہین رسالت جیسے سنگین جرم کی سزا سزائے موت ہے۔

روزنامہ جنگ

گستاخان رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں جناب اسماعیل قریشی نے اپنی کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں تاریخی حوالوں سے یہ مستند ثبوت پیش کیا ہے کہ قرآن و سنت اور تمام فقہاء کے فیصلوں کے مطابق اہانت رسول کی سزا ہر اسلامی دور حکومت میں سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ انہوں نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ مسیحی اور موسوی قانون کی رو سے بھی توہین پیغمبر کی یہی سزا مقرر ہے یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے بھی لائق مطالعہ ہے۔

روزنامہ نوائے وقت

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور